حصہ دوم

مقالاتِ حیدری

(اعتقادیات و تعلیمات)

مُصنّف

ابوالاکرم احمد حسین قاسم الحیدری الرضوی

ناظم مکتبہ حیدریہ

مکتبۂ حیدریہ

بازار سہنسہ ضلع کوٹلی آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقالات حیدری

فقہی مسائل واحکامات

حصّہ دوم

مصنف

ابوالکرم احمد حسین قاسم الحیدری الرضوی

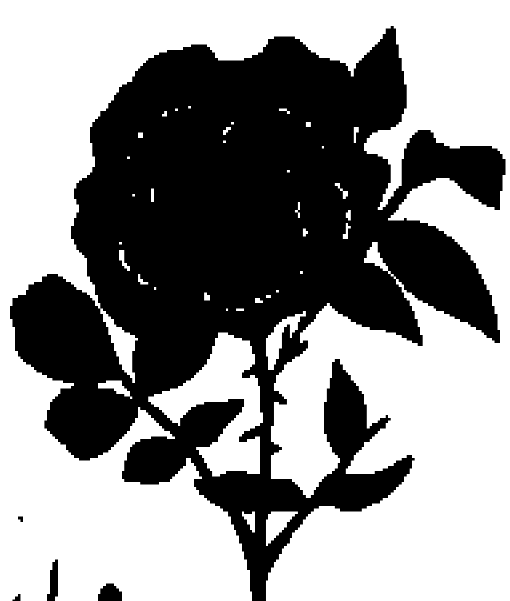

ناظم مکتبہ حیدریہ ـ بازار سہنسہ ـ ضلع کوٹلی (آزاد کشمیر)

﴿جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں﴾

نام کتاب.................. مقالات حیدری (حصہ دوم)

تصنیف .... ابوالکرم احمد حسین قاسم الحیدری الرضوی

نظر ثانی.................. حکیم خلیفہ سائیں محمد عارف صاحب زاہدی قادری

کمپوزنگ سنٹر.................. غوثیہ کمپوزنگ سنٹر (فون 5564913)

جامعہ محمدیہ غوثیہ انوار القرآن راولپنڈی

کمپوزنگ وڈیزائنگ.................. محمد شاہد خاقان ہزاروی، محمد عرفان ترنول

بار .... اول

تاریخ طباعت.................. جنوری ۲۰۰۴ء

تعداد صفحات ۴۹۲

ہدیہ ....

پرنٹرز ....

ناشر .... مکتبہ حیدریہ بازار سہنسہ ضلع کوٹلی آزاد کشمیر

ملنے کے پتہ جات:

- ☆ مکتبہ حیدریہ بازار سہنسہ ضلع کوٹلی آزاد کشمیر
- ☆ شاہین بکس کوٹلی شہر آزاد کشمیر
- ☆ زین بک ڈپو گرلز کالج روڈ کوٹلی آزاد کشمیر
- ☆ نیو مکتبہ ضیائیہ ڈی 325 نزد لال حویلی بوہڑ بازار راولپنڈی
- ☆ احمد بک کارپوریشن عالم بزنس سنٹر اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک راولپنڈی
- ☆ مکتبہ رضائے مصطفےٰ چوک محلہ دار السلام گوجرانوالہ

﴿ فہرست مضامین ﴾

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	دعائیہ کلمات	۱
۲	تأثرات	۳
۳	نظم نذرانہ عقیدت بحضور سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ	۵
۴	نظم نذرانہ عقیدت بحضور اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ	۶
۵	نظم نذرانہ عقیدت بحضور محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ	۸
۶	مصنف کا عقیدہ	۱۰
۷	سخن ہائے گفتنی	۱۱
۸	پہلا مقالہ ضوء المرجان فی بیان سیرۃ النعمان (حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و مناقب)	۱۷
۹	دوسرا مقالہ۔ تقلید شخصی کے وجوب کا ثبوت	۳۹
۱۰	تیسرا مقالہ۔ بیعت مشائخ کی حقیقت و اہمیت	۶۱
۱۱	چوتھا مقالہ تعیین عرفی کا ثبوت	۷۹
۱۲	پانچواں مقالہ۔ ذکر میلاد النبی ﷺ	۹۱
۱۳	چھٹا مقالہ۔ مسئلہ گیارہویں شریف پر ایک تحقیقی نظر	۱۰۷
۱۴	ساتواں مقالہ۔ مسئلہ نذر و نیاز	۱۲۳
۱۵	آٹھواں مقالہ تعویذ کی شرعی حیثیت	۱۳۷
۱۶	نواں مقالہ۔ مسجد میں عورتوں کے اجتماعات کی اسلامی حیثیت	۱۴۷

۱۷	دسواں مقالہ۔ اکابر نقشبندیہ اور ذکر بالجہر	۱۶۱
۱۸	گیارہواں مقالہ	
	گرمیوں میں نماز ظہر کے مسنون وقت کا بیان	۱۷۱
۱۹	بارہواں مقالہ	
	صلوٰۃ وسلام قبل الآذان پر چند اعتراضات کا جواب	۱۸۵
۲۰	تیرہواں مقالہ صلوٰۃ وسلام بعد از آذان کا بیان	۱۹۹
۲۱	چودہواں مقالہ۔ تنویر العین بتقبیل الابہامین	
	(آذان میں انگوٹھے چومنے کا مسئلہ)	۲۱۱
۲۲	پندرہواں مقالہ۔ اقامت میں حی علی الفلاح پر اٹھنے کا بیان	۲۲۳
۲۳	سولہواں مقالہ۔ ننگے سر نماز کا مسئلہ	۲۳۳
۲۴	سترہواں مقالہ۔ امام کعبہ کی اقتداء کا مسئلہ	۲۴۷
۲۵	اٹھارہواں مقالہ۔ نابالغ امام اور تراویح	۲۵۵
۲۶	انیسواں مقالہ۔ مسئلہ صلوٰۃ وسلام بعد از نماز جمعہ	۲۶۷
۲۷	بیسواں مقالہ۔ میت کو دوبار غسل دینے کا بیان	۲۸۵
۲۸	اکیسواں مقالہ۔ اوضح البیان لابناء ہذا الزمان	
	(جنازہ کو قدمی دینے کا بیان)	۲۹۷
۲۹	بائیسواں مقالہ۔ الکلمۃ الممتازۃ فی بیان کیفیۃ سلام الجنازۃ	۳۰۹
	(نماز جنازہ کا سلام ہاتھ کھول کر پھیرنے کا بیان)	
۳۰	تیئسواں مقالہ۔ دعائے جنازہ پر چند شکوک کا ازالہ	۳۱۹
۳۱	چوبیسواں مقالہ۔ فضیلۃ الصدقۃ عند الدفن	۳۳۵

۳۲	پچیسواں مقالہ۔حیلۂ اسقاط کا ثبوت	۳۴۱
۳۳	چھبیسواں مقالہ۔مسئلہ توسل بالقرآن	۳۵۳
۳۴	ستائیسواں مقالہ۔بیان الاجر فی آذان القبر (قبر پر آذان دینے کا ثبوت)	۳۶۳
۳۵	اٹھائیسواں مقالہ ایذان الثواب فی التلاوۃ عند قبور الاحباب (جمعرات تک قبر پر قرآن خوانی کا بیان)	۳۷۹
۳۶	انتیسواں مقالہ۔ایذان الاجر فی الدعآء علی القبر (قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا بیان)	۳۹۱
۳۷	تیسواں مقالہ۔بزرگان دین کی بیٹھکوں پر دعا فاتحہ کا مسئلہ	۴۰۳
۳۸	اکتیسواں مقالہ۔عہد نامہ قبر میں رکھنے کا بیان	۴۱۷
۳۹	بتیسواں مقالہ۔غائبانہ نماز جنازہ کی شرعی حیثیت	۴۲۹
۴۰	تینتیسواں مقالہ۔نماز جنازہ دوبار پڑھنے کا مسئلہ	۴۴۳
۴۱	چونتیسواں مقالہ۔عرس کی شرعی حیثیت	۴۵۳
۴۲	پینتیسواں مقالہ۔قبرستان کو مسجد بنانے کا مسئلہ	۴۶۳
۴۳	چھتیسواں مقالہ۔گنبد خضراء کی شرعی حیثیت	۴۷۵

﴿تمت ــــــــــــــــ بالخیر﴾

مقالات حیدری حصہ اول
کے مقالہ جات

مقالات حیدری حصہ اول کے مقالہ جات کے عنوانات ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں

(۱) عقائد اہل سنت آیات کی روشنی میں (۲) عقائد اہل سنت احادیث کی روشنی میں

(۳) فضائل و کرامات اہل سنت (۴) جماعت حقہ کی پہچان

(۵) اصلی سنی کی پہچان (۶) اصلی حنفی کی پہچان

(۷) مشرکین مکہ کے شرک کی حقیقت (۸) امت مسلمہ اور شرک

(۹) بدعت حسنہ کا بیان (۱۰) تعلیمات غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ

(۱۱) تعلیمات شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (۱۲) تعلیمات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳) تعلیمات اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴) تعلیمات حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

(۱۵) دیوبندیت علمائے حق کی نظر میں (۱۶) دیوبندی بریلوی عقائد کا موازنہ

(۱۷) تبلیغی جماعت اور وہابیت (۱۸) تبلیغی جماعت کا مقصد تبلیغ (۱۹) آئینہ وہابیت

(۲۰) آئینہ مودودیت (۲۱) آئینہ طاہریت (۲۲) مقام صحابہ پر ایک نظر

(۲۳) گستاخان صحابہ کا انجام (۲۴) مناقب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

(۲۵) یزید پر ایک نظر (۲۶) قادیانیوں سے میل جول کی شرعی حیثیت

﴿اپیل﴾

اعتقادیات و تعلیمات بزرگان دین کے بارہ میں مقالات حیدری حصہ اول بھی حاصل کریں۔ اور اپنے عقائد کی اصلاح فرمائیں۔

الداعی الی الخیر: ناظم مکتبہ حیدریہ۔ بازار سہنسہ۔ ضلع کوٹلی آزاد کشمیر

﴿دعائیہ کلمات﴾

(از قلم فیض رقم حضرت علامہ پیر سید ضیاء الحق شاہ صاحب سلطانپوری دامت برکاتہم العالیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی لامانع لحکمہ ولاناقض لقضائہ والصلوٰۃ والسلام علی سید انبیائہ وسند اولیائہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد.

مخلصی ومحبی فی اللہ الصوفی الصافی حضرت العلامہ جامع المعقول والمنقول بقیۃ السلف مولانا احمد حسین قاسم الحیدری مدظلہ العالی کو میں زمانہ طالب علمی سے جانتا ہوں۔ میرا غالب گمان ہے کہ مولانا نے ۱۹۶۸ء میں ہمارے جامعہ رضویہ ضیاء العلوم سبزی منڈی راولپنڈی میں داخلہ لیا۔ آپ انتہائی محنتی اور نہایت پاکیزہ صورت وسیرت کے مالک تھے۔ عام طلباء سے الگ تھلگ مسجد کے کسی کونے میں بیٹھے ہر وقت کتابوں کے مطالعہ میں مصروف کار رہتے تھے آپ کی ذہانت اور پاکیزگی کردار کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں اساتذہ کے نظروں میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے جامعہ کے طلباء اور دیگر متعلقین جامعہ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ نے تکمیل علوم کر لی تو اساتذہ کرام نے آپ کو جامعہ میں تدریس کی اہم ذمہ داری سونپ دی۔ جسے آپ نے بڑے احسن انداز میں نبھایا اور تدریس کے میدان میں خوب شہرت حاصل کی۔ درس نظامی کی بڑی بڑی مشکل کتابوں پر حاشیے لکھے یہاں تک کہ ہدایہ پر عربی میں بڑا ضخیم حاشیہ بھی تحریر فرمایا۔ اسی اثنا میں آپ کی دور اندیش بصیرت نے محسوس کیا کہ ایسا نہ ہو کہ میرا آبائی علاقہ بدعقیدگی کی موجودہ روش میں مبتلا ہو جائے شہر کی سہولیات اور

آرام کو چھوڑ کر اپنے دیہاتی علاقہ کو تبلیغ دین کا مرکز بنالیا۔ راقم الحروف کو بارہا آپ کے علاقے میں جلوس عید میلاد النبی و دیگر جلسوں میں شمولیت کا موقع ملا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ علاقہ کے عوام آپ کی بے پناہ عزت کرتے اور بے حد چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ہر تبلیغی واصلاحی کام میں وہ آپ کے ساتھ قدم ملا کر چلتے اور آپ کی لکھی ہوئی تحریروں کو کتابی شکل میں چھپوا کر پاکستان و آزاد کشمیر کے بہت سے علاقوں میں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کو عمر خضر عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو عام فرمائے۔

سید ضیاء الحق سلطانپوری

مہتمم جامعہ محمدیہ غوثیہ انوارالقرآن (رجسٹرڈ)

مولوی محلہ صدر راولپنڈی

بتاریخ ۵ ستمبر ۲۰۰۳ء

﴿تأثرات﴾

(از قلم مخدوم اہل سنت محبّ العلم والعلماء جناب حکیم خلیفہ سائیں محمد عارف زاہدی قادری مدظلہ کوٹلی)

اللہ رب محمد صل علیہ وسلما۔ نحن عباد محمد صل علیہ وسلما

جامع الشریعہ، محقق اہل سنت یادگار سلف حضرت احمد حسین قاسم الحیدری اب عمر کے اس زینہ پر ہیں جسے سن شیوخت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس عمر میں آرام وسکون کی ضرورت ہوتی ہے۔ بدنی قویٰ مع حافظہ ضعف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آپ روزانہ ایک سو سے زاہد طلباء وطالبات کو ناظرہ درس قرآن دیتے ہیں۔ اپنے دیہات موضع بھیائی کی مسجد کی امامت اور مرکزی جامع مسجد سہنسہ بازار کی خطابت بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ اپنے علاقہ کے سماجی ومعاشرتی معاملات میں بھی بذات خود بھرپور شرکت کرتے ہیں۔ ہر ماہ انجمن احباب اہل سنت کے سلسلہ تبلیغ سبیل ہدایت کے لئے نئی پیش کش لکھتے لکھواتے چھپواتے اور اپنے ہاتھوں سے بنا کر اسے اپنے حلقہ احباب میں تقسیم کرتے ہیں۔ ہر ماہ قاری محمد افراہیم حسن تتہ پانوی کے سلسلہ ہائے تبلیغ روشنی سوئے مزار اور امامت کے لئے بھی تالیف واشاعت کا کام کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں گھر کے سب کاموں کی ذمہ داری بھی تنہا انہی کے اپنے کمزور کندھوں پر ہوتی ہے۔ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم۔

چند روز قبل جب مولانا موصوف فقیر کے ہاں تشریف لائے تو آپ نے اپنی روایتی کپڑے کی تھیلی کی گرہ کھولی اور اس میں سے ایک موٹا سا لفافہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا اور فرمانے لگے کہ مقالات حیدری حصہ دوم کا یہ مواد کتابت شدہ تیار ہے۔ آپ کے پاس نظر ثانی کے لئے لایا ہوں۔

یہ دیکھ کر مجھے انتہائی حیرت ہوئی کیونکہ مقالات حیدری حصہ اول کو چھپے ہوئے چند ماہ ہی گزرے ہیں۔ اور اس کے دوسرے حصہ کا مواد نہ صرف لکھا گیا ہے۔ بلکہ کتابت بھی کروایا جا چکا ہے۔ اگر مولانا کی عمر اور مذکورہ بالا مصروفیات کو مدنظر رکھا جائے تو آپ نے یہ انتہائی مشکل اور توجہ طلب کام بالکل مختصر عرصہ میں کر دکھایا ہے۔ ماشآء اللہ لاقوۃ الا باللہ۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ راقم الحروف نے مقالات حیدری حصہ دوم کے سب مقالات بالاستیعاب پڑھے ہیں۔ اور یہ محسوس کیا ہے۔ کہ مقالات کے اس دوسرے حصے میں شامل سب موضوعات کوزے میں سمندر بند کرنے کے مترادف ہیں۔ ضروری فقہی مسائل کو مدلل طور پر انتہائی محنت جانفشانی اور اسلاف کے طریقہء تحقیق کے عین مطابق عوام اہل سنت کی انتہائی ضرورت کے پیش نظر حل کر دیا گیا ہے۔ جس سے عصری اور علاقائی ضرورت پوری ہوگئی ہے

شاید کچھ احباب کو مقالات حیدری کے اس حصہ کے بعض موضوعات کی وجہ سے ان کے اپنے ذاتی وضع کردہ معمولات پر حرف آتا ہوا محسوس ہو اور یہ بات انہیں ناگوار بھی گزرے لیکن حق کو قبول کر لینا تقاضائے ایمان ہے، اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

خلاصہ کلام یہ کہ مقالات حیدری حصہ دوم کے یہ سب مقالات مجدد دین وملت امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیمات حقہ کے ترجمان ہیں۔ ناچیز کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس سعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

فقیر محمد عارف زاہدی قادری کوٹلی

(۲۵ جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ)

نذرانہ عقیدت

(بحضور امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ)

ہیں حق تعالیٰ کی خاص رحمت امام اعظم ابوحنیفہ
اللہ اللہ یہ شان حضرت امام اعظم ابوحنیفہ
ہے مقتضائے قرآن وسنت امام اعظم ابوحنیفہ
تمہاری صورت تمہاری سیرت امام اعظم ابوحنیفہ
ہے نور افشاں تمہاری طلعت امام اعظم ابوحنیفہ
ہیں آپ بے شک سراج امت امام اعظم ابوحنیفہ
قرآن وسنت کے راز مخفی تمہارے صدقے ہوئے نمایاں
تمہارے صدقے ملی ہدایت امام اعظم ابوحنیفہ
تمہارا فیضان نکتہ بینی ملے نہ اہل علم کو کیسے
ہیں آپ ابر بہارِ حکمت امام اعظم ابوحنیفہ
امام مالک امام شافعی امام احمد بھی کر رہے ہیں
اللہ اللہ تمہاری مدحت امام اعظم ابوحنیفہ
تا قیامت رہے گی زندہ، رہے گی جاری، رہے گی ساری
تم نے کی ہے جو دیں کی خدمت امام اعظم ابوحنیفہ
ہو تم حبیب خدا کے پیارے، ہو تم نگاہ جہاں کے تارے
نہ تم سے پھر ہو بھلا عقیدت امام اعظم ابوحنیفہ
یہ قاسم مضطرب بھی مشتاق ہے تمہارے جمال رخ کا
عطا ہو اس کو بھی حسنِ صورت امام اعظم ابوحنیفہ

﴿نذرانہ عقیدت﴾

(بحضور امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

لبوں پہ آج پھر آیا بیاں احمد رضا خاں کا
کرے گی تذکرہ میری زباں احمد رضا خاں کا

پہنچے گا وہی منزل پہ جو ہے ساتھ ساتھ اس کے
سوئے منزل رواں ہے کارواں احمد رضا خان کا

دلیل حق شعاری ہے، علامت ہے صداقت کی
ہوا ہے عام دنیا میں فیضاں احمد رضا خان کا

مانا ہے مجدد آپ کو عرب وعجم نے جب
تو ہمسر اس صدی میں ہو کہاں احمد رضا خاں کا

ہر مسئلے کا دیتے تھے جواب باصواب آقا
حقیقت میں تھا علم بے کراں احمد رضا خان کا

نہ اس جا سے اٹھا فتنہ کوئی پھر کفر وباطل کا
یہ فیض عام پہنچا ہے جہاں احمد رضا خاں کا

مفتی تھے، محقق تھے، مجدد تھے، مجاہد تھے
تھا رتبہ بہت عالی بے گماں احمد رضا خاں کا

ہزاروں کوششیں کرتے رہے ابلیس کے ساتھی
مٹا وہ نہ سکے لیکن نشاں احمد رضا خاں کا

بچایا اہل سنت کو فریب اہل باطل سے
ہے اہل حق پہ کتنا یہ احساں احمد رضا خاں کا

اگرچہ چل رہی ہے آج بھی بادِ خزاں ہر سو
بگاڑے گی نہ لیکن کچھ خزاں احمد رضا خاں کا

رہے گا شادماں ہر دم خدا کے فضل خاصہ سے
ارے باد مخالف بوستان احمد رضا خان کا

عمر بھر ہوں نصیبوں میں اسی دربار کے ٹکڑے
نہ چھوٹے یا الٰہی آستاں احمد رضا خان کا

چھپائے گا مجھے دامان رحمت آپ کا قاسمؔ
ہوں میں بھی ایک منگتا بے گماں احمد رضا خاں کا

﴿نذرانہ عقیدت﴾

(بحضور استاذ العلماء محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد چشتی رضوی صاحب فیصل آباد)

جماعت اہل حق کے پیشوا سردار احمد تھے
محبّ سرور ہر دوسرا سردار احمد تھے

بجایا جس نے علم دین کا ڈنکا زمانے میں
وہ اہل علم کے فرمان روا سردار احمد تھے

مخالف جن کے آگے ٹھہر سکتا تھا نہ کوئی بھی
دلائل جن کے پختہ تھے سدا سردار احمد تھے

جنہوں نے مسلک رضوی کو دی تاب وتوانائی
وہ پیروئے شہ احمد رضا سردار احمد تھے

کسر جس نے نہ چھوڑی دین حق کی پاسداری میں
وہ استاذ زمن وہ باوفا سردار احمد تھے

بڑے عابد، بڑے زاہد، بڑے عالم، بڑے فاضل
بڑی مقبول ہستی بے شبہ سردار احمد تھے

سمجھتے تھے جو گستاخ نبی پاک کو دشمن
وہ دانش مند مرد باخدا سردار احمد تھے

تذکار نبی سن کر جو روتے تھے محبت سے
وہ شیدائے حبیب کبریا سردار احمد تھے

مصافحہ جو نہ کرتے تھے کبھی گستاخ لوگوں سے
وہ غیرت مند زیب اتقیاء سردار احمد تھے

نگاہ لطف جن کی بخش دیتی تھی جلاء دل کو
جو تھے سرچشمۂ فیض وعطا سردار احمد تھے

بنا مرجع خاص وعام جن کا روضۂ اقدس
وہ منظور نگاہ کبریا سردار احمد تھے

جنہیں استاذ مانا تھا علم والوں نے قاسم وہ
جماعت اہل حق کے سربراہ سردار احمد تھے

مصنف کا عقیدہ

بندۂ پروردگارم، امت احمد نبی
دوست دارِ چار یارم، تابع اولادِ علی
مذہب حنفیہ دارم، ملت حضرت خلیل
خاک پائے غوثِ اعظم، زیر سایہ ہر ولی

سخن ہائے گفتنی، مصنف کے قلم سے

(۱) الحمد للہ راقم الحروف فقیر حیدری رضوی غفر اللہ تعالیٰ لہ کے لکھے ہوئے چھبیس مقالات پر مشتمل کتاب ''مقالات حیدری حصہ اول'' دیدہ زیب صورت میں اشاعت پذیر ہو کر شائقین علم کے ہاتھوں تک پہنچ چکی ہے۔ اللہ کریم جل مجدہ کی اس عظیم عنایت کا شکر ہم جتنا ادا کریں تھوڑا ہے۔ ثم الحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۲) مقالات حیدری حصہ اول میں صرف وہی مقالات شامل کتاب کئے گئے ہیں۔ جو سنی بریلوی مسلک کی تائید و وضاحت میں لکھے گئے تھے۔ یا بزرگان دین کی تعلیمات پر مشتمل تھے۔ الحمد للہ عقائد و تعلیمات کے باب میں یہ کتاب جامع ثابت ہوئی ہے۔ اور علم دوست احباب نے زبانی و تحریری طور پر اس کی تحسین فرمائی ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فی الدارین آمین۔

(۳) مقالات حیدری حصہ اول کی کتابت کے اختتام کے وقت قبلہ حکیم سائیں محمد عارف صاحب بذات خود کاتب کے پاس موجود تھے۔ راقم سے مشاورت کئے بغیر آپ نے کتاب کے آخر میں خوشخبری کے عنوان سے مقالات حیدری حصہ دوم کی عنقریب اشاعت کا اعلان لکھوا کر شامل کتاب کیا۔ حکیم صاحب موصوف کے اسی علمی ذوق کے نتیجہ میں مقالات حیدری کا یہ دوسرا حصہ شائع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔، فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فی الدارین۔

(۴) مقالات حیدری حصہ دوم کے بارہ میں حکیم صاحب نے جو اعلان شامل کتاب کیا اس میں انہوں نے اپنی طرف سے یہ قید ذکر فرمادی کہ مقالات حیدری کے دوسرے حصہ میں فقہی اختلافی مسائل کے بارہ میں مقالہ

جات شامل کتاب کیے جائیں گے فقہی اختلافی مسائل سے حکیم صاحب موصوف کی مراد کیا تھی اس کا صحیح علم خود انہی کو تھا۔ اس لئے انہی کی صوابدید پر مقالات حیدری کے دوسرے حصہ کے مضامین کو ترتیب دیا گیا ہے۔

(۵) حکیم صاحب نے مقالات حیدری کے دوسرے حصہ کے لئے جو عنوانات تحریر فرمائے ان میں سے بعض کے حل میں انجمن احباب اہل سنت کی شائع کردہ پیش کشیں موجود تھیں۔ اس لئے انہی کو معمولی رد و بدل کے ساتھ مقالات کی صورت میں شامل کتاب کر دیا گیا ہے۔ اور جن عنوانات کے بارہ میں شائع شدہ یا تصنیف شدہ مواد موجود نہیں تھا۔ ان کے حل کے لئے مستقل مقالات تصنیف کئے گئے ہیں۔ نئے تصنیف شدہ مقالات کے نام یہ ہیں۔ (۱) ضوء المرجان فی بیان سیرۃ النعمان، (۲) تقلید شخصی کے وجوب کا ثبوت (۳) بیعت مشائخ کی حقیقت و اہمیت (۴) مسئلہ گیارہویں شریف پر ایک تحقیقی نظر (۵) تعویذ کی شرعی حیثیت (۶) اکابر نقشبندیہ اور ذکر بالجہر (۷) گرمیوں میں نماز ظہر کے مسنون وقت کا بیان (۸) اقامت میں حی علی الفلاح پر اٹھنے کا بیان (۹) امام کعبہ کی اقتداء کا مسئلہ (۱۰) بیان الاجر فی آذان القبر (۱۱) قبرستان کو مسجد بنانے کا مسئلہ اور (۱۲) گنبد خضراء کی شرعی حیثیت۔

(۶) الحمد للہ مذکورہ بالا بارہ نئے تصنیف شدہ مقالات کی وجہ سے مقالات حیدری حصہ دوم کی افادیت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین۔

(۷) انجمن احباب اہل سنت کے شائع کردہ مقالات میں سے بعض مقالہ جات میں تنگ دامنی کی وجہ سے جو اختصار کیا گیا تھا۔ اسے دور کر کے تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ جن مقالہ جات میں یہ عمل کیا گیا ہے۔ ان کے نام

یہ ہیں ۔ آذان میں انگوٹھے چومنے کا مسئلہ ۔ (۲) ننگے سر نماز کا مسئلہ (۳) غائبانہ نماز جنازہ کی شرعی حیثیت ۔

(۸) یوں تو کتب فقہ میں اختلافی مسائل کی بھرمار ہے۔ لیکن ہم نے اپنے علاقہ میں پائے جانے والے مسائل ہی کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ ہمارے علاقہ میں سنی حنفی کہلوانے والے لوگ صحیح سنی حنفی راستہ کو جان کر اس پر چل سکیں اور علاقہ میں پائی جانے والی اختلافی خلیج کا حتی الوسع خاتمہ ہو جائے ۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو ذریعہ ہدایت بنائے ۔ (آمین)

(۹) مقالات حیدری حصہ دوم میں اس بات کا پورا پورا التزام کیا گیا ہے ۔ کہ ابتداء میں اصولی باتوں پر مشتمل مقالات کو رکھا جائے پھر عملی اختلافی مسائل کے حل میں مقالہ جات کو لایا جائے ، درمیانی شقوں کی ترتیب کو بھی بڑے غور وفکر سے قائم کیا گیا ہے۔ تاکہ قارئین کے ذہن میں مضامین کا تسلسل قائم رہ سکے ۔

(۱۰) دور حاضر میں غیر مقلد لوگ فقہ حنفی اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر کیچڑ اچھالتے ہیں ۔ اس لئے ضروری تھا۔ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل اور تقلید شخصی کے وجوب کو بیان کیا جائے ۔ الحمد للہ اسی غرض کے پیش نظر پہلا اور دوسرا مقالہ شامل کتاب کئے گئے ہیں ۔

(۱۱) مقالات حیدری حصہ دوم کے ہر مقالہ میں یہ کوشش کی گئی ہے ۔ کہ مسئلہ کی تحقیق میں علمائے متقدمین و متأخرین کے فراہم کردہ دلائل کو عام فہم انداز میں لکھا جائے تاکہ عام تعلیم یافتہ طبقہ بھی ہر مسئلے کو صحیح طریقہ سے سمجھ سکے ۔

(۱۲) مقالات حیدری حصہ دوم کی پروف ریڈنگ کا کام راقم الحروف نے ہی کیا ہے۔ ہاں حکیم صاحب قبلہ نے نظر ثانی فرمائی ہے۔ امید ہے کہ اغلاط

کی مقدار کم ہو گی۔ افسوس سے کہنا پڑا ہے۔ کہ کاتبوں کی غفلت اور ہمارے احباب کی جلد بازی کی وجہ سے مقالات کے پہلے حصہ میں اغلاط باقی رہ گئی ہیں۔ جن کی نشان دہی کے لئے اغلاط نامہ شائع کرایا گیا ہے۔ جن احباب کو اغلاط نامہ نہ ملا ہو وہ مکتبہ حیدریہ بازار سہنسہ ضلع کوٹلی آزاد کشمیر کے پتہ پر خط لکھ کر حاصل کر لیں۔

(۱۳) مقالات حیدری حصہ اول و دوم کو تجارتی مقاصد کے پیش نظر شائع نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اصل مقصد تبلیغ دین ہے۔ اسی وجہ سے ان کا ہدیہ مناسب رکھا گیا ہے۔ علمائے دین سے پُر زور اپیل ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہء اثر میں اس کتاب کے دونوں حصوں کو متعارف کرائیں اور اس کی خریداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم حاصل کریں۔

(۱۴) آخر پر یہ فقیر مخدوم اہل سنت محب العلم والعلماء حکیم خلیفہ سائیں محمد عارف زاہدی قادری مدظلہ العالی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ آپ نے اس کتاب کے دونوں حصوں میں تخنے درہمے قدمے بھرپور تعاون سے ہمیں نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دینی خدمت کا صلہ آپ کو دارین میں عنایت فرمائے اور آپ کی زندگی اولاد اور کاروبار میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

(۱۵) جو مسلمان مقالات حیدری کو پڑھیں اور اس سے عقائد ونظریات اور اعمال کی اصلاح لیں ان سے درخواست ہے کہ راقم الحروف مصنف کتاب ہذا الفقیر ابوالکرم احمد حسین قاسم الحیدری غفر اللہ تعالیٰ لہ کے حق میں بھی دین و دنیا کی کامیابیوں اور آخرت کی کامرانیوں کے لئے حق تعالیٰ وجل مجدہ سے دعا فرمائیں۔ راقم کے والدین اساتذہ اور جملہ معاونین کے حق میں بھی دعائے خیر فرمائیں۔

خاتمہ بالخیر کردے رب دو عالم نصیب
دوستو کرنا کسی دن یہ دعا میرے لئے

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین وصلی الله تعالیٰ علی حبیبه محمد وآله واصحابه وبارک وسلم

(۳۰ جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا مقالہ

ضوء المرجان
فی بیان سیرۃ النعمان

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل ومناقب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد !

اس مختصر رسالہ ''ضوء المرجان فی بیان سیرۃ النعمان'' میں امام الائمہ کاشف الغمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ فضائل رفیعیہ ومناقب سنیہ جمع کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے۔ جو جلیل القدر بزرگان دین واولیائے کاملین نے اپنی کتب معتبرکہ مقدسہ میں تحریر فرمائے ہیں۔ تاکہ عامۃ المسلمین کی نظر میں مذہب حنفی کی عظمت اجاگر ہو اور اس مذہب مہذب کی حقانیت پر ان کا ایمان پختہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو شرف مقبولیت بخشے اور ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مستطاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں لکھتے ہیں: ومنھم امام اماماں ومقتدائے خلقاں شرف فقہاء وعز علماء ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخزاز رضی اللہ عنہ (ترجمہ) اوراولیائے امت میں سے اماموں کے امام، مخلوق خدا کے مقتدا، فقہاء کا شرف اور علماء کی عزت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت خزاز ہیں۔

پھر لکھتے ہیں:

امام صاحب نے ابتدائے حال میں گوشہ نشینی کا ارادہ فرمایا: تاکہ وہ مخلوق خدا کے درمیان سے ہٹ کر اپنے دل کو ریاست اور جاہ ومرتبہ کے خیال سے پاک بنائیں، اور اسے راہِ خدا میں استوار کریں۔ حتیٰ کہ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ پیغمبر خدا ﷺ کی لحد شریف سے ہڈیاں اکٹھی کر رہے ہیں اور بعض کو بعض سے جدا کرتے ہیں۔ آپ اس خواب کی ہیبت سے بیدار ہوئے تو ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد سے

اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے فرمایا۔

تو اندر علم پیغمبر ﷺ وحفظ سنت بدرجہ بزرگ رسی چنانچہ اندر آن متصرف شوی وصحیح راز سقیم جدا کنی (ترجمہ) آپ پیغمبر ﷺ کے علم اور سنت کی حفاظت میں اتنے بلند مرتبہ کو پہنچ جائیں گے کہ آپ صحیح حدیثوں کو غیر صحیح حدیثوں سے جدا کریں گے۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

دوسری مرتبہ آپ نے پیغمبر ﷺ کو دیکھا کہ وہ آپ کو دیکھ کر فرما رہے ہیں۔

یا ابا حنیفہ ترا سبب زندہ گردانیدن سنت من کردہ اند. قصد عزلت مکن (ترجمہ) اے ابوحنیفہ خدا تعالیٰ نے تجھے میری سنت کے زندہ کرنے کا سبب بنایا ہے۔ تو گوشہ نشینی کا ارادہ نہ کر۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

یحییٰ بن رازی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں پیغمبر ﷺ کو دیکھا۔ میں نے پوچھا۔ یارسول اللہ۔ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا عند علم ابی حنیفة '' ابوحنیفہ کے علم کے پاس مجھے تلاش کر۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

میں دمشق میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس سویا ہوا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں۔ پیغمبر خدا ﷺ باب بنو شیبہ سے اس حال میں تشریف لائے ہیں کہ آپ اپنی بغل میں ایک بوڑھے کو اس طرح اٹھائے ہوئے ہیں۔ جس طرح لوگ شفقت سے اپنے بچوں کو اٹھاتے ہیں۔ میں دوڑ کر آگے بڑھا اور آپ کے قدموں کو بوسہ دیا۔ میں حیران تھا کہ وہ شخص کون ہیں؟ اور ان کا یہ حال کیسا ہے۔؟ پیغمبر خدا ﷺ نے میرے اس خیال پر آگاہ ہو کر فرمایا۔ ایں امام تو واہل دیارتست'' یہ تیرا اور تیرے شہر والوں کا امام ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات:

حضرت مجدد الف ثانی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں لکھتے ہیں:

امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہیں کہ انہوں نے تقویٰ وپرہیزگاری اور اتباع سنت میں اجتہاد واستنباط میں وہ بلند درجہ پایا ہے کہ اسے دوسرے لوگ سمجھنے سے قاصر اور عاجز ہیں۔ اور انہیں ان کی دقیقہ فہمی کے باعث کتاب وسنت کے مخالف جانتے اور انہیں اور ان کے شاگردوں کو اصحاب رائے خیال کرتے ہیں۔

سو یہ سب کچھ اس بناء پر ہوا کہ انہیں امام صاحب کے علم ودانش کی حقیقت اور ان کے فہم وفراست پر اطلاع نہ ہوئی۔ اور جب امام شافعی کو امام صاحب کی دقت فقاہت کا کچھ حال معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا: **الفقهاء كلهم عيال ابى حنيفة** سارے فقہاء امام ابوحنیفہ کی اولاد ہیں۔

خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب کی چھٹی فصل میں یہ بات لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول اجلال کے بعد امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل کریں گے۔ یعنی روح اللہ علیہ السلام کا اجتہاد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کے موافق ہوگا اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اس مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ ان کی شان اس سے بلند تر ہے کہ وہ علمائے امت کی تقلید کریں۔ تکلف وتعصب سے کام نہ لیا جائے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر میں اس حنفی مذہب کی نورانیت ایک بڑے دریا کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ اور باقی تمام مذاہب حوضوں اور نالیوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ اور ظاہر بھی یہی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا سواد اعظم امام ابوحنیفہ کا مقلد ہے۔ اور یہ مذہب (حنفی) اپنے پیروکاروں کی کثرت کے باوجود اصول وفروع میں دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے۔ اور اس کا طریقہ استنباط جدا ہے۔ یہ بات اس کے حق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ عجب معاملہ

ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ سنت مصطفےٰ کی تقلید میں سب لوگوں سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح قابل عمل جانتے اور انہیں اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور اسی طرح آپ صحابہ کرام کے اقوال کو بھی بسبب نبی کریم ﷺ کی صحبت کے شرف کے اپنی رائے پر فوقیت دیتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے ائمہ کا یہ حال نہیں ہے۔ اس کے باوجود آپ کے مخالفین آپ کو صاحب رائے جانتے اور آپ کی طرف بے ادبی کے کلمات منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ آپ کے علم کی کثرت اور پرہیزگاری کے کمال کے معترف بھی ہیں۔ حضرت حق سبحانہ امام اعظم کے مخالفین کو توفیق بخشے کہ وہ دین کے سردار اور مسلمانوں کے سردار کو اذیت نہ دیں۔ اور مسلمانوں کے سواد اعظم کو ایذا نہ پہنچائیں۔ یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم ۔ (یہ لوگ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھانا چاہتے ہیں)۔

سو وہ لوگ جو آپ کو اصحاب رائے جانتے ہیں۔ اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حنفی لوگ اپنی رائے سے حکم کرتے ہیں اور کتاب وسنت کی متابعت نہیں کرتے اس وجہ سے مسلمانوں کا یہ سواد اعظم ان کے فاسد زعم میں گمراہ کن اور مبتدع ہے۔ بلکہ اہل اسلام کی جماعت سے باہر ہے۔ تو یہ اعتقاد نہ رکھے گا مگر کوئی جاہل جو اپنی جہالت ہی سے بے خبر ہے۔ یا کوئی زندیق جس کا مقصود دین کے نصف حصہ کو باطل کرنا ہے۔ ناقص العلم لوگ چند حدیثیں زبانی یاد کر لیتے ہیں اور شریعت کے احکام کو انہی میں منحصر کر دیتے ہیں اور اپنے علم کے ماوراء کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہ ہو اس کا انکار کرتے ہیں

چو آن کرمے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمان او ہمان است

یہ لوگ اس کیڑے کی طرح ہیں جو پتھر میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور اپنے زمین و آسمان ہی کو ساری کائنات سمجھتا ہے۔

وائے ھزار وائے از تعصب ھائے بارد ایشان واز نظرھائے فاسد ایشان. بانئ فقه ابو حنیفه است وسه حصه از فقه اورا مسلم داشتند ودر ربع باقی همه شرکت دارند باوے. در فقه صاحب خانه اوست ودیگران همه عیال وے اند

ترجمہ: امام اعظم کے مخالفین کے سرد تعصبات اور فاسد نظریات کی وجہ سے ان کے مذکورہ بالا اعتقادیات ہیں ورنہ امام ابوحنیفہ فقہ کے بانی ہیں اور فقہ کے تین حصے انہیں سونپے گئے ہیں اور باقی چوتھے حصے میں سب فقہاء ان کے شریک ہیں۔ فقہ کے گھر والے امام اعظم ہیں اور باقی سب لوگ آپ کے اہل وعیال ہیں۔

باوجودیکہ میں مذہب حنفی کا مقلد ہوں مجھے امام شافعی سے ایک گونہ ذاتی محبت ہے۔ اور میں انہیں بزرگ جانتا ہوں۔ اسی وجہ سے میں اعمال نافلہ میں بعض دفعہ (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید چھوڑ کر) ان کی تقلید کرتا ہوں۔

اما چه کنم که دیگران را باوجود وفور علم و کمال تقویٰ درجنب امام ابی حنیفه در رنگ طفلان می یابم والامر الی الله سبحانه

مگر کیا کروں کہ میں دوسرے اماموں کو ان کے وفور علم اور کمال تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہ کے پہلو میں بچوں کے رنگ میں پاتا ہوں اور معاملہ اللہ سبحانہ ہی کی طرف سے ہے۔ (مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص ۱۵۴۔ مکتوب پنجاہ وپنجم)

اور یہی بزرگ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہ آسمان سے نزول فرمائیں گے خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعت کی پیروی کریں گے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا کہ حضرت خواجہ نقشبند کے باکمال خلفاء میں سے ہیں۔ قدس اللہ تعالیٰ سرہما اور صاحب علم اور اہل کشف ہیں انہوں نے بھی کتاب فصول ستہ میں معتبر نقل سے لکھا ہے۔ کہ:

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیه الصلوٰة والسلام بعد از نزول

عمل بمذهب امام ابی حنیفه خواهد کرد رضی الله تعالیٰ عنه و حلال اورا حلال خواهد داشت و حرام اورا حرام

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اترنے کے بعد امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل کریں گے اور ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام قرار دیں گے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۷ص ۳۰۵)

صاحب درمختار کے ارشادات:

امام علاؤالدین حصکفی اپنی کتاب مستطاب الدرالمختار شرح تنویرالابصار کے مقدمہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل میں لکھتے ہیں:

علماء فرماتے ہیں کہ علم فقہ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا۔ حضرت علقمہ نے اسے سینچا، حضرت ابراہیم نخعی نے اسے کاٹا، حضرت حماد نے اس کے دانے سٹوں سے نکالے، امام ابوحنیفہ نے اس کے دانے پیسے، امام ابویوسف نے اس کا آٹا گوندھا اور امام محمد نے اس کی روٹیاں پکائیں۔ ''فسائر الناس یأکلون من خبزہ'' پھر سارے لوگ امام محمد کی روٹیاں کھارہے ہیں۔ امام محمد نے اپنا علم اپنی تصانیف کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا اور وہ آپ کی کتابیں الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، المبسوط، الزیادات اور النوادر ہیں۔ امام محمد کے شاگردوں میں امام شافعی بھی شامل ہیں اور امام محمد نے امام شافعی کی والدہ سے نکاح کیا تھا، اور اپنی کتابیں اور مال ان کو سونپ دیا تھا۔ پھر انہی کتابوں کے سبب سے امام شافعی فقیہ بنے تھے۔ اور امام شافعی نے انصاف سے کام لیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ

من اراد الفقه فليلزم اصحاب ابی حنيفة فان المعانی قد تيسرت لهم والله ماصرت فقيهاً الا بكتب محمد بن الحسن

جو شخص علم فقہ حاصل کرنا چاہے اسے امام ابوحنیفہ کے شاگردوں سے رابطہ پیدا کرنا چاہئے، کیونکہ کلام کے معانی ان کے لئے آسان کردیئے گئے ہیں۔ اللہ کی قسم میں فقیہ نہیں بنا ہوں مگر امام محمد بن حسن کی کتابوں کی وجہ سے۔ اور امام اسمٰعیل بن ابورجاء نے فرمایا ہے کہ میں نے خواب میں امام محمد کو دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے

ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ فرمایا: اس نے مجھے بخش دیا ہے۔ اور اس نے فرمایا اگر میں تمہیں عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا تو تمہیں دین کا علم عطا نہ کرتا۔ پھر میں نے پوچھا امام ابو یوسف کہاں ہیں؟ فرمایا: وہ ہم سے دو درجے بلند ہیں۔ پھر میں نے کہا: امام ابو حنیفہ کہاں ہیں؟ اور ان کا کیا حال ہے؟ فرمایا:

هيهات ذاک في اعلىٰ عليين كيف وقد صلى الفجر بوضوء العشاء اربعين سنة وحج خمسا وخمسين حجة ورأى ربه في المنام مأة مرة

آہا۔ وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو، انہوں نے تو چالیس سال عشاء کے وضو سے نماز فجر پڑھی ہے۔ پچپن حج کئے ہیں اور ایک سو مرتبہ خواب میں اپنے رب کی زیارت کی ہے۔

اور آخری حج میں آپ نے کعبہ شریف کے دربانوں سے اجازت لی اور رات کے وقت کعبہ میں داخل ہوئے پھر دو ستونوں کے درمیان اپنے دائیں پاؤں پر کھڑے ہو کر اور بایاں پاؤں اس پر رکھ کر ایک رکعت میں نصف قرآن مجید کی تلاوت کی پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا پھر بائیں پاؤں پر کھڑے ہو کر اور اس پر دایاں پاؤں رکھ کر دوسری رکعت میں نصف قرآن مجید کی تلاوت کی پھر جب سلام پھیرا۔ روئے اور دعا میں عرض کیا

الهي ماعبدک هذا العبد الضعيف حق عبادتک لکن عرفک حق معرفتک فهب نقصان خدمته لکمال معرفته

میرے اللہ تیرے اس کمزور بندے نے تیرا حق عبادت ادا نہیں کیا ہے لیکن اس نے تیرا حق معرفت ادا کر دیا ہے۔ سو تو اس کی عبادت کی کمی کو اس کی معرفت کے کمال سے پورا فرما۔ ہاتف نے آواز دے کر کہا:

يا اباحنيفة قد عرفتنا حق المعرفة وخدمتنا فاحسنت الخدمة قد غفرنالک ولمن اتبعک ممن كان على مذهبک الى يوم القيامة

اے ابوحنیفہ تو نے حق معرفت ادا کر دیا ہے۔ ، اور تو نے ہماری عبادت اچھے طریقے سے کی ہے۔ ہم نے تجھے اور قیامت تک تیرے مذہب کی پیروی کرنے والوں کو بخش دیا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان آدم افتخر بی وانا افتخر برجل من امتی اسمہ نعمان و کنیتہ ابو حنیفۃ ھو سراج امتی

بلاشبہ آدم نے مجھ پر فخر فرمایا تھا اور میں اپنی امت کے ایک شخص پر فخر کرتا ہوں جس کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ ہے۔ ، وہ میری امت کا آفتاب ہے۔

اور دوسری حدیث میں فرمایا:

ان سائر الانبیاء یفتخرون بی وانا افتخر بابی حنیفۃ من احبہ فقد احبنی ومن ابغضہ فقد ابغضنی

تمام انبیاء مجھ پر فخر کرتے ہیں اور میں ابوحنیفہ پر فخر کرتا ہوں۔ جو شخص اس سے محبت کرے گا وہ میرا محب ہے۔ اور جو شخص اس سے دشمنی کرے گا وہ میرا دشمن ہے۔

کذا فی التقدمۃ شرح مقدمۃ ابی اللیث قال فی الضیاء المعنوی وقول ابن الجوزی انہ موضوع تعصب لانہ روی بطرق مختلفۃ

اور امام جرجانی اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن عبداللہ تستری سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: لو کان فی امتی موسیٰ وعیسیٰ مثل ابی حنیفۃ لما تھودوا ولما تنصروا اگر حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی امتوں میں ابوحنیفہ جیسے لوگ ہوتے تو ہرگز وہ یہودی اور نصرانی نہ بنتے۔

اور تیرے لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل میں سے یہی ایک بات کافی ہے کہ ان کا مذہب بے حد مشہور ہوا ہے۔ آپ نے جو بھی قول کیا ہے۔ اسے بڑے بڑے اماموں میں سے کسی نہ کسی امام نے اختیار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے زمانے سے

لے کر اس زمانے تک آپ کے شاگردوں اور مقلدوں کے فیصلے نافذ فرمائے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے مذہب کے مطابق فیصلے نافذ فرمائیں گے۔ یہ بات آپ کی بہت بڑی خصوصیت پر دلالت کرتی ہے جو دوسرے بڑے بڑے علماء کو حاصل نہیں ہوئی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح فقہ کی تدوین میں پہلا نمبر رکھتے ہیں۔ آپ کے لئے اس کا اجر ہے۔ اور اس کے اجر جتنا اجر ہے۔ جو قیام قیامت تک آپ کے بتائے ہوئے اصولوں پر احکام شرعیہ حاصل کرتے رہیں گے۔

وقد اتبعه على مذهبه كثير من الاولياء الكرام ممن اتصف بثبات المجاهدة وركض في ميدان المشاهدة كابراهيم وشقيق البلخي ومعروف الكرخي وابي يزيد البسطامي وفضيل بن عياض وداؤد الطائي وابي حامد اللفاف وخلف بن ايوب وعبد الله بن المبارك ووكيع بن الجراح وابي بكر الوراق وغيرهم ممن لايحصى لبعده ان يستقصى فلو وجدوا فيه شبهة ما اتبعوه ولااقتدوا به ولا وافقوه فعجباً لك يا اخى الم يكن لك اسوة حسنة في هؤلاء السادات الكبار أكانوا متهمين في هذا الاقرار والافتخار وهم ائمة هذه الطريقة وارباب الشريعة والحقيقة

اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر چلنے والے بہت سے ایسے اولیاء کرام گزرے ہیں جو ریاضت میں ثابت قدم اور میدان مشاہدہ میں دوڑ لگانے والے تھے مثلاً ابراہیم بن ادہم، شقیق بلخی، معروف کرخی، ابو یزید بسطامی، فضیل بن عیاض، داؤد طائی، ابو حامد لفاف، خلف بن ایوب، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن جراح اور ابوبکر وراق وغیرہم بے شمار اصحاب ولایت۔ سو اگر یہ لوگ اس مذہب میں کوئی شبہ پاتے تو ہرگز اس کی پیروی نہ کرتے اور نہ اس کی تقلید کرتے اور نہ اس سے موافقت اختیار کرتے۔ پس اے بھائی تجھ پر تعجب ہے کہ کیا تیرے لئے ان سادات کبار میں اچھا نمونہ نہیں ہے؟ کیا وہ اس اقرار اور افتخار میں متہم نہ ٹھہریں گے؟ حالانکہ یہ لوگ اہل ولایت کے ائمہ اور ارباب

شریعت وحقیقت کے سردار ہیں۔

وبالجملة فليس ابو حنيفة فی زهده وورعه وعبادته وعلمه وفهمه بمشارک حاصل کلام یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زہد، تقویٰ، عبادت، علم اور دانش میں اپنی مثال نہیں رکھتے ہیں۔

وقد ثبت ان ثابتاً والد الامام ادرک الامام عليا ابن ابی طالب فدعا له ولذريته بالبركة اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ امام صاحب کے والد حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو انہوں نے ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے دعائے برکت فرمائی تھی۔

وصح ان اباحنيفة سمع الحديث من سبعة من الصحابة كما بسط فی اواخر منية المفتی وادرک بالسن نحو عشرين صحابيا كما بسط فی اوائل الضياء وقد ذكر العلامة شمس الدين الحنفی ثمانية من الصحابة ممن روى عنهم الامام الاعظم ابو حنيفة رضی الله عنهم اجمعين اور یہ بات درجۂ صحت کو پہنچ گئی ہے کہ امام اعظم نے سات یا آٹھ صحابیوں سے حدیثیں سنی ہیں اور اپنی زندگی میں بیس صحابہ کو پایا ہے۔

والحاصل ان اباحنيفة النعمان من اعظم معجزات المصطفےٰ بعد القرآن اور حاصل کلام یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ قرآن کے بعد مصطفےٰ ﷺ کے عظیم ترین معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں۔

شیخ ابن حجر کے ملفوظات

شیخ ابن حجر مکی شافعی فرماتے ہیں۔جن اوصاف حمیدہ میں امام ابوحنیفہ اپنے بعد والوں سے ممتاز ہیں وہ بہت ہیں، اول یہ کہ آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی ایک جماعت کو پایا اور متعدد طرق سے بسند صحیح ثابت ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

طوبیٰ لمن رأنی ولمن رای من رأنی ولمن رای من رای من رانی

خوشخبری ہو اس شخص کے لئے جس نے مجھے دیکھا اور جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا اور جس نے اس کے دیکھنے والے کو دیکھا۔

دوسرا یہ کہ آپ خیر القرون میں پیدا ہوئے جس کے بارہ میں متعدد طرق سے بسند صحیح آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم

بہترین لوگ میرے زمانے والے ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے کے قریب ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان لوگوں کے زمانے کے قریب ہیں۔

تیسرا یہ کہ آپ نے تابعین کے زمانے میں اجتہاد کرنا اور فتوی دینا شروع کیا تھا۔

چوتھا یہ کہ آپ کے اکابر شیوخ مثل عمرو بن دینار وغیرہ نے آپ سے یہ روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ آپ خلیفہ منصور کے پاس تشریف لے گئے۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے خلیفہ سے کہا۔ امیر المؤمنین آج روئے زمین کے علماء سے یہ (امام ابوحنیفہ) زیادہ علم والے ہیں۔ خلیفہ نے آپ سے پوچھا آپ نے کن لوگوں سے علم حاصل کیا ہے؟ فرمایا ''تلامذہ عمر، شاگردان علی و مستفیدان ابن مسعود سے۔ رضی اللہ عنہم۔ خلیفہ نے کہا۔ واہ واہ آپ نے اپنے لئے بہت مضبوط کام کیا ہے۔

پنجم یہ کہ جس قدر آپ کے شاگرد ہوئے ہیں آپ کے بعد اور کسی امام کے اتنے شاگرد نہیں ہوئے ہیں۔ ایک شخص نے حضرت وکیع کے پاس جا کر کہا امام ابوحنیفہ نے غلطی کی ہے۔ حضرت وکیع نے اسے خوب ڈانٹا اور فرمایا جو شخص ایسی بات کہے وہ چوپایہ ہے۔ بلکہ اس سے بھی گمراہ تر۔ امام اعظم کیسے غلطی کر سکتے ہیں جب کہ ان کے پاس ابو یوسف اور محمد جیسے فقیہ ہیں۔ فلاں فلاں جیسے محدث ہیں فلاں فلاں جیسے لغوی ہیں۔ فضیل اور داؤد طائی جیسے زاہد اور پرہیزگار ہیں۔ جس شخص کے شاگرد ایسے ہوں وہ خطا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر بالفرض ان سے کسی بات میں غلطی ہو جاتی تو یہ لوگ انہیں حق کی طرف پلٹا دیتے۔

ششم یہ کہ امام ابوحنیفہ نے سب سے پہلے فقہ مدون کی اور اس کو ابواب و کتب پر

ترتیب دیا۔ جس طرح آج تک ہے۔ امام مالک نے اپنی مؤطا میں اسی کا اتباع کیا ہے۔ سلف صالحین اپنی یاد پر بھروسہ کرتے تھے۔ سب سے پہلے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط امام اعظم ہی نے وضع کئے ہیں۔

ہفتم یہ کہ آپ کا مذہب ان ملکوں تک پہنچا ہے جن تک اس مذہب کے سوا اور کوئی دوسرا مذہب نہیں پہنچا ہے۔ مثلاً ہندوستان، سندھ، روم اور ماوراء النہر۔

ہشتم یہ کہ آپ اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنی جان کے علاوہ علماء پر بھی خرچ کرتے تھے اور کسی کا صلہ یا انعام قبول نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی کثرت عبادت اور زہد وتقویٰ اور متعدد بار حج وعمرہ وغیرہما کرنا جو تواتر سے ثابت ہے ان مذکورہ بالا اوصاف وفضائل کے علاوہ ہیں۔

نہم یہ کہ آپ نے قید خانہ میں مظلومانہ زندگی کے آخری دن پورے کئے اور زہر کھانے کے سبب سے اس دنیا سے انتقال فرمایا۔ (الخیرات الحسان عربی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸)

کسی نے حضرت سفیان ثوری سے کہا۔ میں امام ابوحنیفہ کے پاس سے آیا ہوں۔ فرمایا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ تو روئے زمین کے سب سے بڑے فقیہ کے پاس سے آیا ہے۔ پھر فرمایا جو شخص امام ابوحنیفہ کا خلاف کرے اسے چاہئے کہ ان سے بلند مرتبہ ہو۔ اور ایسا ہونا دشوار ہے۔ اور جب امام اعظم اور سفیان ثوری حج پر گئے تو حضرت سفیان امام صاحب کو اپنے آگے رکھتے اور خود برابر ان کے پیچھے کھڑے ہوتے اور جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اس کا جواب امام صاحب ہی دیتے تھے۔ (الخیرات الحسان ص ۲۹)

مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ جو شخص امام ابوحنیفہ کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ بنائے تو میں امید کرتا ہوں کہ اسے کوئی خوف نہیں اور اس نے احتیاط میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ میں نے مسعر کو دیکھا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں موجود ہیں اور امام صاحب سے مسائل پوچھتے اور فیض اٹھاتے ہیں۔ اور انہوں

نے فرمایا۔ میں نے ان سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔ اور عیسیٰ بن یونس فرماتے ہیں کہ اے مخاطب تو امام صاحب کی مذمت کے متعلق کسی کی بات پر تصدیق نہ کر۔ کیونکہ میں نے ان سے بہتر نہ کوئی دیکھا۔ اور نہ کوئی ان سے بڑا فقیہ ہے اور امام فضیل فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ فقیہ تھے فقہ میں مشہور تھے۔ پرہیزگاری میں معروف تھے۔ مالدار تھے۔ اور سخی ایسے کہ کوئی شخص خالی دامن نہ لوٹتا تھا اور علم پڑھانے پر دن رات صبر کرنے والے تھے۔ بولتے کم تھے۔ حلال اور حرام کا مسئلہ حق کے مطابق بتاتے تھے۔ اور بادشاہوں سے بہت دور بھاگتے تھے''۔ (الخیرات الحسان ص ۳۱)

اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔ میں اپنے والدین سے پہلے امام صاحب کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔ اور میں نے امام صاحب کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں حضرت حماد کے لئے اپنے والدین کے ساتھ دعائے خیر کرتا ہوں۔ امام اعظم کو اللہ تعالیٰ نے فقہ، سخاوت اور حسن خلق کی وجہ سے زینت بخشی۔ آپ علمائے سابقین کے وارث ہیں اور آپ نے اپنا مثیل اپنے بعد زمین پر کوئی نہیں چھوڑا ہے۔ اور حافظ عبدالعزیز بن ابی رواد فرماتے ہیں: **من احب ابا حنیفة فهو سني و من ابغضه فهو مبتدع**

جو شخص امام ابوحنیفہ کو دوست رکھے وہ سنی ہے اور جو ان سے عداوت رکھے وہ بد مذہب ہے۔

اور ابراہیم بن معاذ یہ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ کی صحبت دین وسنت کا تتمہ ہے۔ وہ عدل کی بات کرتے تھے اور عدل کے موافق بات فرماتے تھے۔ انہوں نے لوگوں کے لئے علم کا راستہ کھول دیا اور اس کے مشکلات کو حل فرما دیا، اور اسد بن حکیم فرماتے ہیں'' لا یقع فیہ الا جاہل او مبتدع'' امام ابوحنیفہ کی مذمت جاہل یا بدعتی کے سوا کوئی نہیں کرے گا۔ حضرت داؤد طائی کے پاس امام صاحب کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا امام صاحب ایک ستارہ ہیں جس سے رات کو چلنے والے ہدایت پاتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

كان افقه الناس ما رأيت افقه منه

امام ابوحنیفہ سب سے بڑے فقیہ تھے میں نے کسی کو آپ سے بڑھ کر فقیہ نہیں پایا۔ اور یہی بزرگ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ امام مالک پر داخل ہوئے آپ نے انہیں بلند جگہ میں بٹھایا۔ رخصت ہونے کے بعد امام مالک نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون تھے؟ شاگردوں نے کہا نہیں فرمایا:

هذا ابوحنيفة النعمان لو قال هذه الاسطوانة من ذهب لخرجت كما قال یہ ابوحنیفہ نعمان ہیں اگر یہ کہہ دیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو وہ سونے کا ہو جائے۔ پھر امام ثوری امام مالک کے پاس آئے تو امام مالکؒ نے انہیں امام ابوحنیفہ کی جگہ سے نیچے بٹھایا پھر وہ بھی رخصت ہو گئے تو آپ نے ان کی فقہ اور زہد کا تذکرہ فرمایا۔ (الخیرات الحسان عربی ص ۲۹)

امام ابن عابدین شامی کے ارشادات:

علامہ ابن عابدین ردالمحتار علی الدر المختار میں لکھتے ہیں:

وقال ابن حجر المكي في الخيرات الحسان ومما يصلح الاستدلال به على عظيم شأن ابي حنيفة ما روى عنه ﷺ انه قال ترفع زينة الدنيا سنة خمسين ومائة ومن ثم قال شمس الائمة الكردى ان هذا الحديث محمول على ابى حنيفة لانه مات تلك السنة اه وقال ايضاً وقد وردت احاديث صحيحة تشير الى فضله منها قوله ﷺ في ما رواه الشيخان عن ابى هريرة والطبرانى عن ابن مسعود ان النبي ﷺ قال لو كان الايمان عند الثريا لتناوله رجال من ابنآء فارس ورواه ابونعيم عن ابى هريرة والشيرازى والطبرانى عن قيس بن سعد بن عبادة بلفظ ان النبي ﷺ قال لو كان العلم معلقا عند الثريا لتناوله رجال من ابنآء فارس

ولفظ الطبرانی عن قیس لا تناله العرب. لنا له رجال من ابنآء فارس وفی روایة مسلم عن ابی هریرة رضی الله عنه لو کان الایمان عند الثریا لذهب به رجل من ابنآء فارس حتی یتناوله وفی روایة الشیخین عن ابی هریرة والذی نفسی بیده لو کان الدین معلقاً بالثریا لتناوله رجل من فارس ولیس المراد بفارس البلاد المعروفة بل جنس من العجم وهم الفرس لخبر الدیلمی خیر العجم فارس وقد کان جد ابی حنیفة من فارس علی ما علیه الاکثرون قال الحافظ السیوطی هذا الحدیث الذی رواه الشیخان اصل صحیح یعتمد علیه فی الاشارة لابی حنیفة وهو متفق علی صحته وبه یستغنی عما ذکره اصحاب المناقب ممن لیس له درایة فی علم الحدیث فان فی سنده کذا بین ووضاعین اه ملخصاً وفی حاشیة الشبر املسی علی المواهب عن العلامة الشامی تلمیذ الحافظ السیوطی قال ما جزم به شیخنا من ان اباحنیفة هو المراد من هذا الحدیث ظاهر لاشک فیه لانه لم یبلغ من ابنآء فارس فی العلم مبلغه احد اهـ

ترجمہ: اور امام ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں فرمایا، وہ باتیں جن سے امام ابوحنیفہ کی عظمت شان پر استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے ایک بات وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، سن ایک سو پچاس میں دنیا کی زینت اٹھ جائے گی اور اس حدیث کے بارہ میں شیخ شمس الائمہ کردی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ پر محمول ہے کیونکہ آپ اسی سن میں فوت ہوئے ہیں اور امام ابن حجر مکی نے یہ بھی کہا ہے کہ چند صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں جو امام ابوحنیفہ کی فضیلت کی طرف اشارہ کرتی ہیں، ان حدیثوں میں سے ایک حدیث رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو شیخین نے حضرت ابوہریرۃ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا کہ بے شک نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر ایمان ثریا کے قریب ہوتا تو چند فارسی لوگ اسے ضرور پالیتے اور محدث ابونعیم نے

حضرت ابو ہریرہ سے شیرازی اور طبرانی نے حضرت قیس بن سعد بن عبادة سے ان لفظوں میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر علم ثریا کے قریب لٹکا ہوتا تو اسے چند فارسی لوگ ضرور پالیتے اور طبرانی نے حضرت قیس سے یہ حدیث ان لفظوں میں روایت کی ہے اس کو عربی لوگ نہ پاتے البتہ اسے چند فارسی لوگ پالیتے۔ اور مسلم نے حضرت ابو ہریرۃ نے ان لفظوں میں روایت کی ہے کہ اگر ایمان ثریا کے قریب ہوتا تو اسے ایک فارسی شخص پالیتا۔ اور شیخین نے حضرت ابو ہریرۃ سے ان لفظوں میں روایت کی ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر دین ثریا کے قریب لٹکا ہوتا تو اسے ایک فارسی شخص ضرور پالیتا۔ اور فارس سے مراد خاص فارس کا شہر نہیں بلکہ عجم کی جنس مراد ہے اور وہ عجمی لوگ ہیں۔ بدلیل اس حدیث کے جس کو دیلمی نے روایت کیا کہ بہترین عجمی لوگ فارس کے لوگ ہیں اور امام ابو حنیفہ کے جد امجد فارسی النسل تھے جیسا کہ اس قول پر اکثر علماء ہیں۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ یہ حدیث جسے شیخین نے روایت کیا ہے اصل صحیح معتمد ہے اس بارہ میں کہ یہ امام ابو حنیفہ کی طرف اشارہ ہے اور اس حدیث کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے اور اس حدیث کی وجہ سے ان احادیث کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں رہتی جنہیں اصحاب مناقب نے جن کو علم حدیث میں کوئی سمجھ نہیں ہے روایت کیا ہے۔ کیونکہ ان کی سند میں جھوٹے اور متہم لوگ موجود ہیں اور امام سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے مواہب کے حاشیہ شبراملسی میں یہ فرمایا ہے کہ ہمارے شیخ نے اس حدیث کے بارہ میں جو یہ پختہ بات کہی ہے کہ اس سے مراد امام ابو حنیفہ ہیں یہی معنی ظاہر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ کوئی بھی فارسی شخص امام ابو حنیفہ کے علم تک نہیں پہنچا۔

(ردالمحتار جلد اول ص ۳۹)

اور لکھتے ہیں امام شافعی امام ابو حنیفہ کا جن باتوں میں ادب کرتے تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا:

انی لاتبرک بابی حنیفة واجی الی قبره فاذا عرضت لی حاجة

صليت ركعتين وسألت الله تعالىٰ عند قبره فتقضى سريعاً

بلاشبہ میں ابوحنیفہ سے برکت لیتا ہوں اوران کی قبر پر حاضری دیتا ہوں پھر جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اوران کی قبر کے نزدیک اللہ سے دعا کرتا ہوں تو میری حاجت جلد روا کر دی جاتی ہے۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۴۱)

اور لکھتے ہیں:

وقال ابن حجر قال بعض الائمة لم يظهر لاحد من ائمة الاسلام المشهورين مثل ما ظهر لابى حنيفة من الاصحاب والتلاميذ ولم ينتفع العلماء وجميع الناس بمثل ما انتفعوا به وباصحابه فى تفسير الاحاديث المشتبهة والمسائل المستنبطة والنوازل والقضايا والاحكام جزاهم الله تعالىٰ الخير التام

امام ابن حجر نے فرمایا ہے کہ بعض ائمہ کا قول ہے کہ مشہور ائمہ اسلام میں سے کسی امام کے اتنے اصحاب اورشاگرد پیدانہیں ہوئے ہیں جتنے امام ابوحنیفہ کے اصحاب وشاگرد ہوئے ہیں اور نہ ہی امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب کی طرح کسی امام سے علماء اور سب لوگوں نے مشتبہ احادیث، مستنبط مسائل، نوازل، قضایا اور احکام کے حل میں نفع اٹھایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ انہیں پوری پوری جزادے۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۴۲)

اور لکھتے ہیں حافظ ذہبی نے فرمایا امام اعظم کا بوقت شب عبادت کرنا، سحری کے وقت نماز تہجد پڑھنا تواتر سے ثابت ہے اور کثرت قیام کی وجہ سے انہیں وتد یعنی کیل کہا جاتا تھا، آپ نے تیس سال قیام اللیل کیا اور ہر رکعت میں پوراپورا قرآن ختم کیا اور جب وہ رات کے وقت آہ وزاری کرتے تو ہمسایہ لوگ ان پر ترس کھاتے تھے۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۴۶)

اور لکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کے سامنے ایک شخص نے امام ابوحنیفہ کی مذمت بیان کی تو آپ نے فرمایا:

ویحک اتقع فی رجل صلی خمساً واربعین سنة الخمس الصلوات بوضوء واحد وکان یجمع القرآن فی رکعة ونظمت ما عندی من الفقه منه

تیرے لئے خرابی ہو کیا تو اس شخص کے بارہ میں بدگوئی کرتا ہے جس نے پینتالیس برس ایک وضوء سے پانچ نمازیں پڑھیں اور ایک ایک رکعت میں پورا پورا قرآن تلاوت کیا اور میں نے فقہ کے موتی اس سے چنے۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۴۶)

اور لکھتے ہیں:

جب حسن بن عمارہ نے امام ابوحنیفہ کو غسل دیا تو فرمایا رحمک اللہ وغفر لک لم تفطر منذ ثلاثین سنة وقد اتبعت من بعدک وفضحت القرآء اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور آپ کے گناہ بخشے آپ نے تیس سال سے کبھی روزہ افطار نہیں کیا اور آپ نے اپنے بعد والوں کو تھکا دیا اور قاریوں کو نادم بنا دیا ہے۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۴۶)

اور آگے لکھتے ہیں حسن بن صالح نے فرمایا امام ابوحنیفہ بہت ہی زیادہ تقویٰ والے تھے۔ حرام سے خائف اور بہت سی حلال چیزوں کو شبہ کی بناء پر چھوڑ دینے والے تھے مارأیت فقیھا اشد منه صیانة لنفسه ۔ ان سے زیادہ سخت قسم کا فقیہ کوئی نہیں دیکھا جو اپنے آپ کی حفاظت کرتا ہو۔ (ردالمحتار مذکورہ بالا حوالہ)

علامہ خوازمی کے ارشادات

مسند خوازمی میں کتاب سیف الائمہ سے منقول ہے کہ امام اعظم نے چار ہزار تابعین سے علم دین حاصل کیا، اور بسبب کمال احتیاط کے آپ جب بھی کوئی مسئلہ قرآن وحدیث سے نکالتے تو جب تک ان کے تمام اساتذہ اسے پسند نہ فرماتے اس مسئلہ کو آپ ہرگز جاری نہ فرماتے اور اسی طرح کتب معتبرہ مثل ارشاد الطالبین اور فتاویٰ برہنہ میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب امام اعظم کوفہ کی جامع مسجد میں تعلیم وتدریس اور فیض رسانی کے

مسند پر جلوہ افروز ہوتے تو آپ کے اردگرد ایک ہزار شاگرد بیٹھے ہوتے تھے، آپ کے چالیس جلیل القدر فقہاء شاگرد آپ کے نزدیک بیٹھتے تھے اور مسائل شرعیہ استخراج فرماتے تھے:

چوں باصابت او همه اتفاق کردندے امام المسلمین از غایت فرحت الحمد لله والله اکبر می فرمود وحاضرین مجلس بموافقتش نیز الله اکبر گفتندے وحکم بدرج کتب فرمودے

جب کسی مسئلے کی درستی پر سب کا اتفاق ہو جاتا۔ امام المسلمین بہت خوشی میں الحمد للہ واللہ اکبر فرماتے اور آپ کی موافقت میں حاضرین مجلس بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے اور یہ مسئلہ کتاب میں درج کر لیتے تھے۔ (رد وہابی مؤلفہ مفتی محمود ولد مفتی عبدالغفور پشاوری ص۲۱ مطبوعہ مکتبہ ایشیق استنبول ترکی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ارشادات

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کتاب صراط مستقیم میں فرمایا: امام شافعی کو دیکھئے کہ وہ امام اعظم کی اور ان کے شاگردوں کی کیسی تعریف فرماتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں ''الناس کلہم عیال علی فقہ ابی حنیفہ'' سارے لوگ فقہ کے باب میں امام ابوحنیفہ کی اولاد ہیں اور امام شافعی نے امام محمد بن حسن شیبانی کی تعریف میں فرمایا جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں اگر اہل کتاب یہود ونصاریٰ امام محمد کی کتابوں کو دیکھتے تو بے اختیار ایمان لے آتے اور امام محمد نے چھ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کتاب کی ساٹھ یا ستر جلدیں ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ۔ امام احمد بن حنبل اکثر دقیق اور پیچیدہ مسائل کو امام محمد کی کتابوں سے نقل کرتے تھے اور ان کتابوں کا مطالعہ فرماتے تھے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ امام اعظم نے حدیثوں اور صحابہ کے اقوال کی جس قدر اتباع اور تقلید کی ہے اس قدر دوسرے مجتہدین نے نہیں کی ہے (رد وہابی ص۱۶)

اور یہی بزرگ اسی کتاب کے دوسرے مقام میں لکھتے ہیں، چونکہ جن حدیثوں کو

امام شافعی نے لیا اور ان سے مسائل اخذ کئے امام ابوحنیفہ نے ان کو چھوڑ دیا تھا اس لئے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ آپ کا مذہب احادیث کے خلاف ہے۔ حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے جن حدیثوں سے استدلال فرمایا ہے وہ امام شافعی کی لی ہوئی حدیثوں سے قوی تر ہیں۔ (ردوہابی ص ۱۶)

شیخ فریدالدین عطار کے فرمودات

شیخ عطار لکھتے ہیں امام اعظم شرع محمدی کے آفتاب اور امت محمدیہ کے امام و پیشوا ہیں۔ آپ کی ریاضت ومجاہدہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ آپ حضرات فضیل، ابراہیم ادہم بشر حافی اور داؤد طائی جیسے اولیائے عظام کے استاد ہیں۔ جب آپ نے روضۂ نبوی پر حاضر ہو کر عرض کیا ''السلام علیک یارسول اللہ'' تو جواب میں '' وعلیکم السلام یا امام المسلمین '' کی ندا سنائی دی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی مجھے کسی مسئلہ میں تردد ہوا میں نے چالیس بار قرآن کریم کا ختم کیا تو وہ مسئلہ مجھ پر منکشف ہو گیا۔ نوفل بن حبان کہتے ہیں کہ جب امام صاحب کا انتقال ہوا تو ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے۔ حضور علیہ السلام حوض کوثر کے کنارے تشریف فرما ہیں اور دونوں طرف بزرگ ہستیاں کھڑی ہیں وہاں ایک خوبصورت شکل والے بزرگ دیکھے جو آنحضرت ﷺ کے منہ پر اپنا منہ رکھے تھے اور امام ابوحنیفہ ان کے برابر کھڑے تھے میں نے سلام کر کے امام ابوحنیفہ سے پانی مانگا۔ آپ نے فرمایا۔ جب تک آنحضرت ﷺ اجازت نہ دیں میں پانی نہیں دے سکتا۔ اس پر حضور ﷺ نے پانی دینے کا حکم دیا تو انہوں نے ہمیں پانی سے بھرا ہوا پیالہ عنایت فرمایا۔ ہم کئی شخصوں نے اس پیالے سے پانی پیا مگر پیالے سے کچھ بھی کم نہ ہوا۔ میں نے پوچھا آنحضرت ﷺ کی دائیں طرف کون ہیں؟ فرمایا ابراہیم علیہ السلام اور بائیں طرف صدیق اکبر ہیں اور اس طرح میں نے سترہ اشخاص کے بارہ میں پوچھا۔ (تذکرۃ الاولیاء ملتقطاً ص ۱۵۲)

الحمدللہ! یہاں تک بزرگان دین اور اولیاء کاملین کے جو ملفوظات وفرمودات نقل کیے گئے ہیں۔ ان کو مسلمان پڑھیں، سمجھیں اور سوچیں کہ جس امام کی علمی عظمت کو اتنے جلیل القدر محبوبان خدا بیان فرما رہے ہیں اس کی اتباع وتقلید یقینا دنیا وآخرت کی کامیابی کی ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مذہب مہذب پر ثابت قدمی نصیب فرمائے۔ آمین

''وهذا آخر ما اردنا یراده فی هذه المقالة النافعه تقبلهاالله تعالیٰ بمنه العظیم ورسوله الکریم ﷺ''(۱۵ ذوالحجه ۱۴۲۳ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسرا مقالہ

تقلید شخصی کا ثبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

اما بعد! آج کل عام تعلیم یافتہ لوگ اکثر پوچھتے ہیں کہ چار فقہی مسالک اہل سنت حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ کے باہمی اختلاف کی بنیادی وجوہات کیا ہیں؟ان مسالک کے وجود میں آنے سے پہلے مسلمان کس کی تقلید کرتے تھے؟اور دور حاضر میں ان مسالک میں سے کسی ایک مسلک کی تقلید اور کلی پیروی کس حد تک ضروری ہے؟

اسی قسم کے سوالات کے جواب میں ہم نے یہ مختصر مقالہ ''تقلید شخصی کے وجوب کا ثبوت'' لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ تعالی اسے شرف مقبولیت بخشے اور ذریعہ ہدایت بنائے۔آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔

مسلمان دو قسم کے ہیں۔عام مسلمان اور علمائے دین۔پھر علمائے دین کی دو قسمیں ہیں۔عام علماء اور مجتہد علماء۔عام مسلمان دین کا مکمل علم نہیں رکھتے بلکہ وہ عام طور پر روز مرہ کے اعمال مثلاً ،نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور نکاح وطلاق وغیرہ کے ضروری مسائل ہی سے واقفیت رکھتے ہیں۔عام علماء اپنی حد وسعت تک دین کے مسائل کا علم رکھتے ہیں۔لیکن وہ نئے پیش آنے والے مسائل کا حکم قرآن وسنت سے نکال نہیں سکتے۔مجتہد علماء دین کا پورا پورا علم رکھتے ہیں اور نئے پیش آمدہ مسائل کا حکم قرآن وسنت سے نکال بھی سکتے ہیں۔عام مسلمانوں پر شرعاً لازم کہ وہ علماء دین سے مسائل پوچھ کر عمل کریں۔اور عام علماء پر واجب ہے کہ وہ نئے پیش آمدہ اجتہادی مسائل کے حل کے لیے مجتہد علماء کی طرف رجوع کریں۔مجتہدین علماء کی طرف رجوع کرنے اور ان کے بتائے ہوئے شرعی حکم پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے۔امام نووی لکھتے ہیں التقلید قبول قول المجتہد والعمل بہ۔یعنی تقلید مجتہد کے قول کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

(تہذیب الاسماء واللغات ج ۴ بیروت بحوالہ رسالہ مسئلہ تقلید مؤلفہ حضرت مولانا سید مظفر شاہ قادری مطبوعہ تحریک اہل سنت پاکستان میٹھادر کراچی ص ۲)

تقلید کے متعلق چند آیات قرآنی پیش کی جاتی ہیں۔ باللہ التوفیق

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وما ارسلنا من قبلک الا رجالاً نوحی الیھم فاسئلوآ اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون. (پ ۱۴ رکوع ۱۲)

(ترجمہ) اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو۔ اگر تمہیں علم نہیں۔ (کنز الایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔ کیونکہ نہ جاننے والے پر ضروری ہے کہ جاننے والے سے پوچھے۔ تقلید میں بھی یہی ہوتا ہے کہ غیر مجتہد اجتہادی مسائل اپنے امام سے پوچھتا ہے۔ (نور العرفان مؤلفہ مفتی احمد یار خان نعیمی ص ۴۳۳)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، واتبع سبیل من اناب الی۔ (۲۱ رکوع ۱۱)

(ترجمہ) اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔ (کنز الایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ تقلید شخصی اعلیٰ چیز ہے کہ سارے اولیاء اللہ مقلد گزرے۔ کوئی غیر مقلد نہ ہوا۔ (نور العرفان ص ۶۵۸)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یا یھا الذین امنوآ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر ط ذالک خیر واحسن تاویلاً.** (پ ۵ رکوع ۵)

(ترجمہ) اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول ﷺ کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اللہ اور رسول ﷺ کے حضور رجوع کرو۔ اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔ (کنز الایمان)

اس آیت سے تقلید بھی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کی (یعنی قرآن) رسول علیہ السلام کی (یعنی حدیث) اور امر والوں کی (یعنی فقہ و استنباط کے علماء) تمام رعایا کا حاکم بادشاہ ہوتا ہے اور بادشاہ کا

حاکم عالم مجتہد لہذا نتیجہ یہی نکلا کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوتے ہیں۔ (جاء الحق مؤلفہ مفتی احمد یار خان صاحب ص۲۲)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **واذا جآءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔ پ ۵ رکوع ۸)**

(ترجمہ) اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے تو اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر وہ اس میں اللہ اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو تحقیق کرتے جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم مجتہدین پر پیش کرو اور ان سے سمجھ کر عمل کرو۔ خود اپنی رائے پر نہ اڑو۔ ورنہ گمراہ ہوگے۔ کیونکہ قرآن وحدیث ان امن وخوف کی باتوں سے زیادہ اہم ہیں۔ جب ان باتوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ اولوا الامر علماء پر پیش کرو تو آیات واحادیث کا پیش کرنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوا۔ (نور العرفان ص۱۴۳)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ۔ (پ۷ رکوع ۱۶)**

(ترجمہ) یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو تم انہی کی راہ چلو۔ (کنز الایمان)

تمام انبیاء عقاعد، اصول دین اور مقاصد کلیہ میں متحد ہیں۔ سب کا دستور اساسی ایک ہے۔ ہر نبی کو اس پر چلنے کا حکم ہے۔ آپ بھی اسی طریق مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں۔ گویا اس آیت میں متنبہ کر دیا گیا۔ کہ اصولی طور پر آپ کا راستہ انبیائے سابقین کے راستہ سے جدا نہیں۔ رہا فروع کا اختلاف وہ ہر زمانہ کی مناسبت واستعداد کے اعتبار سے پہلے بھی واقع ہوتا رہا ہے اور اب بھی واقع ہو تو مضائقہ نہیں۔ (حاشیہ مولوی شبیر احمد عثانی ص۲۴۳)

(۶) اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے **یوم ندعو کل اناس بامامھم** (پ۱۵ رکوع ۸) ﴿ترجمہ﴾ جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں

گے۔(کنزالایمان) اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی صالح کو اپنا امام بنالینا چاہے- شریعت میں تقلید کر کے اور طریقت میں بیعت کر کے تاکہ حشر اچھوں کے ساتھ ہو- اگر کوئی صالح امام نہ ہوگا تو اس کا امام شیطان ہوگا - اس آیت میں تقلید، بیعت اور مریدی سب کا ثبوت موجود ہے-(نورالعرفان ص۴۶۱)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے- ﴿ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنّم ط وساءت مصیرا﴾ (پ۵ رکوع ۱۴) (ترجمہ) اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق کا راستہ کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے - اسے جہنم میں داخل کریں گے - اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی - (کنزالایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ تقلید ضروری ہے کہ یہ عام مسلمانوں کا راستہ ہے- اسی طرح ختم فاتحہ، محفل میلاد، عرس بزرگان عامۃ المسلمین کے عمل ہیں اور مسلمان انہیں اچھا سمجھ کر کرتے ہیں-(نورالعرفان ص۱۵۲)

(۸) اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے- اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم . (ترجمہ) ہم کو سیدھا راستہ چلا - راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا (کنزالایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے جس پر اللہ کے نیک بندے چلے- تمام مفسرین محدثین فقہا، اولیاء اللہ، غوث قطب ابدال اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد گزرے ہیں لہذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا-(جاء الحق ص۲۱)

حدیث سے تقلید کا ثبوت

(۱) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے- کہ جب رسول ﷺ نے انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا تجھ پر جب کوئی مقدمہ پیش ہوگا تو تو اس کا

فیصلہ کیسے کرے گا۔ میں نے عرض کیا۔ اقضی بکتاب اللہ۔ میں اللہ کی کتاب کے ذریعے سے فیصلہ دوں گا۔ فرمایا پھر اگر کتاب اللہ میں نہ پائے گا تو۔ عرض کیا۔ فبسنۃ رسول اللہ ﷺ۔ تو میں اللہ کے رسول کی سنت کے ذریعہ سے فیصلہ دوں گا۔ فرمایا پھر اگر تو اللہ کے رسول کی سنت میں نہ پائے گا تو۔ عرض کیا۔ اجتھد رائی ولا الو۔ میں اپنی رائے اجتہاد کے ذریعے سے قائم کروں گا اور کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔ فضرب رسول اللہ ﷺ علی صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ۔

یہ سن کر آپ نے حضرت معاذ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ کے نائب کو رسول اللہ ﷺ کی رضا مندی کے مطابق کہنے کی توفیق بخشی۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی) (مشکوۃ۔ جلد دوم۔ ص۳۲۔ کتاب الامارۃ باب العمل فی القضاء)

مفتی محمود بن مفتی عبدالغفور پشاوری اس حدیث سے تقلید کے ثبوت کے متعلق لکھتے ہیں۔ فذلک الحدیث صریح فی ان رسول اللہ ﷺ جعل معاذبن جبل متبوع اھل الیمن وایا ھم اتباعہ۔ سو یہ حدیث اس بارہ میں صریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن والوں کا امام بنایا اور انہیں ان کے مقلدین قرار دیا۔ (کتاب ردوہابی ص۲ مطبوعہ مکتبہ ایشیق۔ استنبول۔ ترکی)

(۲) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے رب سے اختلاف کے بارہ میں پوچھا جو میری وفات کے بعد میرے صحابہ میں واقع ہوگا تو اس نے میری طرف یہ وحی فرمائی۔

یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضھا اقوی من بعض ولکل نور فمن اخذ بشئی مما ھم علیہ من اختلافھم فھو

عندی علی هدی۔

اے محمد بلا شبہ آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی مانند ہیں کہ بعض ستاروں کی روشنی بعض کی روشنی سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔لیکن سب ستاروں میں روشنی ہوتی ہے۔پس جو شخص صحابہ کے باہمی اختلاف کی صورت میں جس بھی صحابی کے قول کو لے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ (مشکوۃ۔جلد دوم۔ص۲۴۳۔کتاب الفتن فی مناقب الصحابۃ)

(۳) اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم. میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں سو تم ان میں سے جس کسی کی اتباع (تقلید) کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ رواہ رزین (مشکوۃ۔جلد دوم۔ص۲۴۳).

یہ تین احادیث تقلید شخصی کے جواز میں صریح ہیں۔اور ان سے مذاہب اربعہ ،حنفی ،شافعی ،مالکی ،حنبلی ،کا ہدایت وحق پر ہونا بھی ثابت ہے۔کیونکہ ان مذاہب والوں کی دلیل کسی نہ کسی صحابی کا قول یا فعل ہوتا ہے۔ملا علی قاری پہلی حدیث کے ماتحت لکھتے ہیں۔

وفیہ ان اختلاف الائمۃ رحمۃ للامۃ

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کا اختلاف امت محمدیہ کے لئے رحمت ہے۔ (مرقاۃ۔جلد ۱۱۔ص۲۸۰)

اور یہی امام دوسری حدیث کے ماتحت لکھتے ہیں وکانہ اخذ من ھذا بعضھم فقال من تبع عالمًا لقی اللہ سالمًا۔اور اسی حدیث کی وجہ سے بعض علماء نے یہ قول کیا ہے کہ جو شخص کسی ایک عالم دین کی تقلید و پیروی کرے گا وہ سلامتی ایمان و دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جا ملے گا۔ (مرقاۃ۔جلد ۱۱۔ص۲۸۰)

اور محدث دہلوی پہلی حدیث کے ماتحت لکھتے ہیں

پس کسے کہ گرفت بہ چیزے یعنی بہ علمی و عملے از آنچہ ایشان

بر آن چیز اند از اختلاف ایشان در مسائل علم فقه پس آن کس نزد من بر راہ راست است چنانکه فرموده است اختلاف امتی رحمة ۔
پس جو شخص صحابہ کے باہمی اختلاف کی صورت میں جس بھی صحابی کے قول و عمل کو لے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہو گا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ (اشعۃ اللمعات حصہ چہارم۔ ص ۲۳۳)

اجماع امت سے تقلید کا ثبوت

امام جلال الدین سیوطی نے کتاب جزیل المواہب میں اور کتب اصول کے بعض شارحین نے کہا ہے۔ کہ قال القرافی قد انعقد الاجماع علی ان من اسلم فله ان یقلدمن العلماء من یشاء من غیر حجر. امام قرانی نے فرمایا ہے کہ اس بات پر امت کا اجماع قائم ہو گیا ہے کہ مسلمان علماء میں سے جس کسی کی بھی تقلید کرنا چاہے بغیر کسی رکاوٹ کے کرسکتا ہے اور امام عبدالسلام نے جوھرہ کی شرح میں لکھا ہے

وقد انعقد الاجماع علی ان من قلد فی الفروع و مسائل الاجتهاد من هولآء بری من عهدة التکلیف ؛؛ اور اس بات پر اجماع قائم ہو گیا ہے کہ جو شخص فروعی مسائل اور اجتہادی احکام میں ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ تعالی میں سے جس کسی ایک کی تقلید کرے گا وہ عہدہ تکلیف سے بری ہو جائے گا یعنی جس بات کا وہ اللہ کی طرف سے مکلف ہے اس کی ادائیگی کرنے والا قرار دیا جائے گا (رد وہابی صفحہ ۳)

قیاس سے تقلید کا ثبوت

امام بخاری و مسلم وغیرھما جلیل القدر محدثین کی تقلید حدیث میں بالا جماع جائز ہے تو ائمہ دین امام اعظم ابوحنیفہ وغیرہ کی تقلید مسائل فقہ میں جائز ہو گی کیونکہ ان دونوں کی علت ایک ہے۔ (کتاب رد وہابی صفحہ ۳) الحمد للہ یہاں تک جو عرض کیا گیا ہے اس سے روز روشن سے زیادہ روشن ہوا کہ قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس چاروں دلائل شرعیہ

کی رو سے غیر مجتہدین عوام وعلماء پر ائمہ مجتہدین کی پیروی وتقلید شرعاً لازم ہے۔ جو شخص ائمہ مجتہدین کی تقلید کا انکار کرتا ہے وہ قرآن و حدیث اور اجماع وقیاس چاروں دلائل شرعیہ کی رو سے سراسر گمراہی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگان دین کی پیروی نصیب فرمائے۔ تقلید شخصی کی ضرورت واہمیت ذہن نشین کرانے کے لیے ہم عقلی مثالیں بھی پیش کرتے ہیں وباللہ التوفیق

تقلید شخصی کے وجوب کی دو مثالیں لکھی جاتی ہیں

(۱)؛؛ ایک شخص کوٹلی سے راولپنڈی جانا چاہتا ہے۔ کوٹلی سے راولپنڈی کو دو سڑکیں جاتی ہیں۔ ایک براستہ سہنسہ اور دوسری براستہ پلندری آزاد پتن یہ دونوں سڑکیں کہوٹہ کے مقام پر مل جاتی ہیں۔ اب اس شخص کو اختیار ہے کہ وہ براستہ سہنسہ کی بس پر بیٹھ جائے یا براستہ پلندری کی بس پر۔ جب وہ ایک سمت کا راستہ اختیار کر لے گا تو اس راستہ کی بس پر بیٹھ جائے گا اور بس اسے لے کر چل پڑے گی۔ اب اس کے لیے لازم ہوگا کہ وہ اپنے ڈرائیور پر اعتماد کرے اور بس میں سکون واطمنان سے بیٹھ کر سفر طے کرے اور منزل مقصود پر پہنچے۔ یونہی جو شخص مسلمان ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ مذاہب اربعہ میں سے جس بھی مذہب کو وہ اختیار کرنا چاہے اختیار کر لے پھر وہ جب ایک مذہب کو اختیار کرے تو اس پر اس مذہب کی پیروی وتقلید لازم ہو جائے گی۔ واللہ تعالی اعلم

(۲) ایک دریا سے چار نہریں نکالی گی ہوں۔ تو ہر نہر میں دریا سے پانی آئے گا پھر جو زمین جس نہر کے آگے آئے گی اس زمین کا تعلق اسی نہر سے ہوگا۔ دوسری نہر سے اس کا تعلق سمجھنا یقیناً غلطی ہوگی۔ یونہی دریائے رسالت سے چار نہریں حنفی مالکی شافعی حنبلی نکلتی ہیں اب جو شخص حنفی مذہب کو اختیار کرے گا اسے حنفی امام ہی سے دریائے رسالت کا فیض ملے گا اور جو دوسرے ائمہ میں سے کسی ایک کا مقلد بنے گا اسے اپنے امام ہی کے ذریعہ سے فیضان رسالت پہنچے گا۔ واللہ اعلم۔

نماز باجماعت میں تقلید شخصی کا ثبوت پایا جاتا ہے

تقلید شخصی کا معنی نماز میں بھی موجود ہے چنانچہ جب کوئی دوسرے کے پیچھے نماز کی

اقتداء کرتا ہے تو اس پر سلام پھیرنے تک اپنے امام کی اتباع واجب ہو جاتی ہے اور مقتدی کو سارے ارکان اپنے امام کے حکم واتباع میں بجالانے ہوتے ہیں۔اسی طرح جب کوئی شخص مجتہد امام کا مقلد بن جائے تو پھر اسے ہر حکم میں اپنے امام کی اتباع لازم ہو گی۔اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق بخشے۔آمین۔

دور صحابہ میں تقلید شخصی کی ضرورت نہ تھی

دور صحابہ میں تقلید شخصی کی ضرورت نہ تھی۔اولاً اس وجہ سے کہ صحابہ کرام کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت فرمادیا تھا اور کفر وفسق کی نفرت ڈال دی تھی۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **ولکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم و کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون فضلا من اللہ ونعمۃ** (ترجمہ) اور لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی ناگوار کر دی۔ایسے ہی لوگ راہ پر ہیں۔اللہ کا فضل اور احسان (کنزالایمان پ ۲۶ رکوع ۱۳)

ثانیاً۔وہ انوار رسالت سے مستفیض ہوئے تھے اس لیے ان کے دلوں میں وہ نور بصیرت پیدا ہو گیا تھا جس سے حق وباطل میں امتیاز کر سکتے تھے۔حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی مجددی لکھتے ہیں۔صحابہ کرام بسبب مشغولی امور جہاد وترقی اسلام تدوین کتب تفاسیر واحادیث را فرصت نیافتہ بودند وانوار رسالت بر قلوب آنہا آں قدر جلوہ گر بودند کہ ضرورت کتاب نداشتند۔ہر کسے بروشنائی ہماں نور بر راہ راست می رفت۔صحابہء کرام جہاد کے امور اور اسلام کی ترقی کے کاموں میں مصروف تھے اس لیے انہیں تفاسیر واحادیث کی کتابیں لکھنے کی فرصت نہ ملی۔لیکن ان کے دلوں میں انوار رسالت اس قدر جلوہ گر ہوئے تھے کہ وہ کسی کتاب کی ضرورت بھی نہیں رکھتے تھے۔بلکہ نور رسالت کی اسی روشنائی سے وہ راہ راست پر چلتے تھے۔(الاصول الاربعہ فی تردید الوھابیہ ص ۷۶ مطبوعہ مکتبہ ایشق استنبول ترکی)

فاقول رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ سو تم صحابہ میں سے جس کسی کی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے اس کا مؤید وموثق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ثالثاً۔ صحابہ کرام کا جو باہمی اختلاف تھا وہ بربنائے عناد نہیں تھا بلکہ بربنائے اخلاص تھا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اختلاف امتی رحمۃ فرمایا۔ عام مسلمان جس صاحب علم صحابی سے مسئلہ پوچھتے تھے وہ حق بیان فرماتے تھے اس لیے کسی خاص مجتہد ہی سے پوچھنے اور اس کے مسلک پر اعتماد کرنے کی ضرورت موجود نہیں ہوتی تھی۔

رابعاً۔ صحابہ کے دور میں حکمران خلفائے راشدین تھے۔ دینی اولوالامر بھی وہی ہوتے تھے اس لیے ان کے ہر حکم کی اطاعت رعایا پر فرض تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی وجہ سے فرمایا تھا۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ تم پر میری سنت لازم ہے اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت۔ (مشکوۃ شریف)

تابعین کے دور میں اجتہاد کی ضرورت پیش آئی

دور صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں جب مذہبی عناد شروع ہوا اس وقت اجتہاد کی ضرورت پیدا ہوئی تا کہ کھرے کو کھوٹے سے الگ کر کے دکھایا جائے حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی لکھتے ہیں چونکہ زمانہ خیرالقرون بآخر رسید واختلاف بسیار شد ہر کسے خلاف دیگرے نقل از اصحاب واتباع میکرد۔ طالبان حق را کمال پریشانی دست داد۔ چونکہ خیرالقرون کا زمانہ یعنی صحابہ کرام کا زمانہ ختم ہو گیا تھا اور اختلاف بہت ہو گئے تھے اور ہر شخص صحابہ وتابعین سے وہ حدیثیں نقل کرنے لگا تھا جو دوسرے شخص کی نقل کی ہوئی روایتوں کے خلاف ہوتی تھیں اس لیے حق کے ڈھونڈنے والوں کو بے حد پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ (الاصول الاربعہ ص ۷۶)

دور تابعین وتبع تابعین میں مجتہدین کی کثرت کا سبب

دور تابعین وتبع تابعین میں جب امت میں اختلاف کثیر رونما ہوا تو کثیر التعداد

مجتھدین علمائے امت نے اپنے اپنے طور پر اجتہاد کا کام شروع کر دیا۔ اپنے علم کی حد تک احادیث وروایات میں چھان بین کی اور فقہی مسائل کی تدوین کا کام کیا۔ اس دور کے مجتھدین میں چار اماموں کے اجتہاد کو مقبولیت حاصل ہوئی تو دوسرے مجتھدین کے مذاھب آہستہ آہستہ ناپید ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کے بالآخر امت کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ حق ان چار مذاہب میں دائر ہے۔ جو ان سے باہر ہوگا گمراہ اور صاحب بدعت ہوگا۔ یہ چار امام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیھم اجمعین ہیں۔ ان چاروں میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو وہ مقبولیت اور شہرت ملی۔ جو دوسرے تین اماموں کے مذہبوں کو نہ مل سکی۔ خواجہ محمد حسن جان سرہندی لکھتے ہیں۔ حق بفضل خود از امت مرحومہ چہار نفر علماء صلحاء اتقیاء را برگزید و طاقت استنباط بکمال احتیاط آنہا را عطا فرمود وخلق را بہ سبب تقلید آنہا از تیہء غوایت بجادۂ ہدایت آورد وذلک فضل اللہ یوءتیہ من یشاء۔ حق تعالی نے اپنے فضل سے امت مرحومہ سے چار شخص چنے جو اہل علم اہل صلاح اور اہل تقوی تھے۔ پھر انہیں کمال احتیاط سے احکام اخذ کرنے کی طاقت عطا فرمائی اور مخلوق کو ان کی تقلید کے سبب سے گمراہی کی وادی سے راہ راست کی طرف نکالا اور یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ (الاصول الاربعہ ص ۷۶)

حق چار مذاہب میں دائر ہے

چار مذاہب حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کی مقبولیت اور دوسرے مجتہدین کے مذاہب کے گم نام ہو جانے کے بعد امت مرحومہ کا اس بات پر اتفاق و اجماع قائم ہو گیا کہ حق ان چار مذاہب میں ہے۔ ان میں سے ہر مذہب والا صاحب ہدایت ہے۔ پس جو مسلمان ان میں سے کسی بھی مذہب کو اختیار کر لے وہ ہدایت حاصل کر لے گا اور جو ان مذاہب سے باہر ہوگا وہ گمراہ اور بدعتی ہوگا گویا ان مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی ایک مذہب کی تقلید کے لزوم و وجوب پر امت کا اجماع قائم ہو گیا۔ بنا بر ایں امام احمد طحطاوی

حاشیہ درالمختار میں لکھتے ہیں۔ فعلیکم معاشر المومنین باتباع الفرقة الناجیة المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة الله وحفظه وتوفیقه فی موافقتهم وخذ لانه وسخطه ومقته' فی مخالفتهم وهذه الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم فی مذاهب اربعة الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون رحمهم الله ومن کان خارجا عن هذه الاربعة فی هذاالزمان فهو من اهل البدعة والنار۔

(ترجمہ) اے جملہ مومنین! تم پر لازم ہے کہ تم ناجی جماعت کی اتباع کرو۔ جو اہل سنت وجماعت کے نام سے موسوم ہے۔ کیونکہ نصرت خداوندی، حفاظت ربانی اور توفیق الہی اس جماعت کی موافقت میں ہے اور غضب الہی، قہر الہی اور ناراضگی الہی اس جماعت کی مخالفت میں ہے۔ آج کل یہ ناجی جماعت (اہل سنت) چار مذاہب فقہی پر مشتمل ہے اور وہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہیں۔ اور جو شخص اس دور میں ان چار مذاہب فقہ سے خارج ہوگا وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔ (حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار الجلد الرابع کتاب الذبائح ص ۱۵۳ بحوالہ رد وہابی مطبوعہ مکتبہ ایشیق استنبول ترکی)

اور خواجہ محمد حسن جان سرہندی لکھتے ہیں وثبوت شق ثانی وآن ایں کہ علمائے مجتهدین همیں چهار بزرگواراں معروف ومشهور اند که اجماع امت است از زمانه خیر القرون ومتصل خیر القرون الی زماننا هذا بر تقلید واطاعت همیں چهار امام وحدیث لا تجتمع امتی علی الضلالة وید الله علی الجماعة ومن شذشذ فی النار دلائل کافی اند بر صحت همیں اجماع۔ اور اس بات کی دلیل کہ آیت کریمہ یآیها الذین امنو اطیعو الله واطیعو الرسول واولو الامر منکم (اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں) میں اولوالامر سے مراد یہی چار معروف ومشہور مجتہد علماء امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی ہیں۔ امت کا اس بات پر جمع ہو جاتا ہے کہ خیر القرون سے لے کر آج تک کے ادوار میں انہی چار اماموں کی تقلید حق وہدایت ہے۔ اور اس اجماع کی صحت کی دلیلیں یہ حدیثیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ اور فرمایا اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور فرمایا جو جماعت سے جدا ہوگا وہ دوزخ میں جدا ہوگا۔ (الاصول الاربعہ ص ۷۹)

آج کل تقلید شخصی واجب ہے

اگرچہ حق چار مذاہب حنفیہ مالکیہ شافعیہ حنبلیہ میں دائر ہے لیکن ان میں سے ایک امام کی تقلید شرعاً واجب ہے۔ خواجہ محمد حسن جان سرہندی لکھتے ہیں۔ **الحال چند عبارات علمائے راسخین در وجوب تقلید شخصی بشنو۔ شیخ ابن الهمام در تحریر الاصول و شیخ ابن الحاجب در مختصر الاصول و صاحب درمختار در کتاب در مختار بالفاظ صاحب بحرالرائق می نویسند فوجب علی مقلد ابی حنیفه العمل به ولا یجوز له العمل بقول غیره کما نقل الشیخ قاسم فی تصحیحه عن جمیع الاصولیین انه لا یصح الرجوع عن التقلید بعد العمل بالاتفاق.** شیخ ابن الھمام نے کتاب تحریر الاصول میں، شیخ ابن الحاجب نے کتاب مختصر الاصول میں اور صاحب درمختار نے کتاب در مختار میں بحر الرائق کی عبارت میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مقلد پر واجب ہے کہ وہ ان کے قول پر عمل کرے اور اس کے لئے کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ یہ بات شیخ قاسم نے اپنی کتاب تصحیح میں تمام علمائے اصول سے نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص کسی امام کی تقلید شروع کر دے تو اس امام کی تقلید چھوڑنا اس کے لئے بالاتفاق صحیح نہیں ہوگا۔

امام شعرانی در میزان می نویسد سمعت سیدی علیا الخواص

رحمة الله عليه يقول امر علماء الشريعة بالتزام مذهب معين تقريبا بالطريق . امام شعرانی کتاب میزان میں لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شریعت کے علماء نے معین مذھب کی تقلید لازم فرمائی ہے تاکہ راہ راست پر چلنا ممکن ہو جائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی در انصاف می نویسد بعد المائتین ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين با عيانهم و قل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه و كان هذا هو الواجب في ذلك الزمان اه ۔ سن دوسوہجری کے بعد مسلمانوں میں مجتہدین اربعہ میں سے کسی ایک کے مذھب کی تقلید کرنا ظاہر ہوا اور اس وقت شاذ و نادر ہی کوئی شخص غیر مقلد ہوا ہوگا اور یہ بات (تقلید شخصی) اس دور میں (اس دور کے حالات کے پیش نظر) واجب تھی ۔ راقم گوید چوں کہ درآں زمان واجب بود درین زمان بطریق اولی واجب است ۔ راقم (محمد حسن جان سرہندی) کہتا ہے کہ چونکہ اس دور میں تقلید شخصی واجب تھی تو اس دور میں بطریق اولی واجب ہے۔ ملا علی قاری در رسالہ تشییع الفقہاء نوشتہ است بل وجب عليه ان يعين مذهبا من هذاالمذاهب ۔ بلکہ واجب ہے ان چار مذھبوں میں سے کسی ایک معین مذھب کی تقلید کرنا۔ در عالمگیری می نویسد حنفی ارتحل الی مذهب شافعی یعزر کذا فی جواهرالاخلاطی ۔ فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے کہ حنفی المذھب شخص شافعی مذھب کی طرف منتقل ہو جائے تو اسے سزا دی جائے گی جیسے جواہر الاخلاطی میں ہے . حموی در شرح اشباہ می نویسد وفی الفتح قالوا ان المنتقل من مذهب الى مذهب بالاجتهاد والبرهان آثم فيستوجب التعزير فبلا اجتهاد وبرهان اولى .

فتح القدیر میں ہے علماء نے کہا ہے کہ جو شخص اجتہاد اور دلیل کی وجہ سے ایک مذھب کو چھوڑ کر دوسرے مذھب کو اختیار کرے وہ گنہگار اور تعزیر کا سزاوار ہوگا پھر جو بغیر اجتہاد اور دلیل کے ایسا کرے گا وہ بدرجہ اولی گنہگار اور تعزیر کا حقدار ہوگا . در شرح مسلم

الثبوت می نویسد .غیر المجتهد المطلق ولو کان عالما یلزمه التقلید لمجتهدما۔ مجتہد مطلق کے سوا ہر مسلمان کو کسی مجتہد کے مذھب کی تقلید لازم ہے اگر چہ وہ خود عالم دین ہو۔ و دررد المختار ج ۴ ص ۲۸۳ می نویسد ۔لیس للعامی ان یتحول من مذھب ویستوی فیہ الحنفی والشافعی ۔ ردالمحتار میں ہے کہ عامی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنا مذھب چھوڑ کر دوسرا مذھب اختیار کر لے اور اس بارہ میں حنفی اور شافعی برابر ہیں ۔ مؤلف گوید عاصی درین عبارت بمقابلہ مجتھد است .مؤلف (محمد حسن جان سرہندی) کہتا ہے کہ اس عبارت میں عاصی کا لفظ مجتہد کے مقابلہ میں ہے کہ مندرجہ بالا عبارات سے ظاہر ہے (الاصول الاربعہ از ص ۸۵ ص ۸۶)

الحمد للہ خواجہ محمد حسن جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ مندرجہ بالا عبارات علماء سے روز روشن سے زیادہ روشن ہوا کہ آج کل عوام وخواص جہلاء علماء سب پر مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک معین مذہب کی تقلید شرعا واجب ہے۔ اوراس دور میں تقلید ترک کرنا سراسر گمراہی ہے۔ اللہ تعالی ہدایت نصیب رکھے۔ آمین۔

پانچ مذاھب کے حق ہونے کا قول باطل ہے

دور حاضر میں ایک نیا فرقہ تحریکی یا منہاجی فرقہ پیدا ہوا ہے۔ اس فرقے کا بانی لاہور کا ایک شخص پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری ہے۔ ڈاکٹر موصوف اوراس کے ہم عقیدہ لوگوں کے نزدیک حق مذاھب پانچ ہیں ۔ انہوں نے اہل سنت کے چار فقہی مذاھب حنفی مالکی شافعی حنبلی کی طرح شیعہ مذھب کو بھی حق سمجھ لیا ہے۔ اسی وجہ سے ان لوگوں نے شیعہ سنی اختلاف کو حنفی شافعی اختلاف کی طرح فروعی اختلاف قرار دے دیا ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری لکھتا ہے۔ بحمد اللہ مسلمانوں کے تمام مسالک اور مکاتب فکر میں عقائد کے بارے میں کوئی بنیادی اختلاف موجود نہیں ہے۔ البتہ فروعی اختلافات

صرف جزئیات اور تفصیلات کی حد تک ہیں۔ جن کی نوعیت تعبیری اور تشریحی ہے۔ اس لیے تبلیغی امور میں بنیادی عقائد کے دائرہ کو چھوڑ کر محض فروعات و جزئیات میں الجھ جانا اور ان کی بنیاد پر دوسرے مسلک کو تنقید و تفسیق کا نشانہ بنانا کسی طرح دانشمندی اور قرین انصاف نہیں۔ (فرقہ پرستی کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟ موءلفہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری مطبوعہ ادارہ منہاج القرآن لاہور ص ۶۵)

(۲) یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان بنیادی اور اعتقادی قدریں سب مشترک ہیں۔ اسلامی عقائد کا سارا نظام اپنی مشترک بنیادوں پر کھڑا ہے۔ الی ان قال۔ اور اگر کہیں کوئی اختلاف ہے تو صرف فروعی حد تک اور وہ بھی ان کی علمی تفصیلات اور کلامی شروحات متعین کرنے میں ہے۔ اس سے عقائد اسلام کی بنیادوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (فرقہ پرستی کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟ ص ۵۹)

(۳) جہاں تک مسلمانوں کے باہمی اتحاد کا تعلق ہے اس کے لیے عقائد و اعمال کی ساری بنیادیں مشترک ہیں۔ (فرقہ پرستی کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟ ص ۶۱)

(۴) ہم صرف ان مسالک و مکاتب فکر کی بات کر رہے ہیں جو علی التحقیق مسلمان ہیں۔ اب یہ بات آپ بھی واضح طور پر سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر اختلاف کی نوعیت تعبیری اور تشریحی ہے بنیادی اور اصولی نہیں۔ اور جن سے اختلاف اصولی نوعیت کا ہوگا صاف ظاہر ہے وہ مسلمان نہیں۔ (پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کا اہم انٹرویو شائع کردہ سنٹر آف اسلامی سٹڈیز سیالکوٹ ص ۴۲)

قارئین کرام مندرجہ بالا عبارات کو بغور پڑھیے اور اندازہ فرمایئے کہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری نے کتنے واضح انداز میں تمام مسالک اور مکاتب فکر کے عقائد میں صرف فروعی اختلاف کی موجودگی کا قول کیا ہے پروفیسر صاحب کے انہی اقوال کا نتیجہ ہے کہ ان کی جماعت کے ایک اہم شخص پروفیسر محمد رفیق آف میر پور آزاد کشمیر نے اپنی کتاب اتحاد ملت اور تحریک منہاج القرآن میں یہ لکھ کر تحریکی عقیدہ کو مزید آشکارا کر دیا ہے کہ ہر

دور میں مسلمانوں میں اختلافات کی نوعیت مختلف رہی ہے۔ مناقشات صحابہ زیادہ تر سیاسی نوعیت کے حامل تھے جو کہ اجتہادی غلطیوں کا نتیجہ تھے نفسانیت کا اس میں دخل نہ تھا۔ رہا فقہی مسائل میں اختلاف کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں استنباط و استخراج کا حق مسلمہ تھا۔ اس لیے کسی نے بھی ایک دوسرے کی مخالفت نہ کی بلکہ احترام کی فضا قائم رہی۔ اور ائمہ اربعہ نے بھی اسی سنت کی پیروی کی ہے۔ بعد کے ادوار میں سواد اعظم سے اختلاف کرنے والے زیادہ تر عقائد کے باب میں گمراہیوں کا شکار ہو کر الگ فرقے بنتے گئے۔ حضرت شیخ عبدالقادر نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں اپنے زمانے کے تہتر فرقوں کا ذکر فرمایا ہے۔ امت نے پانچ فقہی مسالک کو برحق تسلیم کر لیا ہے اور بحیثیت مجموعی کسی کی تکفیر نہیں کی ہے۔ ایسے ہی اختلاف کو حضور نے رحمت قرار دیا ہے جن کا منشاء رضائے الٰہی ہو۔ کیونکہ یہ زندگی کے جمود و تعطل کو رفع کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے ۔ (اتحاد ملت اور تحریک منہاج القرآن ص ۱۵ مطبوعہ منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور)

الغرض تحریکی ٹولہ کے عقیدہ میں مذاہب حقہ چار نہیں بلکہ پانچ ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ ان کے نزدیک پانچواں حق مذہب شیعہ ہی ہے کیونکہ وہ دیوبندی بریلوی دونوں کو ایک مذہب مانتے ہیں۔ حالانکہ تابعین تبع تابعین سے لے کر آج تک اس بات پر مسلمانوں کا اجماع چلا آ رہا ہے کہ حق چار ہی مذاہب ہیں۔ حنفی مالکی شافعی حنبلی۔ اس لیے تحریکی گروہ کے سرکردہ شخص پروفیسر محمد رفیق کا یہ لکھنا کہ امت نے پانچ فقہی مسالک کو حق تسلیم کر لیا ہے صرف یہ ہی نہیں کہ سفید جھوٹ ہے بلکہ اجماع امت کا خارق بھی ہے۔ اس لیے اجماع امت کے برخلاف پانچ فقہی مسالک کے برحق ہونے کا قول کرنا سراسر گمراہی ہے۔ واللہ لا یھدی کید الخائنین ۔

طاہر القادری نے مطلق اجتہاد کا دروازہ کھول دیا ہے

تابعین تبع تابعین کے دور میں جب اختلاف ظاہر ہوا۔ علماء کرام نے قرآن

وحدیث اور اقوال صحابہ میں مطلق اجتہاد کر کے اپنے اپنے مذہب قائم فرمائے۔ پھر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ مذاہب منقرض ہوتے گئے۔ یہاں تک کے چار مذاہب حقہ حنفی شافعی مالکی اور حنبلی باقی رہ گئے۔ اس وقت امت کا اجماع اس بات پر قائم ہوا کہ حق انہی چار مذاہب میں دائر ہے۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں تفصیلاً عرض کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مذاہب اربعہ قائم ہونے کے بعد مطلق اجتہاد کی ضرورت اٹھ گئی۔ تو اب خدا جانے طاہر القادری وغیرہ نے مطلق اجتہاد کا جو دروازہ کھول دیا ہے اس کی انہیں ضرورت کیوں پیش آئی ہے؟ طاہر القادری صاحب کا یہ کہنا کہ تقلید کی وجہ سے یہ امت جمود وتعطل کا شکار ہوگئی ہے اور اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ حقیقت سے ان کی بے خبری کا نتیجہ ہے کیونکہ تقلید اجتہاد کے مانع نہیں ہے۔ حضرت امام ابو یوسف، محمد مجتہدین تھے لیکن وہ اصولوں میں امام اعظم کے مقلد تھے اور فروعات میں اجتہاد بھی فرماتے تھے۔ پھر بعد کے فقہاء اپنے اپنے دور کے پیش آمدہ مسائل کا حل بھی اجتہاد ہی کی بناء پر فرماتے رہے تھے۔ اپنے امام کے قول کے مطابق نئے مسائل کو اپنے اجتہاد سے حل کرنا یہ مفتیوں کا کام رہا ہے۔ ولہذا طاہر القادری کا یہ شوشہ کہ تقلید کی وجہ سے اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا تھا کسی طرح درست نہیں ہے۔ طاہر القادری کا نظریہ اجتہاد سمجھنے کے لئے درج ذیل عبارات ملاحظہ ہوں

(۱) ہمارے قدامت پرست مذہبی ذہن نے الا ماشاء اللہ تصور تقلید کو فی الواقع فکری تعطل میں بدل دیا ہے اور اجتہاد کو عملاً شجر ممنوعہ بنا دیا ہے۔ اس لیے فقہی کام جو آج سے کئی سو سال پہلے کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ہوا تھا اسے تمام تفصیلات وجزئیات سمیت ہر اعتبار سے آج کے دور کے لیے بھی من وعن کافی ووافی سمجھ لیا ہے۔ عام مذہبی طبقہ اسے عملاً اور واقعۃً قرآن وسنت کی طرح ہمیشہ کے لیے حتمی وقطعی سمجھتا ہے۔ اور اس سے جزوی اختلاف یا اس میں اجتہاد نو کو فعل حرام تصور کرتا ہے۔ اس نے قرآن وسنت اور اجتہادی آراء وعلوم کے درمیان امتیاز یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ اس لیے کتب فقہ وحی کا بدل تصور ہونے لگی ہیں۔ اور ان کی موجودگی میں نئے فقہی اجتہاد کو سراسر اسلام کے خلاف سازش تصور کیا جاتا ہے۔ ان خیالات نے بالعموم علمائے کرام کو جدید تعلیم کی ضرورت کے

احساس سے بھی بے نیاز کر دیا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عصری علوم وفنون کو پڑھنا دنیاداری ہے۔ اور دین داری صرف قدیم طرز کے دینی مدارس میں اس علم کی تحصیل سے ہی عبارت ہے جو آج سے کئی سال پہلے کی علمی ضروریات کی تکمیل کے لئے مرتب کردہ نصاب تدریس پر مشتمل ہے۔ ہمارا تجدد پسند جدید ذہن علماء کے مذکورہ بالا عمومی رویے کے ردعمل کے طور پر عصری مسائل کے لئے اجتہاد کرنا چاہتا ہے۔ اس کی حقیقت سوائے آزادانہ رائے زنی کے اور کچھ نہیں۔ نہ وہ اجتہاد کی علمی وعملی شرائط کو پورا کرتا ہے۔ اور نہ انہیں پورا کرنے کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہے۔ (پروفیسر کا خصوصی انٹرویو شائع کردہ قومی ڈائجسٹ لاہور ص ۴۵)

(۲) پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔ خالی یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے۔ قرآن وسنت موجود ہیں، فقہ حنفی کی کتابیں ہیں. عالمگیری ہے۔. نیا کچھ بنانے کی ضرورت نہیں، یہ سب باتیں ہی ہیں۔ ان سے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ جب تک عملی میدان میں جمود اور تعطل نہیں ٹوٹتا جو تحرک اور ارتقاء کے راستے میں حائل ہے اور مسائل کے حل میں رکاوٹ ہے۔ (باطل قوتوں کو کھلا چیلنج۔ مئولفہ پروفیسر طاہر القادری مطبوعہ منہاج القرآن یوتھ لیگ ماڈل ٹاون لاہور

(۳) پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔ اجتہاد نو کی ضرورت پر یہ اصول صراحۃً دلالت کرتا ہے جس پر فقہائے امت کا اجماع ہے کہ تغیر زمان سے تغیر احکام لازم آتا ہے۔ ہمارے نزدیک اصول فقہ کا یہی حکم کہ لاینکر تغیر الاحکام بتغیر الزمان اجتہاد نو کی اساس ہے۔ اسی اصول کے تحت متقدمین اور متاخرین اپنے اپنے زمانوں کے احوال اور مسائل کے پیش نظر اجتہاد کرتے رہے ہیں۔ (عصر حاضر اور فلسفہ اجتہاد مؤلفہ پروفیسر طاہر القادری مطبوعہ مرکزی ادارہ منہاج القرآن لاہور (۱۵)

طاہر القادری کی مندرجہ بالا عبارات پر غور فرمائیں۔ اور سوچیں کہ یہ صاحب کس قسم کے اجتہاد نو کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔ انہی نظریات کی وجہ سے پروفیسر صاحب کے ایک مخصوص شخص جاوید القادری نے یہ لکھا ہے کہ پروفیسر محمد طاہر القادری راسخ العقیدہ حنفی المذہب ہونے کے باوجود جدید قانونی اقتصادی سیاسی اور بین الاقوامی مسائل میں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کے قائل ہیں۔ آپ شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ ائمہ متقدمین ومتاخرین کی فقہی آراء کی روشنی میں اجتہادی کاوشیں جاری رہنی چاہیں۔ اگر تمام معاملات

میں محض تقلید ہی مکمل طور پر حاوی وطاری رہی تو مسلمانوں کی علمی صلاحیتیں زنگ آلود ہو کر ناکارہ ہو جائیں گی۔ ملت کے احیاء اور امت کے عروق مردہ میں تازہ زندگی پیدا کرنے کے لئے اسلاف امت اور ائمہ اسلام کی پیروی میں ان کی وضع کردہ اصولوں کے مطابق اجتہادی اور تخلیقی انداز میں علمی ارتقاء کا سلسلہ قائم رہنا چاہیے۔ پروفیسر محمد طاہر القادری کی قرآنی فکر اور فقہی اور علمی سوچ کی نہج یہی ہے۔ اور آپ اپنی تمام صلاحیتیں اسی مقصد کے حصول میں صرف کرر ہے ہیں۔ (نابغۂ عصر ص ۱۵ مطبوعہ ادارہ منہاج القرآن لاہور)

تحریکی ٹولہ سے استفسار

مسٹر طاہر القادری اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں سے ہمارا یہ سوال ہے کہ آپ جس اجتہاد نو کی ضرورت بیان کرر ہے ہیں اور اس کی وجہ سے تقلید شخصی کا تعطل ختم کرنا چاہتے ہیں وہ اجتہاد آپ مقلد بن کر کریں گے یا غیر مقلد بن کر۔ اگر مقلد بن کر کریں گے تو اس اجتہاد مطلق کی وجہ سے آپ کی تقلید ختم ہو جائے گی اور آپ غیر مقلد قرار پائیں گے یا نہیں؟ اور اگر مقلد بن کر اجتہاد نو کریں گے تو پھر آپ کا یہ اجتہاد مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کے مطابق ہوگا یا چاروں مذاہب سے جدا؟۔ اگر مطابق ہو تو اس میں تحصیل حاصل لازم آئے گی۔ اور اگر جدا ہوگا تو وہ باطل ہوگا۔ کیونکہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع قائم ہو چکا ہے کہ حق صرف چار مذاہب میں دائر ہے۔ اور جو ان سے خارج ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔ آپ گمراہ اور بدعتی قرار پائیں گے۔ بہر حال آپ لوگوں کو ہمارا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ آپ اجتہاد نو کی باتیں نہ کریں بلکہ اصول احناف کی روشنی میں نئے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کریں۔ آپ جیسے لوگوں کے لیے ہی تو علمائے اصولیین نے اصول فقہ کا فن نکالا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

وھذا آخر ما اردنا ایرادہ فی ھذہ المقالة النافعة تقبلها الله تعالی بمنه العظیم ورسوله الکریم ﷺ.

(۲۸ ذوالقعدہ ۱۴۲۳ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیسرا مقالہ

بیعت مشائخ کی حقیقت و اہمیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد۔

دور حاضر میں عامۃ المسلمین کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت ہونے اس کے سلسلہ طریقت سے نسبت پیدا کرنے اور اس کی اتباع وہدایت میں زندگی بسر کرنے کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں۔ اور وہ جنگلی حیوانات کی آزادانہ زندگی کی طرح زندگی گزارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بعض مسلمان کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت تو ہو جاتے ہیں لیکن بیعت ہونے کے بعد وہ اپنے شیخ سے رابطہ رکھنے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ بیعت ہونے والوں میں سے کچھ لوگ رسمی طور پر اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری بھی دیتے رہتے ہیں۔ لیکن پیر کی عدم موجودگی میں اس کی ہدایات ونصائح پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ پھر یہ رسمی میل جول بھی دنیاوی مفادات کے لئے ہوتا ہے۔ اس لیے جب یہ لوگ اپنے مطلوبہ مفادات کا حصول ناممکن دیکھتے ہیں تو اپنے شیخ ہی سے بدظن ہو کر کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اور بہت کم ایسے لوگ ہیں جو شیخ طریقت کے نقش قدم پر چل کر قرب خداوندی حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ بزرگان دین فرماتے ہیں۔

ہر کہ ذات پیر را کردے قبول — ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر — پر خطر است، پر خطر است، پر خطر
علم باطن ہمچو مسکہ، اہل ظاہر ہمچو شیر — کے شود بے شیر مسکہ کے شود بے پیر پیر

دوسری جانب اکثر پیران طریقت بھی صرف بیعت لینے، نذر ونیاز قبول کرنے اور دم درود اور تعویذات کی حد تک اپنے متوسلین سے رابطہ رکھتے ہیں اور مریدوں کے عقیدہ اور عمل کی اصلاح کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ بدین حالات منکرین ولایت وتصوف کو اولیاء وصوفیاء پر تمسخر اڑانے کا موقع ملتا ہے۔ اور وہ عامۃ المسلمین کو اولیاء کاملین سے

متنفر بنانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ بدیں وجہ ہم نے مسلمانوں کو بیعت مشائخ کی اہمیت اور اس کے شرعی احکام بتانے کی غرض سے یہ مختصر رسالہ ترتیب دینے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔

بیعت کا مفہوم

راسخ العقیدہ صحیح العمل صاحب خلافت شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہر امر مباح میں اس کی اطاعت و پیروی کرنے کا عہد کرنا اصطلاح شرع میں بیعت کہلاتا ہے۔ مفسر علاء الدین خازن لکھتے ہیں۔ واصل البیعۃ العقد الذی یعقدہ الانسان علی نفسہ من بذل الطاعۃ للامام والوفاء بالعھد الذی التزم لہ۔ بیعت کی اصل یہ ہے کہ کوئی انسان امام کی اطاعت اور اس سے کیے گئے ہر عہد کی وفا کا عقد اپنے اوپر لازم کرے۔ (تفسیر خازن جلد ششم ص ۱۹۱) اور بیعت کا یہی مفہوم انہی الفاظ میں امام احمد صاوی نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ (تفسیر صاوی جلد چہارم ص ۸۲)

اور پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنے مضمون ''بیعت کا مقصد،، میں لکھتے ہیں۔'' بیعت کے معنی ہیں دست بدست یک دیگر نہادن و عہد بستن،، کسی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر عہد کرنا (ماہنامہ ضیائے حرم لاہور ۱۹۸۰ء ص ۳۳)

بیعت کا ثبوت قرآن سے

بیعت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ط ید اللہ فوق ایدیھم ج فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرا عظیما۔ (پارہ ۲۶ رکوع ۹)

(ترجمہ) وہ لوگ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے برے کو عہد توڑا اور جس

نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔

(۲) اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا ومغانم کثیرۃ یاخذونھا وکان اللہ عزیزا حکیما (پ ۲۶ رکوع ۹)

(ترجمہ) بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا اور بہت سی غنیمتیں جن کو لیں اور اللہ عزت وحکمت والا ہے۔

(۳) اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔یایھا النبی اذا جآءک المؤمنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یأتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفرلھن اللہ ط ان اللہ غفور رحیم۔ (پ ۲۸ رکوع ۸)

(ترجمہ) اے نبی جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ وہ اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اولاد کو قتل کریں گی اور نہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لو۔ اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی اس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا مشائخ کے ہاتھ پر بیعت ہونا سنت ہے کیونکہ یہ مومنہ عورتیں حضور ﷺ کے ہاتھ پر اس کی بیعت کرتی تھیں کہ ہم آئندہ گناہوں سے بچیں گی۔ یہی مشائخ کی بیعت کا منشاء ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ حضور ﷺ نے عورتوں سے بیعت صرف زبان وکلام سے لی نہ کہ ان کا ہاتھ چھوا۔ نہ کپڑا۔ اس لئے یہاں ہاتھ شریف کا ذکر نہ ہوا اور مردوں کی بیعت

کے متعلق فرمایا گیا ید اللہ فوق ایدیھم کیونکہ وہاں مصافحہ ہوتا تھا۔ (نور العرفان ص ۸۸۰)

اور یہی بزرگ پہلی آیت کریمہ کے ماتحت لکھتے ہیں۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ تمام صحابہ خصوصاً بیعت الرضوان والے بڑی شان والے ہیں۔ ان کی تعداد چودہ سو ہے۔ دوسرا یہ کہ حضور ﷺ کو وہ قرب الٰہی حاصل ہے کہ حضور کی بیعت رب سے بیعت ہے۔ اور حضور کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔ تیسرا یہ کہ حضرت عثمان بڑی شان والے ہیں کہ یہ بیعت انہی کی وجہ سے ہوئی۔ چوتھا یہ کہ بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت ہونا سنت صحابہ ہے۔ پانچواں یہ کہ مصافحہ سنت ہے۔ مردوں کے لئے۔ عورت کو کلام سے بیعت کیا جائے جیسا کہ الذین صیغہ مذکر فرمانے سے معلوم ہوا۔ (نور العرفان ص ۸۱۶)

بیعت کا ثبوت احادیث سے

(۱) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کے اردگرد آپ کے صحابہ کی ایک جماعت تھی۔ آپ نے فرمایا۔ **بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تاتوا ببھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف** ۔ان کاموں پر میری بیعت کرو کہ تم اللہ کا شریک کسی شئے کو نہ ٹھہراؤ گے اور چوری نہیں کرو گے اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے اور نہ وہ بہتان لاؤ گے جسے تم اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع تناسل میں اٹھاؤ اور تم کسی نیک کام میں میری نافرمانی نہ کرو گے پھر فرمایا تم میں سے جو کوئی اس عہد کو پورا کرے گا۔ اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہوگا۔ اور جو اس میں کسی قدر کمی کرے گا تو اس کو اس کی سزا دنیا میں دی گئی تو یہ اس کا کفارہ ہو جائے گا۔ اور جو اس میں کسی قدر کمی کرے گا پھر اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگا اگر وہ چاہے۔ تو اس کو معافی دے دے اور چاہے تو عذاب دے۔ **فبایعناہ علی ذلک** ۔پس ہم نے ان باتوں پر رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔ متفق علیہ۔ (مشکوۃ

باب الایمان فی بیان التوحید۔ جلد اول ص۱۲)

(۲) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، ''ابسط یمینک فلا بایعک'' آپ اپنا دایاں ہاتھ پھیلائیں تا کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ یہ سن کر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا۔ اے عمرو۔ آپ کا کیا حال ہے؟ عرض کی۔ میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔ فرمایا۔ شرط کیا لگاؤ گے؟ عرض کی یہ کہ میرے گناہ بخش دیئے جائیں۔ فرمایا۔ اے عمرو کیا تجھے علم نہیں کہ اسلام قبول کرنا پہلے دور کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اور ہجرت کرنا پہلے دور کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اور حج کرنا پہلے دور کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ (رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ جلد اول ص۱۳)

مذکورہ بالا تین آیات کریمہ اور دو احادیث متبرکہ سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بیعت کا طریقہ جاری وساری تھا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''واستفاض عن رسول اللہ ﷺ ان الناس کانوا یبایعونہ تارۃ علی الھجرۃ والجھاد وتارۃ علی اقامۃ ارکان الاسلام وتارۃ علی الثبات والقرار فی معرکۃ الکفار وتارۃ علی التمسک بالسنۃ والاجتناب عن البدعۃ والحرص علی الطاعات کما صح انہ ﷺ بایع نسوۃ من الانصار علی ان لاینحن''

اور مشہور حدیثوں میں منقول ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر لوگ بیعت کرتے تھے۔ آپ کبھی ہجرت و جہاد پر، کبھی ارکان اسلام پر، کبھی معرکہء کفار میں ثابت قدم رہنے پر، کبھی سنت سے تمسک اور بدعت سے اجتناب پر اور کبھی عبادات کی حرص پر بیعت لیتے تھے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے انصار کی عورتوں سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی۔ (القول الجمیل مترجم ص۱۲)

بیعت کی تاکید شدید

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی

سبیله لعلکم تفلحون''

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔ (پ ۶ رکوع ۱۰)

حضرت مجدد الف ثانی اس آیت کریمہ میں لفظ وسیلہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

''وطلب پیر راہ بین و راهنما که وسیله تواند شد نیز مامور شرعی ست قال الله تعالیٰ وابتغوا الیه الوسیلة'' راہ بین راہنما پیر تلاش کرنا کہ وہ وسیلہ بن سکے شرعاً مامور بہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ (مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص ۱۳۶)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ''من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة الجاهلیة'' جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کی گردن میں بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ حصہ دوم ص ۴۷)

اور سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''وعن بعضهم رحمة الله تعالیٰ علیه انه قال من لم یکن له شیخ فابلیس شیخه'' اور بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جس شخص کا کوئی مرشد نہ ہو اس کا راہنما ابلیس ہوتا ہے۔ (الفتح الربانی ص ۲۷۱)

بیعت مشائخ کی شرعی حیثیت

حضرت شاہ ولی اللہ بیعت مشائخ کی شرعی حیثیت کے بارہ میں لکھتے ہیں ''اور شاید کہ اے مخاطب تو کہے گا کہ مجھے بیعت کا حکم بتائیے کہ کیا ہے؟ واجب ہے یا سنت۔

''فاعلم ان البیعة سنة ولیست بواجبة لان الناس بایعوا النبی ﷺ وتقربوا بها الی الله تعالیٰ ولم یدل دلیل علیٰ تاثیم تارکها ولم ینکر احد من الائمة علی تارکها فکان کالاجماع علی انها لیست بواجبة''

سوتو جان کہ بیعت سنت ہے اور واجب نہیں ہے کیونکہ لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت ہوتے تھے اور بیعت کے ذریعہ سے قرب الٰہی ڈھونڈتے تھے اور اس بات پر کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی کہ بیعت کا تارک گناہگار ہوتا ہے اور نہ ہی کسی امام نے اس کے تارک پر انکار کیا ہے۔ پس یہ بات گویا اس پر اجماع ہے کہ بیعت کرنا واجب نہیں ہے۔ (القول الجمیل ص ۱۸)

بیعت مشائخ کی ابتداء

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''وکذالک بیعة التمسک بحبل التقویٰ کانت متروکة اما فی زمن الخلفاء الراشدین فلکثرة الصحابة الذین استناروا بصحبة النبی ﷺ وتادبوا فی حضرته فکانوا لایحتاجون الی بیعة الخلفاء واما فی زمن غیرهم فخوفا من افتراق الکلمة وان یظن بهم مبایعة الخلافة فتهیج الفتنة وکان الصوفیة یومئذ یقیمون الخرقة مقام البیعة ثم لما اندرس هذا الرسم فی الخلفاء انتموا الصوفیة الفرصة فتمسکوا بسنة البیعة''

اور اسی طرح ابتدائی دور میں بیعت تقویٰ (بیعت مشائخ) متروک تھی کیونکہ خلفائے راشدین کے دور میں صحابہ کی کثرت تھی اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے نور سے منور ہو چکے تھے اور آداب شریعت سیکھ چکے تھے پس انہیں خلفاء وقت کے ہاتھ پر بیعت تقویٰ کرنے کی حاجت ہی نہ تھی اور خلفائے راشدین کے دور کے بعد اختلاف پیدا ہونے کے خوف سے متروک تھی کیونکہ بیعت تقویٰ کے بارہ میں یہ گمان ہو سکتا تھا کہ شاید یہ بیعت خلافت ہو اس لئے فتنہ اٹھ سکتا تھا بدیں وجہ اس دور کے صوفیہ صرف خرقہ دے دینے پر اکتفاء کرتے تھے اور اسی کو بیعت تقویٰ کے قائم مقام سمجھتے تھے۔ پھر جب خلفاء میں بیعت خلافت کا رواج ختم ہو گیا تو صوفیہ کو خرقہ کی جگہ بیعت تقویٰ کرلے کی مہلت مل گئی۔ (القول

الجمیل ص ۱۷)

شرائط مرشد

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"شرط من یأخذ البیعة امور احدھا علم الکتاب والسنة وانما شرطنا العلم لان الغرض من البیعة امرہ بالمعروف ونھیه عن المنکر وارشادہ الی تحصیل السکینة الباطنة وازالة الرذائل واکتساب الخصائل ثم امتثال المسترشد به فی کل ذالک فمن لم یکن عالماً کیف یتصور منه ھذا"

پیر کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا علم رکھتا ہو اور ہم نے علم رکھنے کی یہ شرط اس لئے لگائی ہے کہ بیعت کی غرض و غایت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' مرید کے دل میں سکینہ پیدا کرنا' اس کے باطن کو رذائل سے پاک کرنا اور خصائل سے آراستہ کرنا اور ان امور میں پیر کی اتباع کرنا ہے۔ اور یہ باتیں علم کے بغیر پائی نہیں جاتیں۔

"والشرط الثانی العدالة والتقوی فیجب ان یکون مجتنباً عن الکبائر غیر مصر علی الصغائر" اور پیر کی دوسری شرط اس کا نیکو کار رہنا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے مجتنب اور صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے والا نہ ہو۔

"والشرط الثالث ان یکون زاھداً فی الدنیا راغباً فی الآخرة مواظبا علی الطاعات المؤکدة والاذکار المأثورة المذکورة فی صحاح الاحادیث مواظباً علی تعلق القلب باللہ سبحانه و کان یادداشت له ملکة راسخة"

پیر کی تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دنیا کا تارک ہو۔ آخرت کی رغبت رکھنے والا ہو۔ ... طاعات اور صحیح احادیث میں وارد اذکار ماثورہ کو پڑھنے والا ہو۔ اللہ سبحانہ سے قلبی تعلق رکھنے والا ہو۔ اور اس کا حافظہ درست ہو۔

"والشرط الرابع ان يكون امراً بالمعروف ناهياً عن المنكر مستبدا برأيه لا امعة ليس له رأى ولا امر ذامروة وعقل تام ليتعمد عليه فى كل ما يأمر به وينهى عنه"

اور پیر کی چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دینے والا' برائی سے روکنے والا ہو' اپنی رائے پر جمنے والا ہو' مروت اور عقل کامل کا مالک ہو تاکہ اس کے ہر امر و نہی میں اس پر اعتماد کیا جا سکے۔

"والشرط الخامس ان يكون صحب المشائخ وتأدب بهم دهرا طويلا واخذ منهم النور الباطن والسكينة" اور پیر کی پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ طویل مدت تک مشائخ کی صحبت میں رہ چکا ہو اور ان کے آداب سیکھ چکا ہو اور ان سے باطنی نور اور اطمینان قلب حاصل کر چکا ہو۔ (القول الجمیل ص ۲۰)

اور پیر کی چھٹی شرط یہ ہے کہ اس کا سلسلہء بیعت رسول اللہ ﷺ تک متصل ہو اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں بیعت اس شخص سے کرنا چاہئے۔ جس میں یہ چار باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔ اولاً سنی صحیح العقیدہ ہو۔ ثانیاً کم از کم اس کے پاس اتنا علم ضروری ہو کہ بلا کسی امداد کے اپنی ضرورت کا مسئلہ کتاب سے نکال سکے۔ ثالثاً اس کا سلسلہ حضور اقدس ﷺ تک متصل ہو کہیں منقطع نہ ہو۔ رابعاً فاسق معلن نہ ہو۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی حصہ دوم ص ۴۴)

ناقص پیر کی بیعت

حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں: "وقوی ترین اسباب فتور در طلب انابت است بشیخ ناقص که بسلوک وجذبه کار را تمام ناکرده بمسند شیخی خود را کشیده است. طالب را صحبت او سم قاتل است وانابت [illegible] مرض مهلک"

[illegible] مرید کے اندر فتور پیدا ہونے کا قوی ترین سبب ناقص پیر ہے جو سلوک و جذبہ کو

طے کئے بغیر شیخ بن بیٹھا ہو۔ طالب کے حق میں اس ناقص پیر کی صحبت زہر قاتل ہے اور یسے پیر کی اطاعت مہلک بیماری ہے۔ (مکتوبات امام ربانی حصہ اول ص۱۴۴)

شرائط مرید

جس طرح مرشد کے اندر شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اسی طرح مرید کے اندر چند رائط کا ہونا لازم ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''فاعلم انه يجب ان يكون المبايع بالغا عاقلا راغبا وقد جآء في الحديث انه عرض على النبي ﷺ صبي بايعه فمسح على رأسه ودعا له بالبركة ومن المشائخ من يجوز بيعة لصغار تبركا وتفؤلا''

سو جاننا چاہئے کہ مرید کا بالغ عاقل اور بیعت کی رغبت رکھنے والا ہونا واجب ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک بچہ بیعت کے لئے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اپنا دست شفقت اس کے سر پر پھیرا اور اس کے لئے دعائے برکت فرمائی۔ اور بعض مشائخ نے بچوں کی بیعت کو تبرکا وتفاؤلا جائز رکھا ہے۔ (القول الجمیل ص۲۸)

عورت اور مشیخت

ملفوظات حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی موسوم بہ نافع السالکین مؤلفہ مولوی الدین صاحب میں درج ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''عورت کے واسطے نہ پیغمبری ہے نہ عہدہ قضا، نہ بیعت لینا اور نہ سجادہ نشینی'' پھر فرمایا: ''تین چیزیں عورتوں کے لئے جائز نہیں ہیں ایک نبوت دوسری مشیخت (شیخ طریقت بن کر بیعت لینا) تیسری قضاء یہ ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہیں''۔ (حاشیہ مناقب المحبوبین ص۴۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہوں میں جو یہ رسم قائم ہے کہ پیر صاحب مردوں کو بیعت کرتے ہیں اور ان کے اہل خانہ عورتوں کو بیعت کرتی ہیں۔ اصل طریقہ، شرعیہ کے

خلاف ہے۔عورتوں کو بھی جامع الشرائط مرد پیر کامل سے بیعت ہونا چاہئے۔

بیعت مشائخ کا طریقہ

خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں: "جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں ارادت کی نیت سے آتا۔تو اول آپ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم فرماتے۔بعدہ امن الرسول آخر تک پڑھتے۔اس کے بعد شہد اللہ سے ان الدین عند اللہ الاسلام تک پڑھتے پھر فرماتے کہ (کہو) تو نے اس ضعیف اور اس کے خواجہ خواجگاں اور پیغمبر ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور خدا تعالیٰ سے اس بات پر عہد کیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھ پر نگاہ رکھے گا اور شرع کے طریقے پر چلے گا" ۔(سیر الاولیاء ص ۲۲۳) (ماہنامہ ضیائے حرم لاہور دسمبر ۱۹۸۰ء ص ۴۴)

بیعت مشائخ کا فائدہ

شاہ ولی اللہ دہلوی بیعت کی حکمت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔معلوم کر کہ سنت اللہ یوں جاری ہے کہ امور خفیہ جو نفوس میں پوشیدہ ہیں ان کا ضبط افعال اور اقوال ظاہری سے ہو اور افعال واقوال قائم مقام ہوں امور قلبیہ کے چنانچہ اللہ اور اس کے رسول اور قیامت کی تصدیق قلبی کے قائم مقام اقرار ایمان کو کیا گیا ہے جیسے کہ رضا مندی بائع اور مشتری کی قیمت اور بیع کے دینے میں امر مخفی پوشیدہ ہے تو ایجاب وقبول کو قائم مقام رضائے مخفی کے کر دیا گیا ہے۔سو اسی طرح توبہ اور عزم کرنا ترک معاصی کا اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑنا امر مخفی اور پوشیدہ ہے تو بیعت کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔(القول الجمیل ص ۱۹)

اور مجدد الف ثانی بیعت کا فائدہ ان لفظوں میں لکھتے ہیں:

"شبیہ بفناء فی الشیخ که زینه اول ست دریں راه و این فناء الشیخ ثانیاً وسیله فناء فی الله می گردد که بقاء بالله بر آن مترتب است

کہ محصل ولایت است''

یعنی (محبوبوں کی محبت میں فناء ہو جانے کی مثال) اس طرح ہے جس طرح کہ مرید شیخ کی محبت میں فناہ ہو جائے کہ یہ بات ولایت کا پہلا زینہ ہے پھر یہی فناء فی الشیخ فناء فی اللہ کا سبب بنتا ہے کہ جس پر بقاء باللہ کا حصول مترتب ہوتا ہے کہ بقاء باللہ ولایت کا اصل حاصل ہے۔ (مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص ۲۱۸)

تبدیل بیعت

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان قادری قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: ''تبدیل بیعت بلاوجہ شرعی ممنوع ہے اور تجدید جائز بلکہ مستحب ہے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت نہ ہوا اور اپنے شیخ سے بغیر انحراف کئے اس سلسلہ عالیہ میں بیعت کرے تو یہ تبدیل بیعت نہیں بلکہ تجدید بیعت ہے کہ جمیع سلاسل اس سلسلہء اعلیٰ کی طرف راجع ہیں۔'' (ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ اول ص ۱۵۱)

تکرار بیعت

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''جاننا چاہئے کہ تکرار بیعت رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے اور اسی طرح حضرات صوفیائے کرام سے بھی منقول ہے لیکن دوسرے پیر سے بیعت کرنا اگر اس بناء پر ہو کہ پہلے پیر میں کوئی شرعی خرابی موجود ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اسی طرح پہلے پیر کی وفات کے بعد یا اس کی غیبت منقطعہ میں دوسرے پیر کی بیعت کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اگر بغیر کسی وجہ کے دوسرے پیر سے بیعت کرے تو یہ شخص کھیلنے والے شخص کے مشابہ ہوگا۔ اور اس سے بزرگوں کی برکت اٹھ جائے گی۔ اور مشائخ کے دلوں سے اس کی قدر جاتی رہے گی۔ (القول الجمیل ص ۳۰)

دوسرے مشائخ سے کسبِ فیض

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں

''بدانند که مقصود حق ست سبحانه وپیر وسیله ایست بوصول جناب قدس حق تعالیٰ اگر طالبے رشد خود را پیش شیخ دیگر بیند ودل خود را در صحبت او باحق سبحانه جمع یابد روا است که در حیات پیر بے اذن پیر طالب پیش آن شیخ برود وطلب رشد از ونماید اما باید که از پیر اول انکار نکند وجز به نیکی یاد ننماید''۔

جانیے کہ اصل مقصود حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور پیر حق سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ اگر کوئی مرید دوسرے شیخ کی محفل میں رشد وہدایت دیکھے اور اس کا دل حق تعالیٰ کی طرف مائل ہو تو وہ پیر کی زندگی میں اپنے پیر کی اجازت کے بغیر بھی اس دوسرے شیخ کی محفل میں جانے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کا مجاز ہے۔ البتہ اس پر یہ بات لازم ہے کہ وہ اپنے پہلے پیر کا انکار نہ کرے اور اسے صرف اچھائی ہی سے یاد کرے۔ (مکتوبات امام ربانی حصہ دوم ص ۱۷۵)

دوسرے مشائخ سے کدورت رکھنا

آج کل کے بعض لوگ اپنے پیر کی محبت کے لئے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ دوسرے مشائخ سے نفرت ظاہر کی جائے اور اپنے پیر ہی کو سب کچھ سمجھا جائے۔ یہ کم ظرفی کی دلیل ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ تمام سلاسل کے مشائخ کا احترام کرنا چاہیے اور ان کے باطنی فیضان کی تصدیق کرنی چاہئے۔ ہاں یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ دوسرے مشائخ سے جو روحانی فیض ملے گا وہ اپنے شیخ کے لحاظ اور وسیلہ سے ملے گا۔

ہر کہ ذات پیر را کردے قبول　　　ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

یعنی جو شخص اپنے پیر کو صحیح معنوں میں قبول کرتا ہے اس کی ذات میں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول دونوں آجاتے ہیں۔

بے عمل پیر

حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ہوا میں

بیٹھا ہوا ہے تو اس کی طرف توجہ نہ کرو مگر اس وقت جب کہ وہ کتاب وسنت کا عملاً پابند ہو''۔ (الیواقیت والجواہر حصہ دوم ص ۹۳)

فناء فی الشیخ یا تصورِ شیخ:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

''فناء فی الشیخ کا مرتبہ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ مرید یہ خیال رکھے کہ میرا شیخ میرے سامنے ہے اور وہ اپنے قلب کو اس طرح قلب شیخ کے نیچے تصور کر کے تصور کرے کہ سرکار رسالت سے فیوض وبرکات وانوار قلب شیخ پر فائض ہوتے اور اس سے چھلک کر میرے دل میں آ رہے ہیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ حالت ہو جائے گی کہ شجر وحجر اور در و دیوار پر شیخ کی صورت صاف نظر آئے گی یہاں تک کہ نماز میں بھی جدا نہ ہوگی اور پھر ہر حال اپنے ساتھ میں پاؤ گے''۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت جلد دوم ص ۴۸)

پیر سے کثرت ملاقات

پیر سے مستفیض ومستفید ہونے کے لئے کثرت ملاقات ضروری ہے۔ فناء فی الشیخ کا مقام بھی کثرت ملاقات ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ راہِ سلوک کے ہر نازک موڑ پر پیر کی راہبری شرط ہے۔ میرے استاذ محترم حضرت مولانا محمد شفیع حیدری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں آستانہ عالیہ بگھار شریف سے خلافت نقشبندیہ حاصل کر کے اپنے پیر ومرشد حضرت امیر حزب اللہ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے حالات پیش کئے تو فرمایا مولوی صاحب آپ نے میٹرک پاس کر لیا ہے۔ اب ایم اے بی اے میں خود آپ کو کراؤں گا۔ اس کے بعد میں حضرت صاحب سے اسباق سلوک لینے لگا اور کثرت صحبت اختیار کرنے لگا تو حضرت صاحب نے واقعۃً مجھے طریقت کی باقی منازل طے کروا دیں۔

فیض صحبت کب اٹھے جب تک نہ ملیے ٹوٹ ٹوٹ

پیر کی خدمت میں نذرانہ

مرید پر لازم ہے کہ جب بھی وہ اپنے پیر سے ملاقات کرے کچھ نہ کچھ تحفہ پیر پر پیش کرے اس سے پیر کی توجہات اس کی جانب زیادہ مبذول ہوں گی اور وہ اس سے زیادہ فیض یاب ہوگا۔ پیر کو کچھ بطور نذرانہ دے کر مرید یہ خیال نہ کرے کہ میں نے پیر پر احسان کیا ہے بلکہ پیر کا اس نذرانے کو قبول کر لینا اپنے اوپر پیر کا احسان جانے:

منت منہ کہ خدمت سلطان می کنی منت شناس کہ او بخدمت گذاشتے

شجرہ خوانی

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں:

''شجرہ حضور سید عالم ﷺ تک اپنے اتصال کی سند کا حفظ ہے۔ ثانیاً صالحین کا ذکر موجب نزول رحمت ہے۔ ثالثاً نام بنام اپنے آقایان نعمت کو ایصال ثواب کہ ان کی بارگاہ سے موجب نظر عنایت ہے۔ رابعاً جب یہ اوقات سلامت میں ان کا نام لیوا رہے گا وہ اوقات مصیبت میں اس کے دستگیر ہوں گے''۔ (احکام شریعت ص ۱۴۳)

پیر سے پردہ

حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

''پیر اگر عورت کا محرم نہیں ہے۔ اجنبی اور غیر شخص ہے تو اس سے بھی پردہ لازم ہے اور اگر وہ پردہ نہیں کرتا تو گنہگار ہے اور عورتوں کو اس کے سامنے بے پردہ آنا جائز نہیں۔ البتہ اگر پیر صاحب صلاح وتقویٰ اور شیخ فانی ہو۔ جوانی کی امنگیں مر چکی ہوں اور قوائے شہوانیہ میں حرکت نہ رہی ہو تو عورتیں اس کے سامنے اعضاء کو چھپا کر محرم کی طرح آ سکتی ہیں''۔ (انوار شریعت حصہ اول ص ۴۱)

پیر کی قبر پر حاضری

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مرید شیخ کی قبر پر چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو کر فاتحہ پڑھے اور اس کی حیات میں جیسا ادب کرتا تھا ایسا ہی ادب کرے اور سامنے سے حاضر ہو کہ بالیں سے حاضر ہونے میں مڑ کر دیکھنا پڑھتا ہے اور اس میں تکلیف ہوتی ہے''۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ اول ص ۱۰۵)

چار سلاسل طریقت

طریقت کے چار مشہور سلسلے ہیں قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی پہلے تین سلسلے حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم تک پہنچتے ہیں اور آخری سلسلہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ طالب بیعت ان چار سلسلوں میں سے جس سلسلہ میں چاہے بیعت ہو جائے اور اگر دوسرے سلسلہ کے کوئی بزرگ اسے بیعت کئے بغیر سلوک طے کرا کر خلافت عنایت کریں تو اس میں کچھ حرج نہیں۔...... واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مرشد کامل نہ ملنے کی صورت میں وظیفہ:

اگر طالب بیعت کو مرشد کامل نہ ملے تو اسے ذکر الٰہی اور درود شریف کی کثرت کرنی چاہئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''قال الشیخ ابو العباس الحضرمی رضی اللہ عنہ وعلیک بدوام الذکر وکثرۃ الصلوٰۃ علی رسول اللہ ﷺ فھی سلم ومعراج وسلوک الی اللہ تعالیٰ اذا لم یلق الطالب شیخا مرشدا اھ''

شیخ ابو العباس حضرمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب طالب کو شیخ مرشد نہ ملے تو اس پر لازم ہے کہ ذکر الٰہی اور درود شریف پر مداومت کرے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی

سیڑھیاں اور زینے ہیں۔ (مکتوبات شیخ عبدالحق بر حاشیہ اخبار الاخیار ص ۵۱)

پیر پکڑنے کا اصل مقصد

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

"طریق نجات وراہ رستگاری همیں متابعت صاحب شریعت است علیه وعلی اله الصلوٰة والسلام در اعتقاد وعمل استاد وپیر برائے آن غرض می گیرند که دلالت بشریعت نمایند وببرکت ایشاں یسر وسهولت در اعتقاد وعمل بشریعت پیدا شود"

یعنی نجات اور چھٹکارے کا راستہ صاحب شریعت علیہ وعلی الہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی ہے۔ اعتقاد اور عمل میں۔ استاد اور پیر پکڑنے کی غرض بھی یہی ہوتی ہے کہ ان سے شریعت کی راہ ملے اور ان کی برکت سے اعتقاد اور عمل میں سہولت اور آسانی پیدا ہو جائے۔ (مکتوبات امام ربانی حصہ ۲ ص ۳۶۹)

" وهذا آخر ما اردنا ایراده فی هذه المقالة النافعة تقبلها الله تعالیٰ بمنه العظیم ورسوله الکریم ﷺ "

(۲ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوتھا مقالہ

تعین عرفی کا ثبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد !

دور حاضر کے وہابیہ دیوبندیہ امور خیر کے لئے دن مقرر کرنے کو بدعت و ناجائز قرار دیتے ہیں ۔ ہم نے اس مقالہ میں اس کا جواز ثابت کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو شرف مقبولیت بخشے اور باعث اجر و ثواب بنائے ۔ (آمین)

امور مباحہ کے لئے دن مقرر کرنا از روئے شرع شریف جائز ہے اور اس کا جواز کتب علمائے کرام میں بالتصریح موجود

(۱) حضرت مولانا ظفر الدین بہاری خلیفہء اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہما اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں ۔ تعیین و تخصیص دو طرح کی ہوتی ہے : (۱) شرعی (۲) عادی

شرعی وہ کہ خود شریعت مطہرہ نے کسی کام کے لئے کسی وقت کو خاص کر دیا ہو کہ اس وقت کے سوا کسی دوسرے وقت میں وہ کام نہ ہو سکے جیسے ایام نحر کہ قربانی کے لئے اس سے تقدیم یا تاخیر درست نہیں ہے یا اس قدر ثواب اس وقت میں ہے ۔ دوسرے وقت میں نہیں جیسے ثلث لیل عشاء کے لئے ۔ دوم یہ کہ از جانب شرع اطلاق ہے ۔ جب چاہیں کریں کسی وقت گناہ نہیں ہر وقت جائز ہے ۔ جیسے ایصالِ ثواب کے لئے وقت مطلق کہ روز ولادت اور روز وفات یا جس دن کرے ہر روز درست ہے ۔ مگر جب خارج میں اس کام کا وجود ہوگا تو کسی زمانے میں کسی ہیئت خاص ہی سے ہوگا ۔

کیونکہ مطلق من حیث ہو بلا تعیین و تخصیص خارج میں موجود نہیں ہو سکتا جس طرح وجود مطلق بضمن افراد ہوتا ہے ۔ اسی طرح بغیر کسی زمانہ کسی ہیئت کے زمانیات کا وجود ممکن نہیں ۔ (مواہب ارواح القدس ص ۲۰)

اور یہی بزرگ لکھتے ہیں :

تخصیص و تعیین یوم رحلت اور ہر سال کے بعد اسی دن کو کہ یوم انتقال ہے خاص کرنے کا

جواز متعدد اسناد سے ثابت ہے۔ حضور اقدس ﷺ اور خلفائے راشدین ہر سال کے سرے پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے تھے:

"کما اخرجه محمد بن جرير الطبرى عن محمد بن ابراهيم قال كان النبى ﷺ يأتى قبور الشهدآء على رأس كل حول فيقول سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار وابوبكر وعمر وعثمان اهـ وكذا اخرجه ابن المنذر وابن مردويه عن انس رضى الله عنه ان رسول الله ﷺ كان يأتى احدا كل عام فاذا تفوه الشعب سلم على قبور الشهداء فقال سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار قاله الامام الجليل الجلال السيوطى الشافعى فى الدر المنثور وزاد الامام فخر الرازى الشافعى خاتم الخلفاء امير المؤمنين على ابن ابى طالب كرم الله وجهه الكريم فقال والخلفاء الاربعة هكذا يفعلون"

یعنی ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ ہر سال احد تشریف لے جاتے اور جب گھاٹیاں سامنے آتیں تو قبور شہدآء کو سلام کرتے اور فرماتے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

"والحديث نقله الحافظ ابن حجر المكى فى حسن التوسل عن ابن الحاج بهذا اللفظ قال كان النبى ﷺ يزور الشهداء باحد فى كل حول واذا بلغ الشعب رفع صوته فيقول سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار ثم ابوبكر رضى الله عنه رواه ابن ابى شيبة فى مسنده عن عباد بن ابى صالح رضى الله تعالىٰ عنه" (مواهب ارواح القدس ص ٦)

(۲) حضرت مولانا صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی خلیفہء اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں۔

تعیین یعنی بر بنائے مصالح کسی کام کے لئے کوئی وقت یا دن مقرر کرنا یقیناً جائز

ہے۔ اس کی ممانعت پر اصلاً کوئی نص وارد نہیں ہوئی اور یہ تعین ناگزیر ہے۔ وہابیہ کے مدارس میں تعطیل کے لئے جمعہ، رمضان، عیدین اور امتحان کے لئے شعبان اور ہر کتاب کے لئے وقت معین ہوتا ہے۔ جس کی پابندی التزام کے ساتھ کی جاتی ہے۔ تعین حرام جانتے یا ناجائز سمجھتے تو ایسا کیوں کرتے اور اگر وہابی ترک تعین کا عہد کر لیں تو انہیں دنیا میں زندگی دشوار ہو جائے۔ کھانے کا وقت معین، سونے کا وقت معین، کام کا وقت معین، تاجر ہیں تو بازار میں جانے اور بیٹھنے کا وقت معین، تعیین کی بندشوں میں سر سے پاؤں تک جکڑے ہوئے ہیں اور ان بندشوں کو اپنے آپ مضبوط کرتے ہیں اور تعین کو ناجائز بھی سمجھتے ہیں۔ اس سمجھ پر ہزار افسوس، شریعت میں ایسے تعین کا پتہ چلتا ہے۔ خود افعال کریمہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے افعال میں اہل نظر کو تعین کی مثالیں ملتی ہیں۔ بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ ''کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعرات کے دن وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اب وعظ کے لئے جمعرات کی تعیین سے امر خیر کے لئے حسب مصلحت وقت مقرر کرنا بخاری شریف کی اس حدیث سے ثابت ہوا۔ یہ کہنا کہ مسلمان اس تعیین کو واجب اور ضروری سمجھتے ہیں۔ اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بس تیسرے اور چالیسویں دن ہی ثواب ہوگا اور ان کے علاوہ اور کسی دن ثواب نہیں ہوگا یا کم ہوگا یہ مسلمانوں پر افتراء ہے۔ کوئی شخص یہ خیال نہیں رکھتا۔ اندھوں کو یہ نہیں سوجھتا کہ فاتحہ کرنے والے تیسرے اور چالیسویں ہی دن پر بس نہیں کرتے وہ موت کے دن سے چالیسویں دن تک فاتحہ کرتے رہتے ہیں۔ اور جو صاحب استطاعت ہیں ان کے ہاں سال بھر تک روزانہ فاتحہ جاری رہتی ہے۔ اور اس کے لئے جائیدادیں اور جاگیریں خاص کر دی جاتی ہیں۔ تو ان کی نسبت یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ تیسرے اور چالیسویں دن کے سوا ایصال ثواب کو جائز ہی نہیں جانتے یا یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے ایام میں ثواب کم ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ صدر الافاضل ص ۹۴)

(۳) امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز

نے تعیین کے بارہ میں فارسی زبان میں ایک مکمل رسالہ الحجۃ الفائحۃ بطیب التعیین والفاتحۃ کے نام سے لکھا اس رسالہ کی چیدہ چیدہ عبارتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں:

کسی کام کو کسی معین وقت سے متعلق کرنا دو طرح پر ہے۔ شرعی اور عادی ....
شرعی یہ کہ شرع مطہر نے کسی کام کے لئے کوئی وقت معین کر دیا ہو اس طرح سے کہ اگر اسے دوسرے وقت میں کیا جائے تو وہ عمل شرعی نہ قرار پائے مثلاً قربانی کے لئے ایام نحر یا اس کی تقدیم و تاخیر ناجائز ہو مثلاً احرام حج کے لئے حرمت والے مہینے یا اتنا ثواب دوسرے وقت میں کرنے سے نہ ملے مثلاً رات کی پہلی تہائی نماز عشاء کے لئے۔

اور تعیین عادی یہ ہے کہ شرع کی جانب سے اطلاق ہو۔ لوگ اسے جس وقت چاہیں کریں لیکن کسی کام کے وقوع کے لئے زمانہ ناگزیر ہے۔ اور اس کا وقوع غیر معین زمانے میں ہو یہ عقلاً محال ہے کہ وجود کے لئے تعین سے چارہ نہیں۔ یہ تعینات اطلاق علی وجہ البدلیۃ وقوع کی صلاحیت رکھتے ہیں پھر ان میں سے کسی ایک کو کسی مصلحت کی بناء پر اختیار کرتے ہیں۔ بے اس کے کہ اس معین وقت کو اس فعل کے لئے بنائے صحت یا مدار علت یا مناط درستی جانیں۔

ظاہر ہے کہ وہ فرد مقید اپنے مطلق کے افراد سے نہیں نکلتا اور حکم مطلق اس کے جملہ افراد میں جاری وساری ہوتا ہے جب تک کہ کوئی خاص عارضہ نہ پایا جائے۔ سو ایسی جگہ ... طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ اس خاص صورت کا حکم نصوص مجوز سے تلاش کریں بلکہ اس کی ممانعت اور حکم مطلق سے اس کے خروج کی تصریح ڈھونڈیں گے۔

پھر وہابیہ کے اکابرین کی عبارات سے اس مطلب کو ثابت فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔
ہاں ہاں۔ اے طالب حق ان وہابیوں کو ان کی گمراہی اور بے دینی میں رہنے دے اور احادیث نبویہ اور آثار مصطفویہ کی طرف متوجہ ہو۔ تاکہ ہم تمہیں تعیین کے متعلق چند باتیں بتائیں۔ سو حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضور پرنور سید عالم ﷺ نے سال کے آخری

دن کو شہدائے احد کی زیارت کے لئے مقرر کر رکھا تھا جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا۔ اور آپ نے اتوار کا دن مسجد قبا کی زیارت کے لئے مقرر کر رکھا تھا جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ اور آپ نے روزۂ شکر رسالت کے لئے سوموار کا دن معین فرما دیا تھا جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دینی امور میں مشاورت کرنے کے لئے صبح و شام کا وقت معین کر رکھا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ اور آپ نے سفر کے آغاز کے لئے جمعرات کا دن مقرر فرما دیا تھا جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور آپ نے طلب علم کے لئے سوموار کا دن مقرر کر رکھا تھا جیسا کہ ابن حبان نے ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وعظ و تذکیر کے لئے جمعرات کا دن مقرر کر رکھا تھا جیسا کہ بخاری شریف میں ابو وائل سے مروی ہے۔ اور علماء سلف نے اسباق کے افتتاح کے لئے بدھ کا دن مقرر فرما رکھا تھا۔ جیسا کہ امام برہان الدین زرنوجی نے اپنی کتاب تعلیم المتعلم میں اپنے استاد صاحب ہدایہ سے نقل فرمایا اور صاحب ہدایہ نے فرمایا اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے۔ اور صاحب تنزیہۃ الشریعۃ نے لکھا ہے کہ علمائے سلف کی ایک جماعت کا یہی معمول تھا۔ یہ تمام تعینات تعیین عرفی کے قبیل سے تھے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد یہ نہ تھی کہ سوائے سال کے آخری دن زیارت کے اور کسی دن کی زیارت زیارت ہی نہیں یا جائز نہیں یا جو اجر عظیم آپ کو اس دن کی زیارت سے ملتا تھا وہ کسی دوسرے دن کی زیارت سے نہیں مل سکتا تھا۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ نہ تھا کہ جمعرات کے علاوہ کسی دوسرے دن کا وعظ وعظ ہی نہیں یا وعظ کرنا جائز نہیں یا اتنا اس میں ثواب نہیں۔ جتنا اس میں ہے۔ حاشا للہ۔ بلکہ ان کی یہ تعیین عرفی و عادی ہوا کرتی تھی جسے انہوں نے اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا۔ اور اس تعیین کا فائدہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہر ہفتہ وعظ و نصیحت ہو جاتی تھی اور طالبان علم

بآسانی میسر ہو جاتے تھے اور باقی صورتوں کو بھی اسی پر قیاس کر لیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ان میں سے بعض صورتوں میں اس تعین کے لئے جداگانہ مرجح موجود ہے مثلاً سوموار کے دن بعثت کا وقوع اور علم نبوت کا حصول اور جمعرات کی صبح بہت بڑی برکت کا نزول اور بدھ کے دن اختتام کی قوی امید۔ کیونکہ ایک حدیث روایت کی جاتی ہے کہ جو کام بدھ کے دن شروع کیا جائے وہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اور باقی صورتوں میں ترجیح ارادی ہے کہ اس میں وعظ کی مصلحت سے کم مصلحت نہیں۔ اسی قبیل ہی سے لوگوں کی تخصیصات تیجہ، چہلم، شش ماہی اور برسی میں ہیں کہ ان میں بعض کسی مصلحت کی حامل ہیں اور دوسری صورتوں میں یاد دہانی کی آسانی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ (الحجۃ الفائحۃ ص ۹، ۱۲، ۱۳)

اور اعلیٰ حضرت اسی کتاب کے صفحہ ۱۶ میں فرماتے ہیں۔

شاہ رفیع الدین شاہ صاحب نے اپنے فتویٰ میں فرمایا ہے کہ فاتحہ اور اس کا طعام بلاشبہ مستحسنات سے ہیں۔ تخصیص کرنے والوں کی تخصیص جوان کا اختیاری فعل ہے اس کی ممانعت کا سبب نہیں بن سکتی۔ یہ تخصیصات عرف و عادت کی قسم سے ہیں جو ابتداء میں کسی مصلحت خاصہ اور مناسبت خفیہ کی بناء پر ظاہر ہوئیں اور پھر آہستہ آہستہ مشہور عام ہو گئیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ تخصیصات تیجہ وغیرہ میں کوئی مصلحت نہ بھی ہو تو بھی اس سے وجود فساد دینی لازم نہیں آتا تاکہ عدم وجود مصلحت ان امور سے ممانعت کا باعث ہو۔ ورنہ مباح کہاں جائے گا۔ امام احمد مسند میں ایک صحابیہ خاتون سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ روز ہفتہ کا روزہ نہ زیادتی ثواب ہے تیرے لئے اور نہ اس میں تیرے لئے کوئی ملامت یا عتاب ہے۔ اس سے روشن ہوا کہ اگر کسی امر میں بے وجود خاص تخصیص پائی جائے تو اگر وہ نفع بخش نہ ہو تو ضرر رساں بھی تو نہیں ہوتی۔ ہاں ہر وہ عامی آدمی جو اس تعین عرفی کو تعین شرعی جانے اور یہ خیال کرے کہ ایصال ثواب صرف انہی دنوں میں ہوتا ہے۔ یا یہ خیال کرے کہ ثواب ان دنوں میں دوسرے دنوں کی بہ نسبت

زیادہ ہوتا ہے۔ تو بلا شبہ وہ غلطی کھانے والا اور باطل نظریہ اختیار کرنے والا ہے لیکن اس کا یہ باطل خیال اس کے اصل ایمان میں خلل انداز نہیں ہوگا اور نہ وہ عذاب قطعی یا وعید حتمی کا سزاوار ہوگا جیسا کہ امام الوہابیہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویت الایمان میں اسے اپنا عقیدہ بتایا ہے۔ یہ جہالت فاحشہ اس عامی کی جہالت سے بدر جہا بدتر ہے کیونکہ اس عامی کا یہ گمان صرف جہالت اور بے بنیاد عقیدہ ہے۔ اور امام الوہابیہ کا یہ عقیدہ بڑی گمراہی اور اعتزال شدید ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحمید۔

'' اھ مترجما ما قال امام اهل السنة فی الحجة الفاتحة باللغة الفارسية واللہ تعالیٰ اعلم''

(۴) مولانا محمد حسن مجددی لکھتے ہیں اور اگر مخالفین تعیین وقت کی وجہ سے عرس کو حرام کہیں تو یہ غلطی ہوگی کیونکہ مباح امور میں تعیین وقت مضر نہیں ہوتی۔ ارے تو یہ نہیں دیکھتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو یوم عاشورآء اور شوال کے چھ دنوں کے روزوں کا حکم دیا ہے۔ نماز تہجد، نماز اشراق اور نماز چاشت پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اور ان سب کے اوقات متعین ہیں۔ اور آپ نے حکم دیا کہ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ دیا جائے وغیرہ وغیرہ، ان سب کاموں میں آپ نے وقت مقرر کردیئے ہیں اور عرس میں تعیین وقت سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ گرد ونواح سے لوگ بآسانی جمع ہوسکیں۔ (العقیدۃ الصحیحۃ فی تردید الوہابیہ)

(۵) اور اکابرین دیوبند کے پیر ومرشد حاجی امداد اللہ صاحب اپنا فیصلہ ان لفظوں میں صادر فرماتے ہیں۔ پس ان تخصیصات کو اگر کوئی شخص عبادت مقصودہ نہیں سمجھتا بلکہ فی نفسہ مباح جانتا ہے۔ مگر ان کے اسباب کو عبادت جانتا ہے اور ہیئت مسبب کو مصلحت سمجھتا ہے۔ تو بدعت نہیں مثلاً قیام کو لذاتہا عبادت نہیں اعتقاد کرتا مگر تعظیم ذکر رسول ﷺ کو عبادت جانتا ہے۔ اور کسی مصلحت سے اس کی یہ ہیئت معین کرلی اور مثلاً تعظیم ذکر کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر سہولت دوام کی مصلحت کی وجہ سے یا کسی مصلحت سے خاص ذکر

ولادت کا وقت مقرر کر لیا مثلاً ذکر ولادت کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر بمصلحت سہولت دوام یا کسی مصلحت سے بارہ ربیع الاول مقرر کر لی ہے۔ اور کلام تفصیل مصالح میں از بس طویل ہے۔ ہر محل میں جدا مصلحت ہے۔ رسائل موالید میں بعض مصالح مذکور بھی ہیں۔ مگر تفصیلاً کوئی مطلع نہ ہو تو مصلحت اندیشان پیشین کا اقتداء ہے۔ اس کے نزدیک یہ مصلحت کافی ہے۔ ایسی حالت میں تخصیص مذموم نہیں۔ تخصیصات اشغال و مراقبات، رسوم مدارس و خانقاہ جات اسی قبیل سے ہیں۔ اور اگر ان تخصیصات کو قربت مقصودہ جانتا ہے۔ مثل نماز روزہ کے تو بے شک اس وقت یہ امور بدعت ہیں۔ مثلاً یوں اعتقاد کرتا ہے کہ اگر تاریخ مقرر پر مولود نہ پڑھا گیا یا قیام نہ ہوا یا بخور و شرینی کا انتظام نہ ہوا تو ثواب ہی نہ ملا تو بے شک یہ اعتقاد مذموم ہے۔ کیونکہ حدود شرعیہ سے تجاوز ہے۔ جیسے عمل کو حرام اور ضلالت سمجھنا بھی مذموم ہے۔ غرض دونوں صورتوں میں تعدیٔ حدود ہے۔ اور اگر ان امور کو ضروری بمعنی واجب شرعی نہیں سمجھتا بلکہ ضروری بمعنی موقوف علیہ بعض البرکات جانتا ہے۔ جیسے بعض اعمال میں تخصیص ہوا کرتی ہے کہ ان کی رعایت نہ کرنے سے وہ اثر مرتب نہیں ہوتا مثلاً بعض اعمال کھڑے ہو کر پڑھے جاتے ہیں۔ اگر بیٹھ کر پڑھیں تو وہ اثر خاص نہ ہوگا۔ اس اعتبار سے اس قیام کو ضروری سمجھتا ہے۔ اور دلیل اس توقف کی موجدان اعمال کا تجربہ یا کشف و الہام ہے۔ اور اعتقاد ایک امر باطن ہے۔ اس کا حال بدوں دریافت کئے ہوئے یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا۔ محض قرائن تخمینہ سے کسی پر بدگمانی اچھی نہیں۔ مثلاً بعض تارکین قیام پر ملامت کرتے ہیں تو ہر چند یہ ملامت بے جا ہے۔ کیونکہ قیام شرعاً واجب نہیں پھر ملامت کیوں۔ بلکہ اس ملامت سے شبہ اصرار کا پیدا ہوتا ہے۔ جس کی نسبت فقہاء نے فرمایا ہے کہ اصرار سے مستحب معصیت ہو جاتا ہے۔ مگر ہر ملامت سے یہ قیاس کر کے یہ شخص معتقد وجوب قیام کا ہے۔ درست نہیں ہے۔ کیونکہ ملامت کی بہت سی وجہیں ہوتی ہیں کبھی اعتقاد وجوب ہوتا ہے کبھی محض مخالفت رسم و عادت۔ بہر حال صرف ملامت کو اعتقاد وجوب ٹھہرانا مشکل ہے۔ فرضاً کسی عامی کا یہی عقیدہ ہے کہ قیام فرض و واجب ہے تو

اس سے صرف اس کے حق میں قیام بدعت ہو جائے گا اور جن لوگوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے ان کے حق میں مباح و مستحسن رہے گا۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۳)

الحمد للہ! مندرجہ بالا مقتدر علمائے اہل سنت اور دیوبندی اکابر کے پیر و مرشد کی ان عبارات عالیہ سے تیجہ، چہلم اور عرس وغیرہا معمولات اہل سنت میں تاریخ مقرر کرنے کا جواز اظہر من الشمس ہوا، اب علمائے دیوبند کی چند عبارات پیش کی جاتی ہیں جن میں انہوں نے تجاہل عارفانہ سے کام لے کر تعیین عرفی کو ان امور کے بدعت ضلالت ہونے کی علت قرار دیا ہے۔ چنانچہ مدرسہ دیوبند کے پہلے مفتی مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ میں لکھا ہوا ہے۔

سوال

کونڈا کرنا حضرت کا اور صحنک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اور کھچڑا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا اور توشہ شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا اور دلیا خواجہ خضر کا کرنا اور ان میں کھانوں کی خصوصیت کرنی کیسی ہے؟

جواب

ایصال ثواب بلا قید طعام و ایام کے مندوب ہے اور قید و تخصیص یوم کی اور تخصیص طعام کی بدعت ہے۔ اگر تخصیص کے ساتھ ایصال ثواب ہو تو طعام حرام نہیں ہوتا گو اس تخصیص کی وجہ سے معصیت ہوتی ہے...... واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد عفی عنہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۰)

اور دیوبندی امت کے حکیم مطلق مولوی اشرف علی تھانوی نے کتاب اصلاح الرسوم میں یہ لکھا ہے کہ بعض جگہ یہ قصہ بھی نہیں ہوتا ہے۔ صرف معین تاریخ پر اجتماع اور قرآن خوانی اور تقسیم طعام یا شیرینی ہوتا ہے اور بس ایسے عرس کو اس زمانہ میں مشروع عرس سمجھتے ہیں۔ مگر اس میں وہی خرابی و اصرار و تعین و التزام مالا یلزم وغیرہا یقیناً موجود

ہیں جن کی وجہ سے عوام کے عقائد بھی فاسد ہوتے ہیں۔ (اصلاح الرسوم ص ۱۷۹)

اور دیوبندیوں کے قطب الارشاد مولوی رشید احمد گنگوہی کی مصدقہ کتاب براہین قاطعہ میں دیوبندی مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے لکھا ہے کہ ''اقول۔ کلیات نصوص اور جزئیات وکلیات فقہ سے ثابت ہولیا کہ یہ تعین اوقات کا بدعت ہے۔ اور تغیر کرنا حکم شرع کا ہے''۔ (براہین قاطعہ ص ۱۲۷)

اور اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۲ پر ہے: ''اگر محض ایصال ہو اور وقت کی قید ہو تو کراہت اور بدعت تعین وقت کی ہووے گی''۔

اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۶ پر ہے۔ ''پس جب صلوٰۃ میں بھی حسب اس قاعدہ کے تعین سورہ مکروہ ہوا۔ ایصالِ ثواب میں بھی حسب اس قاعدہ کلیہ کے تعین وقت اور ہیئت کے بدعت ہوگا''۔

دیوبندی مولویوں کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان کے عقیدہ میں اگر کسی مباح مطلق کام کے لئے دن یا وقت مقرر کردیا جائے کہ اس سے پس وپیش نہ ہو تو اس سے وہ کام حرام اور بدعت ضلالۃ ہوجاتا ہے۔ (ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم)

ان عقل کے اندھوں نے اتنا نہیں سوچا کہ شرع مطہر نے تعیین شرعی کے دائرہ میں بھی تعیین عرفی کو باقی رکھا ہے۔ مثلاً شرع شریف نے نماز فجر کے لئے طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کا وقت معین فرمادیا پھر نمازی کو یہ اختیار بخشا کہ اس وقت کے جس حصہ میں چاہے وہ ادائیگی نماز کرلے یعنی اگر وہ اپنی سہولت کے لئے اس وقت کے کسی حصہ کو ادائے صلوٰۃ کے لئے معین کردے تو وہ ایسا کرنے کا شرعاً مجاز ہے۔ اسی وجہ سے گھڑی کے مقرر اوقات پر جماعت ہوتی ہے۔ اور کسی کو اس پر اعتراض نہیں۔ اسی طرح شارع نے رمضان کی پوری رات کو کھانے پینے کے لئے مقرر فرمادیا ہے۔ پھر مکلفین کو یہ اختیار دیا کہ وہ اس کے جس حصہ کو ان کاموں کے لئے چاہیں مقرر کرلیں یہی وجہ ہے کہ رمضان المبارک میں مقرر اوقات میں سائرن بجائے جاتے ہیں اور خاص اوقات میں آذانین

دی جاتی ہیں۔

اسی طرح زکوٰۃ کو دیکھئے کہ نصاب پر سال گزر جانے کے بعد شرع شریف مکلّف کی پوری زندگی کو اس کی ادائیگی کا وقت بتاتی ہے۔ اور اس میں ادا کی گھڑی کے تعین کا معاملہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کی مرضی پر چھوڑتی ہے۔ پھر نصاب کے جس بھی حصہ کو مکلّف فقراء کے حوالے کرنے کے لئے متعین کر دے اسے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرع درست مان لیتی ہے۔ یونہی حج کا مسئلہ ہے کہ شرع شریف ماہ ذوالحجہ کے پانچ دنوں کو ادائیگی حج کے لئے متعین کرتی ہے اور ان میں افعال حج کی ادائیگی کے لئے وقت کا تعین حج کرنے والے کی اپنی صوابدید پر چھوڑتی ہے وعلی ھذا القیاس قربانی کرنے کا وقت شرع نے ایام نحر کو مقرر کیا ہے۔ اور ان میں قربانی کرنے کے وقت کا تعین بندوں کی رائے پر موقوف کر دیا ہے۔

الحاصل! جہاں تعین شرعی موجود وہاں تعین عرفی کی گنجائش جاری و ساری۔ پھر دیو بندی مولوی کس منہ سے کہہ رہے ہیں کہ تعین عرفی ناجائز اور بدعت ہے۔ اگر ان کا یہ قول سچا مان لیا جائے تو پھر دنیا کے ہر کام کو ناجائز اور بدعت ماننا لازم آئے گا۔ خداوند قدوس ان عقل و دیانت کے دشمنوں کے شر سے مسلمانوں کو بچائے۔ (آمین)

''وھذا آخر ماأردنا ایراده فی ھذه المقالة المبارکة

تقبلھا اللہ تعالیٰ بمنه العظیم ورسوله الکریم ﷺ''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پانچواں مقالہ

ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد ۔

دور حاضر کے بد مذہب گمراہ لوگ جہاں اور بہت سے سنی معمولات پر بدعت کا فتوی عائد کرتے ہیں وہاں وہ بارہ ربیع الاول کے دن محفل ذکر میلاد النبی ﷺ پر بھی بدعت کا فتوی عائد کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کار خیر سے روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں ۔ چنانچہ دیوبندی مولوی رشید احمد گنگوہی کے یہ فتاوئ ملعونہ ملاحظہ ہوں ۔

(۱) عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں امر غیر مشروع نہ ہو ۔ مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی موجود ہے لہذا اس زمانہ میں درست نہیں ۔ بہت سی اشیاء ہیں ۔ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہوگئیں ۔ مجلس عرس و مولود ایسا ہی ہے ۔ فقط رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۱۰۵)

(۲) یہ محفل (میلاد) چونکہ زمانہ فخر عالم ﷺ میں اور زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہ اور زمانہ تابعین اور تبع تابعین اور زمانہ مجتہدین علیہم الرحمۃ میں نہیں ہوئی ۔ اس کا ایجاد بعد چھ سو سال کے ایک بادشاہ نے کیا ۔ اس کو اکثر اہل تاریخ فاسق لکھتے ہیں ۔ لہذا یہ مجلس بدعت ضلالہ ہے ۔ اس کے عدم جواز میں صاحب مدخل وغیرہ علماء پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور اب بھی بہت رسائل طبع ہو چکے ہیں ۔ زیادہ دلیل کی حاجت نہیں ۔ عدم جواز کے واسطے یہ دلیل بس ہے ۔ کہ کسی نے قرون خیر میں اس کو نہیں کیا ۔ زیادہ مفاسد اس کے دیکھنے ہوں تو مطولات فتاوی کو دیکھ لیں ۔ فقط ۔ واللہ اعلم ۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاوی رشیدیہ ص ۱۳۲) ان حالات کے پیش نظر الحمد للہ ہم نے اس مختصر رسالہ میں کتب علمائے معتبرین سے محفل میلاد کا مستحب و مستحسن ہونا بیان کیا ہے ۔ اللہ تعالی ہماری اس سعی کو شرف قبولیت بخشے اور باعث ہدایت بنائے ۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ ۔

اللہ تعالیٰ نے جلسۂ میلاد رسول کیا ہے

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمة ثم جآء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ ء قال ء اقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالو اقررنا قال فاشہدو وانا معکم من الشاھدین۔ (پ۳ رکوع ۱۷)

(ترجمہ) اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا۔ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ اٹھایا؟ سب نبیوں نے کہا۔ ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا تو تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ (پ۳ رکوع ۱۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ روز میثاق اللہ تعالی نے سب نبیوں کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے سامنے آخر الزمان پیغمبر ﷺ کی تشریف آوری (ولادت باسعادت) کا ذکر فرمایا یہ محفل میلاد کا بین ثبوت ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

حضور نے مجمع صحابہ میں اپنی ولادت باسعادت کا ذکر فرمایا ہے

محفل میلاد کے جواز بلکہ استحسان کی ایک پختہ دلیل یہ بھی ہے کہ خود نبی ﷺ نے مجمع میں اپنی ولادت باسعادت کا خود ذکر فرمایا۔ ہم یہاں اس بارہ میں چند حدیثیں ہدیہء ناظرین کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوموار کے دن کے روزہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ فیہ ولدت وفیہ انزل علی۔ اس دن میں میری ولادت ہوئی اور اس دن میں مجھ پر وحی اتاری گئی۔ (مشکوۃ شریف جلد اول ص ۱۶۱)

(۲) اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اعمال سوموار کے دن اور جمعرات کے دن پیش کئے جاتے ہیں۔ سو میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں پیش کیے جائیں کہ میں روزہ میں ہوں (مشکوۃ شریف جلد اول ص ۱۶۱)

ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنا یوم ولادت بیان فرمایا اور اس دن میں اس کی فضیلت کی وجہ سے ہمیشہ روزہ رکھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی پہلی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ احتمال دارد کہ سوال از سبب روزہ داشتن آنحضرت ﷺ باشد روز دوشنبہ یا از سبب استحباب روزہ داشتن است دریں روز بر ہر تقدیر سبب آن شکرانہ نعمت وجود آنحضرت ﷺ و وجود دین وشریعت اوست۔ یعنی یہاں سوال میں ایک احتمال یہ ہے کہ آپ سے سوموار کے دن روزہ رکھنے کا سبب پوچھا گیا۔ اور دوسرا احتمال یہ کہ سوموار کے دن میں روزہ کے استحباب کا سبب دریافت کیا گیا۔ بہر حال سوموار کے دن کے روزے کا سبب اس دن میں آپ کی ولادت اور اس دن میں آپ کو دین وشریعت ملنے کا شکرانہ ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد دوم ص ۱۰۱)

تنبیہ

اس سے معلوم ہوا کہ دیوبندی مولوی اشرف علی تھانوی کا یہ کہنا کہ یوم جمعہ کے فضائل تو احادیث میں صراحۃً وارد ہیں اور یوم ولادت سوموار کے دن کی کوئی فضیلت صراحۃً وارد نہیں (المواعظ السرور والحبور بحوالہ سیف غوی ص ۴۳) گمراہی اور اندھاپن کی روشن دلیل ہے۔ کیونکہ جس دن کی فضیلت میں آنحضرت ﷺ نے بالتصریح فرمایا ہو کہ اس دن میں میری ولادت ہوئی اور اس دن میں مجھ پر وحی نازل کی گئی اس دن کی فضیلت کی تصریح سے انکار وہابی ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ ورنہ ہر سنی مسلمان جانتا ہے کہ حضور کی ولادت باسعادت اور پہلی وحی کا نزول دو عظیم ترین فضیلتیں ہیں جو سوموار کے دن کو

حاصل ہوئی ہیں۔ واللہ لا یھدی القوم الخائنین۔

(۳) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور علیہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر پوچھا۔ میں کون ہوں؟ لوگوں نے کہا۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ بے شبہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اس نے مجھے بہتر مخلوق میں کیا۔ پھر اس نے انسانوں کی جماعتیں بنائیں تو مجھے بہتر جماعت میں کیا۔ پھر اس نے انہیں قبائل میں تقسیم کیا تو مجھے بہتر قبیلہ میں کیا۔ پھر اس نے انہیں گھروں میں بانٹا تو مجھے بہتر گھر میں کیا۔ سو میں ذات کے اعتبار سے بہترین شخص ہوں اور گھر کے اعتبار سے بہترین شخص ہوں۔ (مشکوۃ شریف جلد دوم ص ۲۰۸)

(تنبیہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ ﷺ نے مجمع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں منبر پر کھڑے ہو کر اپنا نام، ولدیت، نسب اور خاندانی حالات ذکر فرمائے یہی کچھ تو محفل میلاد میں بھی ہوتا ہے۔ پھر محفل میلاد کو بدعت مذمومہ کہنا کتنی بڑی گمراہی ہے۔ ولکن اللہ لا یھدی القوم الظالمین۔

(۴) اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے عرض کیا قالو۔ یارسول اللہ متیٰ وجبت لک النبوۃ۔ یارسول اللہ ﷺ آپ کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی؟ فرمایا۔ وآدم بین الروح والجسد۔ میرے لیے نبوت ثابت ہوئی درآں حالیکہ حضرت آدم روح اور جسد کے مابین تھے۔ (مشکوۃ جلد دوم ص ۲۰۸)

تنبیہ

قالوا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ ﷺ سے مندرجہ بالا سوال مجمع صحابہ میں بہت سے لوگوں نے پوچھا تھا۔ اس سے بھی محفل میلاد کا ثبوت ملتا ہے کہ آخر اس محفل میں حضور ﷺ کی ولادت اور نبوت ہی کی باتیں سنی سنائی جاتی ہیں۔ سو وھابیہ دیوبندیہ کا محفل میلاد کو بدعت مذمومہ قرار دینا سخت گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ دین

سمجھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(۵) اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ساء خبرکم باول امری دعوة ابراهيم وبشارة عيسىٰ ورء ويا امي التى رأت حين وضعتنى وقد خرج لها نور اضاء منه قصور الشـــام ۔ میں عنقریب تمہیں اپنے ابتدائی امر (خلقت وولادت) کے بارہ میں خبردوں گا۔ میں ابراھیم کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں۔ علیہما السلام۔ اور اپنی ماں کی وہ رؤیت ہوں کہ انہوں نے مجھے جنتے وقت دیکھا کہ ان کے لئے ایک نور جلوہ افروز ہوا۔ اور اس نے ان کے لیے شام کے محلات روشن کر دیے۔ (مشکوٰۃ جلد دوم ص ۲۰۸)

(تنبیہ) ساخبرکم میں کم ضمیر جمع مذکر مخاطب کی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنی نورانی سیرت اور ولادت باسعادت کو مجمع صحابہ میں بیان فرمایا تھا۔ یہ محفل میلاد نہ تھی تو اور کون سی محفل تھی۔ ولہذا محفل میلاد میں ذکر مصطفیٰ کرنا سنت مصطفیٰ ہوا۔ وھابیہ دیوبندیہ کی اس پاکیزہ مسنون محفل پر بدعت مذمومہ کا فتویٰ جڑنا ان کی جہالت اور رسول دشمنی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ سنی مسلمان ان گمراہوں کی کوئی کتاب ہرگز ہرگز نہ پڑھیں۔ والله هو الموفق للصدق والسداد وهو اعلم بالصواب ۔

الغرض ان پانچ حدیثوں سے اہل ایمان پر یہ بات روشن ہوگئی ہے کہ محفل میلاد رسول ﷺ کے زمانہ سے جاری ہے۔ اسے بدعت مذمومہ قرار دینا وھابیہ دیوبندیہ کی جہالت اور بے دینی ہے۔ والله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم۔

صحابہ کرام نے ذکر میلاد کیا ہے

(۱) رسول اللہ ﷺ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مجھ سے جدا ہوئے۔ (دنیا میں تشریف لائے) تو ان کے ہمراہ ایک نور نکلا جس نے ان کے لئے مشرق ومغرب کے مابین کو روشن کر دیا۔ (ما ثبت

بالسنۃ ص ۹۰)

(۲) حضرت شفاء والدہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ جب آمنہ نے نبی ﷺ کو جنا تو وہ میرے ہاتھوں میں تشریف لائے اور میں نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ یرحمک اللہ۔ اللہ آپ پر رحم کرے۔ اور ایک نور نکلا۔ اس نور سے مشرق ومغرب روشن ہو گئے۔ یہاں تک کے میں نے اس نور میں شام کے بعض محلات دیکھے اور میرے دل میں خوف وہراس پیدا ہوا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۲)

(۳) اور والدہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت موجود تھی۔ میں نے ایک نور دیکھا جس سے سارا گھر روشن ہو گیا اور میں نے ستاروں کو زمین کے قریب پایا تو مجھے ان کے گرنے کا خوف ہوا اور سارا گھر روشن ہو گیا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۱۹)

(۴) اور رسول ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ فرماتی ہیں۔ میں نبی ﷺ کی ولادت کے وقت ان کی دائی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا نور چراغ کے نور پر غالب آ گیا اور میں نے اس وقت آپ کے چھے معجزات دیکھے۔ (۱) جب آپ زمین پر تشریف لائے تو سجدہ کی حالت میں تھے۔ (۲) جب آپ نے سر اٹھایا تو آپ نے فصیح زبان میں لا الہ اللہ انی رسول اللہ فرمایا۔ (۳) میں نے دیکھا کے آپ کا نور چراغ کے نور پر غالب آ گیا اور آپ کے نور سے سارا گھر روشن ہو گیا ہے۔ (۴) میں نے آپ کو نہلانا چاہا تو ہاتف نے کہا۔ اے صفیہ اپنے آپ کو نہ تھکا۔ ہم نے انہیں نہلا کر پاک ستھرا نکالا ہے۔ (۵) میں نے یہ جاننا چاہا کہ آپ بچہ ہیں یا بچی۔ تو میں نے دیکھا کہ آپ کا ختنہ ہو چکا ہے اور آپ کی ناف کاٹی جا چکی ہے۔ (۶) میں نے انہیں چادر میں لپیٹنا چاہا تو دیکھا کہ آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ جس میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ (شرح قصیدہ بردہ للخر پوطی ص ۱۱)

(۵) اور آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے یہ شعر کہے ہیں۔ یا رسول اللہ

ﷺ جب آپ پیدا ہوئے زمین چمک اٹھی اور آپ کے نور کے سبب آسمان روشن ہو گیا۔ سو ہم اسی نور اور اسی روشنی میں ہدایت کے راستے طے کر رہے ہیں۔ (شفا شریف جلد اول ص ۱۰۰)

(۶) اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوت میں اپنے یہ اشعار پڑھے۔ واجمل منک لم تر قط عینی. واکمل منک لم تلد النساء. خلقت مبراء من کل عیب۔ کانک قد خلقت کما تشاء. (ترجمہ) یارسول اللہ آپ سے زیادہ خوبصورت شخص میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اور آپ سے زیادہ کمال والا شخص عورتوں نے نہیں جنا۔ آپ ہر عیب سے مبرا پیدا کیے گئے ہیں۔ گویا کہ آپ کی خلقت آپ کی منشاء کے مطابق ہوئی ہے۔

محفل میلاد کا ثبوت

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے محفل انبیاء میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خود محفل صحابہ میں اپنی ولادت کے واقعات بیان فرمائے۔ اور آپ کے صحابہ نے بھی آپ کی موجودگی میں آپ کی ولادت باسعادت پر مشتمل اشعار مجمع میں پڑھ کر سنائے۔ یہ محفل میلاد کے جائز و مستحسن بلکہ سنت الہیہ، سنت نبویہ اور سنت صحابہ ہونے کی دلیل ہے۔ ولہذا اسے بدعت مذمومہ قرار دینا اور مسلمانوں کو اس کار خیر سے روکنے کی کوشش کرنا دشمنان دین کی بے دینی کا واضح ثبوت ہے۔ واللہ لا یھدی القوم الخائنین۔

عید میلاد کا ثبوت

مذکورہ بالا آیت و احادیث سے مطلق محفل میلاد کا جواز ثابت ہوا۔ یعنی محفل میلاد جس بھی مہینے کی جس بھی تاریخ میں ہو جائز ہے۔ اب ہم خاص ۱۲ ربیع الاول کے دن محفل میلاد منعقد کرنے اور اس دن عید منانے کے جواز کے متعلق محققین علمائے اہل سنت

کے ارشادات عالیہ پیش کرتے ہیں۔ جن کا کوئی مد مقابل آج تک وھابیہ دیو بندیہ میں پیدا نہیں ہوا ولہذا عید میلاد النبی کے بارہ میں انہی محققین کا بتایا ہوا حکم شرع ہی مانا جائے گا نہ کہ وھابیہ دیو بندیہ کے سرغنوں کا فتویٰ نا مقبول ومردود وفتویٰ بدعت مذمومہ۔ وباللہ التوفیق۔

امام سیوطی کے ارشادات

خاتمۃ المحدثین امام جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی ۹۱۱ھ) سے عید میلاد شریف کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ان لفظوں میں جواب دیا۔ جو میلاد کا عمل لوگوں کے اجتماع 'مقدور بھر قرآن خوانی، نبی علیہ السلام کی ابتدائی زندگی میں پیش آنے والے واقعات اور آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے معجزات کے بیان پر مشتمل ہوتا ہے۔ پھر محفل کے اختتام پر دستر خوان بچھائے جاتے ہیں اور حاضرین کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔۔ پھر اس پر کچھ اور (نامشروع بات) زیادہ کیے بغیر لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک اس کی اصل ان بدعات حسنہ سے ہے جن پر ثواب دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں نبی علیہ السلام کے مقام ومرتبہ کی تعظیم اور آپ کی ولادت پر فرح وسرور پایا جاتا ہے۔ پھر آگے عید میلاد کے جواز کی شرعی دلیل کے بیان میں فرماتے ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ العصر ابو الفضل احمد بن حجر سے میلاد منانے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ عید میلاد بدعت ہے اور قرون ثلاثہ اور سلف صالحین سے ثابت نہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ کئی خوبیوں اور کئی خرابیوں پر مشتمل ہے۔ پھر جو کوئی اس کی خوبیوں کا قصد کرے اور اس میں پائی جانے والی خرابیوں سے اجتناب کرے تو اس کا یہ فعل بدعت حسنہ ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ مجھے عید میلاد کی تخریج ایک ثابت اصل شرع پر معلوم ہوئی ہے اور یہ وہ حدیث ہے جسے شیخین نے اپنی صحیحین میں روایت فرمایا کہ بے شک نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود مدینہ کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ آپ نے ان سے اس روزہ کے

بارہ میں دریافت فرمایا۔تو یہود نے کہا۔ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی سو ہم اس دن کا روزہ شکرانہ کے طور پر رکھتے ہیں۔اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کسی معین دن میں کسی انعام کا شکرانہ ادا کرنا خواہ وہ کسی نعمت کے ملنے کی صورت میں ہو یا کوئی مصیبت ٹلنے کی صورت میں پھر ہر سال اس انعام کا شکرانہ اسی دن میں دہرانا جائز امر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا شکرانہ مختلف قسم کی عبادات بجالانے سے ادا ہوتا ہے۔مثلاً نماز روزہ، صدقہ خیرات تلاوت قرآن مجید ولہذا (ہر سال بارہ ربیع الاول کے دن) عید منانا جائز ہوگا۔ کیونکہ اس رحمت والے نبی کی ولادت سے بڑی کونسی نعمت ہے؟ اور صحیحین کی اس حدیث کا تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کا میلاد منانے کے لئے آپ کے یوم ولادت کا قصد کیا جائے تا کہ عید میلاد کی پوری پوری مطابقت عاشورہ کے دن کے روزہ سے پائی جائے۔اور جن لوگوں نے اس مطابقت کا لحاظ نہیں کیا ہے وہ اس مہینے کے کسی بھی دن میں میلاد منانے میں حرج نہیں جانتے بلکہ مسلمانوں نے اس میں زیادہ آسانی سمجھی ہے کہ پورے سال میں کسی دن میلاد منالیا جائے لیکن اس میں (وہی عدم مطابقت والا) اعتراض موجود ہے۔ پھر اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ عید میلاد منانے میں صرف انہی کاموں کو بجالایا جائے جو اللہ کے شکر کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔مثلاً تلاوت قرآن مجید، فقراء کو صدقہ خیرات دینا یا کھانا کھلانا۔حضور کی تعریف میں لکھے گئے نعتیہ اشعار اور وہ ابیات جو نیکی کے کاموں اور آخرت کے عمل پر تحریک دیں پڑھنا۔علاوہ ازیں میلاد میں جو کام کیے جاتے ہیں۔مثلاً مزامیر کے ساتھ قوالی کھیل کود وغیرھما تو ان کے بارہ میں یہ قول کرنا چاہیے کہ ان میں جو باتیں مباح ہیں اور وہ اس دن اظہار مسرت سے مناسبت رکھتی ہیں۔ ان کی موجودگی میں کوئی حرج نہیں اور جو باتیں حرام یا مکروہ ہیں ان سے روکا جائے اور یونہی خلاف اولیٰ کاموں سے بھی منع کیا جائے۔اھ کلام الشیخ ابن حجر۔ پھر امام سیوطی اپنی طرف سے عید میلاد کی دوسری شرعی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ عید میلاد منانے کے جواز میں مجھ پر بھی

ایک اصل ظاہر ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے ظہور نبوت کے بعد خود اپنا عقیقہ کیا تھا۔ حالانکہ روایت سے ثابت ہوا کہ آپ کی پیدائش کے ساتویں دن آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کا عقیقہ کیا۔ حضور ﷺ نے جو عقیقہ خود کیا یہ اس بات پر خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے تھا کہ اس نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور یہ اس لیے بھی تھا کہ آپ کی امت کو عید میلاد منانے کا طریقہ معلوم ہو جائے جیسا کہ آپ تعلیم امت کے لئے خود اپنے آپ پر درود شریف بھیجا کرتے تھے۔ سو ہمارے لیے یہ مستحب ہے کہ ہم حضور کی ولادت کے شکرانے کے طور پر ایک جگہ جمع ہوں اور فقراء کو کھانا کھلائیں اور اسی قسم کے نیکی کے کام بجالائیں اور خوشیاں ظاہر کریں۔ اور امام سیوطی لکھتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ امام القراء حافظ شمس الدین بن الجزری نے اپنی کتاب عرف التعریف فی المولد الشریف میں فرمایا۔ ابو لہب کے مرنے کے بعد اسے خواب میں دیکھا گیا۔ تو اس سے پوچھا گیا کہ تیرا کیا حال ہے اس نے کہا آگ میں ہوں۔ صرف بات یہ ہے کہ ہر سوموار کے روز مجھ سے عذاب کی تخفیف کی جاتی ہے اور میں اس مقدار میں پانی اپنی انگلی سے چوستا ہوں۔ پھر اس نے اپنی انگلی کے سرے کی طرف اشارہ کیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اپنی لونڈی ثویبہ کو اس وقت آزاد کیا تھا جب اس نے مجھے نبی ﷺ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تھی اور پھر اس نے نبی ﷺ کو اپنا دودھ پلایا۔

فاذ كان ابو لهب الكافر الذى نزل القرآن بذمه جوزى فى النار بفرحته ليل مولد النبى ﷺ فما حال المسلم الموحد من امة النبى ﷺ يسر بمولده ويبذل ما اتصل اليه قدرته فى محبته ﷺ لعمرى انما يكون جزآءه من الله الكريم ان يدخله بفضله جنات النعيم۔ (ترجمہ) سو جب ابولہب کافر جس کی مذمت میں قرآن (سورۃ اللھب) اترا ولادت نبوی کی خوشی منانے کا بدلہ دوزخ میں دیا گیا تو پھر اس توحید پرست انسان کا جو نبی

ﷺ کا امتی ہے اور آپ کی پیدائش کی خوشی مناتا ہے اور جو کچھ میسر ہوتا ہے وہ محبت نبوی میں خرچ کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا؟ میری بقاء کی قسم۔ اللہ کریم کی طرف سے اس کی جزاء یہ ہے کہ وہ اسے اپنے فضل سے نعمتوں والی جنتوں میں داخل فرمائے گا۔

پھر آگے لکھتے ہیں۔ کتاب الطالع السعید میں لکھا ہے کہ قوس کے رہنے والے جلیل القدر امام ابو الطیب محمد بن ابراھیم سبتی مالکی میلاد مصطفیٰ ﷺ کے روز ہماری درسگاہ کے سامنے سے گزرتے تو ہمارے استاد صاحب سے فرماتے۔ اے فقیہ یہ خوشی کا دن ہے بچوں کو چھٹی دے دیں۔ یہ سننے پر وہ ہمیں چھٹی دے دیا کرتے تھے۔ (الحاوی للفتاوی۔ جلد اول۔ ص ۱۸۹ تا ۱۹۷)

سید احمد عابدین کے ارشادات

سید احمد عابدین دمشقی متوفی ۱۳۲۰ھ اپنی کتاب نثر الدرر علی مولد ابن حجر کے مقدمہ میں عید میلاد کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ بدعات محمودہ میں سے ایک حضور ﷺ کی ولادت کے مہینے (ربیع الاول شریف) میں میلاد شریف منعقد کرنا ہے اور سب سے پہلے جس شخص نے مروجہ میلاد کی ابتداء کی وہ شاہ مظفر والئی اربل ہے۔ اور امام نووی کے استاد امام ابو شامہ نے شاہ مظفر والئی اربل کی اس وجہ سے بہت تعریف کی کہ وہ میلاد شریف کی رات میں نیکی کے کام کرتا تھا۔ سو اس جلیل القدر امام کا اس کے اس رات میں اچھے کام کرنے کی ثناء کرنا اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ میلاد منانا بدعت حسنہ ہے۔ خصوصاً جب کہ امام ابو شامہ نے یہ فوقیت رکھنے والی ثناء اپنی کتاب البواعث علی انکار البدع والحوادث میں ذکر کی ہے۔ چنانچہ امام ابو شامہ نے اپنی کتاب البواعث میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں جو اچھے کام جاری ہوئے ان میں سے ایک نبی ﷺ کی ولادت کے موافق دن یعنی بارہ ربیع الاول شریف کے دن ہر سال صدقات وخیرات کرنا اور خوشی ومسرت ظاہر کرنا ہے۔ کیونکہ اس میں فقراء پر احسان کرنے

کے علاوہ حضور ﷺ کی محبت اور عید میلاد منانے والے کے دل میں نبی ﷺ کی تعظیم اور آپکی تشریف آوری پر اللہ کا شکر بجالانے پر دلالت پائی جاتی ہے اور اس میں کفار و منافقین کو غیظ وغضب میں ڈالنا بھی پایا جاتا ہے۔ اور امام عمدۃ المحققین نور الدین علی الحلبی نے کتاب انسان العیون میں اور امام برھان الدین ابراھیم الحلبی نے کتاب روح السیر میں فرمایا ہے کہ امام محقق ابوزرعہ عراقی سے میلاد کی عید کے بارہ میں پوچھا گیا کہ کیا یہ مستحب ہے یا مکروہ اور کیا اس بارہ میں کوئی دلیل موجود ہے؟ اور کیا سلف صالحین میں سے کسی سے اس کا پایا جانا منقول ہے؟ تو انہوں نے فرمایا ولیمہ کی دعوت اور کھانا کھلانا ہر وقت میں مستحب ہے سو جب اس کے ساتھ اس ماہ مبارک میں نور نبوت کے ظہور کے سبب سے خوشی اور مسرت کا انضمام پایا جائے تو پھر یہ کام کیسے مستحب نہ ہوگا۔ اور ہمیں اس کے سوا سلف صالحین کے بارہ میں کچھ معلوم نہیں۔ اور میلاد منانے کے بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو کیونکہ بہت سی بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں سو میلاد منانا اسی طرح بدعت حسنہ ہے۔ پھر سید احمد عابدین اپنا موقف بدین الفاظ لکھتے ہیں۔ **فالاجتماع لسماع قصة مولد صاحب المعجزات عليه افضل واكمل التحيات من اعظم البركات لما يشتمل عليه من المبرات والصلات وكثرة الصلوات عليه والتحيات بسبب حبه الموصل الى قربه** یعنی معجزات والی ہستی ﷺ کی ولادت کے حالات سننے کیلیے مسلمانوں کا جمع ہونا بہت بڑی نیکیوں میں سے ہے کیونکہ وہ محفل میلاد جو آپ کے قرب میں پہنچانے والی محبت کے سبب سے ہر قسم کے نیک کاموں مثلاً صدقات وخیرات اور درود وسلام کی کثرت پر مشتمل ہوتی ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں۔ بڑے بڑے چوٹی کے علمائے دین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ میلاد شریف کا عمل اس سال میں امان کا سبب اور مطلب ومقصد کے حصول کی بشارت عاجلہ ہے جیسا کہ اس کی تصریح امام شمس الدین الجزری نے کی ہے اور ان کی اس تصریح کو امام برھان الدین ابراھیم الحلبی نے کتاب السیرۃ میں نقل کیا ہے اور اسی طرح موءلف کتاب ھذا یعنی

امام ابن حجر ہیتمی اور امام قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں بھی اس کی تصریح لکھی ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کی محبت میں صداقت رکھنے والے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ آپ کی ولادت کے مہینے میں خوشی ظاہر کرے۔ اور اس مہینے میں حضور کی ولادت کے بارہ میں صحیح روایات پڑھنے کے لئے محفل کا اہتمام کرے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس محفل کے باعث حضور علیہ السلام کی شفاعت کی برکت سے سابقین اولین میں داخل کر دیا جائے کیونکہ جس شخص کے جسم میں آپ کی محبت سرایت کرتی ہے وہ قبر میں بوسیدہ نہیں ہوگا۔

اعلیٰ حضرت بریلوی کے ارشادات

قرآن عظیم نے ان کا نام نعمۃ اللہ رکھا۔ ان الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نعمۃ اللہ محمد علیہ السلام۔ اللہ کی نعمت محمد علیہ السلام ہیں ولہذا ان کی تشریف آوری کا تذکرہ امتثال امر الٰہی ہے۔ قال تعالی واما بنعمۃ ربک فحدث۔ اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔

حضور اقدس علیہ السلام کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے۔ یہی تشریف آوری جس کے طفیل دنیا، قبر، حشر، برزخ آخرت غرض ہر وقت ہر جگہ ہر آن نعمت ظاہر و باطن سے ہمارا ایک ایک رونگٹا متمتع اور بہرہ مند ہے اور ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اپنے رب کے حکم سے ان نعمتوں کا چرچا مجلس میلاد میں ہوتا ہے۔ مجلس میلاد آخر وہی شئے ہے جس کا حکم رب العزۃ دے رہا ہے۔ واما بنعمۃ ربک فحدث۔ مجلس مبارک کی حقیقت مجمع المسلمین کو حضور اقدس علیہ السلام کی تشریف آوری وفضائل جلیلہ وکمالات جمیلہ کا ذکر سنانا ہے۔ طعام وشیرینی کی تقسیم اس کا جزء حقیقت نہیں نہ ان میں کچھ جرم۔ ان مجالس کے لئے ایک تمہیں نہیں ملائکہ بھی تداعی کرتے ہیں۔ جہاں مجلس ذکر شریف ہوتے دیکھی ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ یہاں تمہارا مطلوب ہے۔ پھر وہاں سے آسمان تک چھا جاتے

ہیں۔تم دنیا کی مٹھائی بانٹتے ہو ادھر سے رحمت کی شیرینی تقسیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی عام کہ نا مستحق کو بھی حصہ دیتے ہیں **هم القوم لا يشقى بهم جليسهم** ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں رہتا۔ (المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ ص۲۰)

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولا کی دھوم
مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

واللہ اعلم بالصواب ۔

(۱۰صفر المظفر ۱۴۰۹ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھٹا مقالہ

مسئلہ گیارہویں شریف پر ایک تحقیقی نظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

امابعد: یہ مختصر مقالہ'' گیارھویں شریف پر ایک تحقیقی نظر'' گیارھویں شریف کی شرعی حیثیت کے بیان میں لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالی اسے شرف قبولیت بخشے اور ذریعہ ہدایت بنائے۔آمین۔

گیارھویں شریف کی حقیقت

ایصال ثواب کی اس مخصوص صورت کا نام گیارھویں شریف ہے کہ چاند کی گیارھویں تاریخ عمدہ عمدہ کھانے پینے کی چیزوں پر فاتحہ دلا کر اس کا ثواب حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی روح پرفتوح کو پہنچایا جائے۔ پھران اشیاء کو حاضرین مجلس میں تقسیم کیا جائے۔

گیارھویں شریف کی وجہ تسمیہ

گیارھویں شریف کے لئے گیارھویں تاریخ مقرر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سلاطین اسلامیہ کے تمام محکموں میں ہر چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی۔ ملازمین کا یہ خیال ہوتا تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پیسہ حضور غوث اعظم کی فاتحہ میں خرچ ہو۔لہذا جب وہ دسویں تاریخ شام کو گھر پہنچتے تو اپنے ساتھ کچھ شیرینی بھی لے آتے تھے اور بعد از نماز مغرب اس پر فاتحہ بھی دلاتے تھے۔ یہ گیارھویں تاریخ کی رات ہوتی تھی۔ اس وجہ سے اس نیاز کا نام گیارھویں شریف پڑا ہے اور کتاب یازدہ مجلس میں لکھا ہے کہ حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ حضور ﷺ کی بارھویں کے بہت پابند تھے ایک بار خواب میں سرکار نے فرمایا

عبد القادر تم نے ہمیں بارھویں سے یاد کیا ہم تمہیں گیارھویں دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ سرکاری عطیہ تھا جو ساری دنیا میں پھیل گیا۔ (جاء الحق موء لفہ مفتی احمد یار خان نعیمی ص ۲۷۰)

گیارھویں کی شرعی حیثیت

ایصال ثواب شرعاً جائز ہے اور چونکہ گیارھویں ایک قسم کا ایصال ثواب ہی ہے اس لیے یہ بھی شرعاً جائز ہی ہے۔ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب لکھتے ہیں۔ ماہ ربیع الآخر کی گیارھویں تاریخ بلکہ ہر مہینے کی گیارھویں تاریخ کو حضور سیدنا غوث اعظمؒ کی فاتحہ دلائی جاتی ہے۔ یہ بھی ایصال ثواب کی ایک صورت ہے بلکہ غوث اعظم کی جب کبھی فاتحہ ہوتی ہے۔ کسی تاریخ میں ہو عوام اسے گیارھویں کی فاتحہ بولتے ہیں یہ جائز ہے ایصال ثواب میں داخل ہے۔ (بہار شریعت حصہ شانز دہم ص ۲۴۵) اور دیو بندی مولوی رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ ایصال ثواب کی نیت سے گیارھویں اور توشہ کرنا درست ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۱۰۶)

اور دیو بندیوں کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ اور گیارھویں حضرت غوث اعظم قدس سرہ کی۔ دسویں، بیسویں، چہلم اور دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدے (جواز کے قاعدے) پر مبنی ہیں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۹)

اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ اگر تم کہو کہ ہمارے ملک میں مشائخ کرام کی وفات کے دنوں میں عرس کی پابندی کا جو رواج ہے آیا اس کی کوئی اصل شرعی ہے یا نہیں؟ تو میں کہوں گا کہ ان کے بارے میں میں نے اپنے مرشد امام عبد الوھاب متقی مکی سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا۔ ان ذلک من المشائخ وعاداتھم ولھم فی ذلک نیات۔ یعنی یہ باتیں ہمارے مشائخ کے طریقے اور ان کی عادات سے ہیں اور وہ اس بارہ میں کچھ نیتیں رکھتے ہیں۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ تمام دنوں کو چھوڑ کر اسی دن (وفات کے دن) کو کیوں خاص کیا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا مہمان داری ہر حال میں

سنت ہے۔لھذا دنوں کے تعین سے قطع نظر کیا جائے گا۔اور شرع میں اس کے نظائر موجود ہیں جیسا کہ بعض مشائخ نمازوں کے بعد مصافحہ کرتے ہیں اور جیسا کہ عاشورہ کے دن سرمہ لگانا مطلقاً سنت ہے اور اس دن کی تخصیص نئی بات ہے۔

پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ وقد ذکر بعض المتاخرین من مشائخ المغرب ان الیوم الذی وصلوا فیه الی جناب العزة و حظائر القدس یرجی فیه من الخیر و البرکة و النورانیة اکثر و اوفر من سائر الایام یعنی شیخ عبدالوہاب متقی نے فرمایا کہ مغرب کے بعض متاخرین مشائخ نے فرمایا ہے کہ جس دن بزرگان دین کا انتقال ہوتا ہے اس دن میں دوسرے دنوں کی نسبت سے خیر کرامت، برکت اور نورانیت کی امید زیادہ ہوتی ہے۔ پھر شیخ عبدالحق آگے چل کر فرماتے ہیں۔ثم اطرق ملیا ثم رفع رأسه فقال لم یکن فی السلف شئی من ذلک وانما هو من مستحسنات المتاخرین ۔یعنی شیخ عبدالوہاب متقی نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر جھکایا پھر سر مبارک اٹھا کر فرمایا۔زمانہ گزشتہ میں گیارھویں وغیرہ امور نہ تھے۔ یہ تو علمائے متاخرین کے پسندیدہ کام ہیں۔ (ماثبت بالسنۃ ص ۲۲۴)

الحمدللہ! ان ملفوظات مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ گیارھویں شریف ایصال ثواب کی ایک مخصوص صورت ہونے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ مباح و جائز ہے بلکہ مستحب و مستحسن ہے۔ وهو المطلوب والله تعالی اعلم۔

گیارھویں شریف معمول بزرگان دین ہے

گیارھویں شریف کے جواز واستحباب کی ایک قوی دلیل یہ ہے کہ گیارھویں صدیوں سے ہمارے مشائخ عظام وعلمائے کرام کا معمول رہا ہے چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں ۔ میں کہتا ہوں کہ اسی روایت کی بناء پر حضور غوث پاک کا عرس

(گیارھویں شریف) ربیع الآخر کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے۔ اور اسی بات کی پابندی پر میں نے شیخ عبدالوھاب رحمۃ اللہ علیہ کو پایا۔ یا تو وہ اس روایت پر اعتماد رکھتے ہیں یا اس معمول پر جوانہوں نے اپنے مرشد علی متقی رحمۃ اللہ علیہ یا دوسرے بزرگان دین کا ملاحظہ فرمایا تھا۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔ **قد اشتهر في ديارنا هذا اليوم الحادي عشر وهو المتعارف عند مشائخنا من اهل الهند من اولاده**۔ یعنی ہمارے علاقوں میں آج گیارھویں شریف کے لئے گیارھویں تاریخ مشہور ہو چکی ہے اور یہی دن ہندوستان کے سادات مشائخ کے نزدیک متعارف ہے جیسا کہ اسے ہمارے شیخ ابوالمحاسن موسیٰؒ نے اپنی کتاب میں اوراد قادریہ مصنفہ شیخ مخدوم ثانیؒ سے نقل فرمایا اور شیخ مخدوم نے یہ بات اپنی اس کتاب میں اپنے آباء واجداد سے نقل کی ہے۔ (ما ثبت بالسنۃ ص ۲۲۲)

اور شیخ عبدالحق کتاب اخبارالاخیار شریف میں لکھتے ہیں۔ شیخ امان اللہ پانی پتی جو کہ گروہ اولیاء میں مرتبہ بلند و بالا رکھتے ہیں ربیع الثانی کی دسویں تاریخ (گیارھویں شب) کو حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عرس کیا کرتے تھے۔ (ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ ربیع الاخر ۱۳۹۱ھ)

اور ملا احمد جیون کے صاحبزادے ملا محمد اپنی کتاب وجیز الصراط میں فرماتے ہیں۔ دیگر مشائخ کا عرس تو سال کے بعد ہوتا ہے۔ مگر حضرت غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ کی یہ امتیازی شان ہے کہ بزرگان دین نے آپ کا عرس یعنی گیارھویں شریف ہر مہینے میں مقرر فرمادیا ہے۔ (رضائے مصطفےٰ مذکورہ بالا)

اور مشاہر دیوبند کے پیرومرشد حاجی امداداللہ صاحب فرماتے ہیں۔ اور مشرب فقیر

کا اس مسئلے (گیارھویں شریف وغیرہ) میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں پر انکار نہیں کرتا۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۹)

الحمد للہ ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ گیارھویں شریف صدیوں سے مشائخ و علماء کا معمول چلی آ رہی ہے اور آج بھی سنی علماء و مشائخ و عوام اس پر کاربند ہیں۔ یہ بات گیارھویں شریف کے جائز بلکہ مستحب و بابرکت ہونے کی واضح دلیل ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

گیارھویں پر مخالفین کی فتویٰ بازی

گیارھویں شریف کو جہاں ہمارے سنی علماء و مشائخ نے مستحب و مستحسن قرار دیا ہے وہاں ان کے مخالفین مولویوں نے اس پر بدعت و حرمت وغیرھما کے ناجائز بے بنیاد فتوے لگائے ہیں چنانچہ دیوبندی مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں (۱) گیارھویں یازدہم ہر ماہ میں جائز ہے یا نہیں؟ جواب: مردہ کو ثواب کھانے کا اور کلمہ تہلیل اور قرآن کا ہر روز بغیر کسی تاریخ کے درست ہے۔ مگر بقیود تاریخ معین کے کہ پس و پیش نہ کریں اور اس کو ضروری جانیں بدعت ہے۔ اور ناجائز ہے۔ جس امر کو شریعت نے مطلق فرمایا ہے۔ اپنی عقل سے اس میں قید لگانا حرام ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۱۴۱)

اور اسی دیوبندی مولوی کا دوسرا فتویٰ بھی دیکھئے۔ سوال تبارک اور رجبی اور گیاریں پیران پیر کی درست ہے یا نہیں؟ جواب تبارک و رجبی بدعت ہیں۔ ان کی کوئی اصل شرع میں نہیں اور ایصال ثواب بروح قدس سرہ درست ہے اور تعین تاریخ کہ پس و پیش نہ کرے بدعت ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ۳۴)

اور اسی شخص کا تیسرا فتویٰ پڑھیے۔ یہ تعینات (گیارھویں وغیرہ) میں بدعت ضلالت ہے (فتاوٰی رشیدیہ ۱۰۸)

اور چوتھی جگہ لکھتا ہے۔ چالیس روز تک روٹی کی رسم کر لینا بدعت ہے ایسے ہی گیاریں بھی بدعت ہے،، (فتاوٰی رشیدیہ ۱۷۸)

اور مشہور دیوبندی مولوی غلام خان آف راولپنڈی کے ماہنامہ تعلیم القرآن بابت فروری (۱۹۶۱ء) میں یہ فتویٰ شائع کیا گیا ہے۔ سوال۔ اکثر لوگ بڑے پیر کے نام پر بکرا پالتے ہیں۔ اور خصوصاً ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتے ہیں۔ یہ بکرا وغیرہ حلال ہے یا حرام؟

جواب

غیر خدا کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے جو جانور پالا جائے اور آخری دم تک یہی نیت رکھی جائے اور پھر اسی نیت پر ذبح کیا جائے تو وہ جانور حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں خواہ ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لیا جائے۔

اور دیوبندی مولوی منظور احمد نعمانی لکھتا ہے، لیکن اس ایصال ثواب کی بنیاد پر تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، شش ماہی، گیارھویں، بارھویں، برسی، عرس، جمعراتی، فاتحہ وغیرہ وغیرہ رسوم کی شکل میں جو ایک مستقل شریعت اہل ہوا و ہوس نے دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی تراش لی ہے ان کے غلط بلکہ بدعت و معصیت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ان خرافات کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (تحقیق مسئلہ ایصال ثواب صفحہ ۵۵)

اور غیر مقلد مولوی صادق سیالکوٹی لکھتا ہے، پس گیاریں کی نیاز حضرت شیخ علیہ الرحمتہ کے لئے بوجہ مالی عبادت ہونے کے ناجائز ہے۔ (ارشادات شیخ عبدالقادر جیلانی ص۳۲)

اور ایک وہابی مولوی صدر الدین لکھتا ہے۔ پس اس زمانے میں جونئی ایجادیں مثلاً عرس گیارہویں رسومات محرم وغیرہ وغیرہ کی پابندیاں ہیں انہیں دین سے کوئی علاقہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ تمام کام حضور سرور عالم ﷺ سے آٹھ برس بعد کی ایجاد ہیں (اصلاح المومنین ص ۱۳)

اور جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ،، رہے وہ کھانے جو صریحاً کسی بزرگ کے نام پر پکائے جاتے ہیں اور جن کے متعلق بالفاظ صریح یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں بزرگ کی نیاز ہے اور جن کے متعلق پکانے والے کی نیت بھی یہی ہوتی ہے کہ یہ ایک نذرانہ ہے جو کسی بزرگ کی روح کو بھیجا جارہا ہے تو مجھے ان کے حرام اور گناہ ہونے بلکہ عقیدہء توحید کے خلاف (یعنی شرک) ہونے میں کوئی شک نہیں ہے (رسائل ومسائل۔ جلد دوم۔ ص ۲۶۸)

الغرض دیو بندیوں، غیر مقلدوں اور مودودیوں کے نزدیک گیارہویں شریف معاذ اللہ بدعت، معصیت اور ناجائز امر ہے، اور اس کا کھانا ان کے نزدیک حرام اور گناہ بلکہ عقیدہ ءتوحید کے منافی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ منہ۔

ان فتوؤں کا جامع جواب

ہم دیو بندیوں، مودودیوں اور غیر مقلدوں کے ان بے بنیاد فتوؤں کا ایک ہی جامع اور مختصر جواب دیتے ہیں کہ تمہارے پیر و مرشد جناب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنے رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں تمہارے اسی قسم کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں تخصیص مذموم نہیں اور تخصیصات اشغال ومراقبات وتعینات رسوم مدارس وخانقاہ جات اسی قبیل سے ہیں اور اگر تخصیصات کو قربت مقصودہ جانتا ہے تو بے شک یہ اعتقاد مذموم ہے۔ کیونکہ حدود شرعیہ سے تجاوز ہے جیسے عمل مباح کو حرام اور ضلالت سمجھنا

بھی مذموم ہے۔غرض دونوں صورتوں میں تعدی حدود ہے اور اگر ان امور کو ضروری بمعنی واجب شرعی نہیں سمجھتا بلکہ ضروری بمعنی موقوف علیہ بعض البرکات جانتا ہے جیسے بعض اعمال میں تخصیص ہوا کرتی ہے کہ ان کی رعایت نہ کرنے سے وہ اثر خاص مرتب نہیں ہوتا اس کے بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں ۔اور اعتقاد ایک امر باطن ہے اس کا حال بدوں دریافت کیے ہوئے یقیناً معلوم نہیں ہوسکتا۔محض قرائن تخمینیہ سے کسی پر بدگمانی اچھی نہیں ۔اھ بلفظہ ملتقطا

الحاصل حاجی صاحب موصوف نے اپنے مریدان باوفا کی جملہ بدفہمیوں کا ازالہ فرمادیا ہے اور سنی بریلوی مسلک کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی۔ فجزاہ اللہ تعالی خیر الجزاء فی الآخرۃ ۔اب دیکھنا ہے کہ حاجی صاحب کے مریدان باوفا اپنے پیرومرشد کی بات مانتے ہیں یا نہیں۔ واللہ الھادی الی الصراط المستقیم ۔

منت ماننے سے گیارھویں حرام نہیں ہوتی

دیوبندی مولوی فردوس شاہ قصوری اپنی کتاب چراغ سنت میں لکھتا ہے ۔ایصال ثواب ۔ثواب پہنچانا۔اس کا طریقہ نذر سے الگ ہے۔نذر خداوند سے خاص ہے اس میں ایصال ثواب کی گنجائش نہیں ثواب بھیجنے کو نذر کرنا تو عرف میں کہہ سکتے ہیں نذر ماننا نہیں کہہ سکتے یہ ایصال ثواب نہیں ہے یہ نذر حرام ہے قطعاً۔ ایصال ثواب کا یہ طریقہ کہاں سے سیکھا؟ ذرا بتایئے تو؟ آپ نے بلکہ آپ کی جماعت نے ان باریکیوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے تینوں چیزوں (یعنی کسی مقبول بارگاہ کے توسل سے دعا مانگنا ،ایصال ثواب کرنا اور نذر ماننا) کو گڈمڈ کردیا۔توحید کا مسئلہ سخت نازک ہے۔سخت احتیاط چاہیے۔(چراغ سنت ص ۷۹)

چراغ سنت کا مؤلف گیارھویں کی نذر ماننے کے مفہوم میں مغالطہ کا شکار رہا ہے گیارھویں کی نذر ماننے کا صحیح مفہوم ایک مسلمان کے نزدیک یہ ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالی نے

حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلہ سے میرا یہ کام کر دیا تو اتنی خیرات فقیروں کو دے کر اس کا ثواب حضور غوث اعظم کی روح کو پہنچاؤں گا۔ چونکہ بزرگان دین کو ثواب ایصال کرنا جائز ہے تو پھر اس جائز کام کی منت ماننا کیسے ناجائز ہوگا۔ عرف عام میں ہر مسلمان یہی مفہوم سمجھتا ہے۔ اس مفہوم کے علاوہ کسی دوسرے ناجائز مفہوم کا دعویٰ کرنا مسلمان پر سخت بدگمانی اور ان کی نیتوں پر بلا دلیل حملہ ہے۔ حضرت عارف باللہ عبد الغنی نابلسی فرماتے ہیں۔ اما نذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیما لھم ومحبة فیھم جائز فی الجملة وکذلک نذر الدراھم والدنانیر للاولیاء بان تصرف علی فقرائھم والمجاورین عند قبورھم امر جائز فی نفسه ۔ یعنی اولیاء کے لئے تیل اور بتی کی نذر ماننا تاکہ وہ ان کے مزارات کے پاس ان کی تعظیم ومحبت کی غرض سے جلائی جائیں فی الجملہ جائز امر ہے۔ اور اسی طرح اولیاء کے لئے درہموں اور دیناروں کی نذر ماننا تاکہ وہ ان کی قبور کے پاس ٹھہرنے والے فقراء پر خرچ کیے جاسکیں فی نفسہ جائز امر ہے۔ (کشف النور عن اصحاب القبور ص ۱۶)

اور اورنگ زیب عالمگیر کے استاد ملا احمد المعروف ملا جیون نذر الاصنام اور نذر الاولیاء کے فرق کی بناء پر ما اھل لغیر اللہ بہ کی تفسیر بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ومن ھھنا علم ان البقرة المنذورة للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانه لم یذکر اسم غیر اللہ علیھا وقت الذبح وان کانوا ینذرونھا لھم ۔ یعنی اس بحث سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی نذر اولیاء کے لئے مانی جائے جیسا کہ ہمارے زمانے میں رواج ہے۔ حلال اور طیب ہے کیونکہ اس پر بوقت ذبح غیر خدا کا نام نہیں لیا جاتا۔ اگرچہ لوگ اس کو اولیاء کے لئے نذر مانتے ہیں۔ (تفسیرات احمدیہ بحوالہ جاء الحق ص ۳۶۰)

الحمد للہ۔ان دو معتبر کتب مبارکہ کی ان واضح اور صریح عبارات سے روز روشن سے زیادہ روشن ہوا کہ مسلمان اولیاء کے لئے کسی جانور کی نذر مانیں اور اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کریں وہ جانور حلال اور طیب ہوتا ہے اور مسلمانوں کا یہ فعل یعنی اولیاء کے لئے جانور کی نذر ماننا فی نفسہ جائز امر ہے۔لہذا مولوی فردوس شاہ قصوری کا نذر کرنے کو جائز اور نذر ماننے کو حرام لکھنا سراسر ضلالت اور جہالت ہے۔اللہ تعالیٰ ایسے مولویوں کو ہدایت نصیب کرے جو بات بات پر بدعت وحرمت کا فتویٰ جڑتے رہتے ہیں ۔ واللہ الموفق للصدق والصواب۔

گیارھویں کا تبرک ہر مسلمان کھا سکتا ہے

حضرت صدر الشریعہ لکھتے ہیں:

مسجد میں چراغ جلانے یا طاق بھرنے یا فلاں بزرگ کے مزار پر چادر چڑھانے یا گیارھویں کی نیاز دلانے یا غوث اعظم کا توشہ یا شاہ عبدالحق کا توشہ کرنے یا حضرت جلال بخاری کا کونڈا بھرنے یا محرم کی نیاز یا شربت یا سبیل لگانے یا میلاد شریف کرنے کی منت مانی تو یہ شرعی منت نہیں مگر یہ کام منع نہیں ہیں کرے تو اچھا ہے۔ہاں البتہ اس بات کا خیال رکھے کہ کوئی بات خلاف شرع اس کے ساتھ نہ ملائے۔(بہار شریعت۔حصہ نہم۔ص ۴۴)

اور یہی بزرگ اسی کتاب میں لکھتے ہیں ۔انہیں (اولیاء کرام کو) ایصال ثواب نہایت موجب برکات وامر مستحب ہے۔اسے عرفاً براہ ادب نذر و نیاز کہتے ہیں۔ یہ نذر شرعی نہیں جیسے بادشاہ کو نذر دینا۔ ان میں خصوصاً گیارھویں شریف کی فاتحہ نہایت عظیم برکت کی چیز ہے۔(بہار شریعت۔حصہ اول۔ص ۷۹)

مفتی دار العلوم احسن البرکات حیدر آباد سندھ اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں ۔گیارھویں شریف کی نیاز دلانے یا میلاد شریف کرنے کی منت مانی تو یہ شرعی منت نہیں مگر یہ کام منع

نہیں ہے۔ (بہار شریعت) گیارھویں شریف میں مٹھائی تقسیم کرنا، لوگوں کو بلانا اور تاریخ مقرر کرنا، یہ سب باتیں جائز ہیں اور چونکہ یہ منت شرعی نہیں لہذا امیر غریب سب کھا سکتے ہیں۔ واللہ تعالی اعلم (نذر اولیاء کی شرعی حیثیت مؤلفہ راقم الحروف ص ۱۴)

گیارھویں دینے کا طریقہ

مفتی اقتدار احمد نعیمی لکھتے ہیں۔ گیارھویں شریف اور دیگر نیاز و فاتحہ کے کھانے صرف مسلمان ہی کھا سکتا ہے۔ ہر امیر و غریب دینے والا اس کا تبرک فاتحہ شریف کے بعد ہر مسلمان کھا سکتا ہے۔ اصل میں گیارھویں شریف کے چندے اور پیسے صرف حضور غوث اعظم کے ذکر اذکار میں خرچ کرنے چاہئیں کہ یہ تقریبات صرف اسی مقصد کے لئے منعقد اور شروع کی گئی ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں اولیاء کاملین کے ذکر اذکار سے نور پیدا ہو۔ اور ہر شخص کو ولی اللہ بننے کی خواہش پیدا ہو۔ اس چندے سے علمائے اہل سنت اور نعت خوان حضرات کو بلا کر اولیاء اللہ کے ذکر کی محفلیں قائم کی جائیں اور فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب کیا جائے۔ (العطایا الاحمدیہ ص ۳۰۴)

الحاصل گیارھویں شریف حضور غوث اعظم کے زمانہ سعید سے آج تک مسلمانوں میں رائج و معمول بہ ہے۔ خود سرکار بغداد اپنی نذریں قبول فرماتے اور اس میں سے کچھ نہ کچھ تناول فرماتے تھے۔ لہذا گیارھویں شریف کا تبرک پکایا جائے اور عامۃ المسلمین کو بطور ضیافت کھلا دیا جائے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

گیارھویں کی رقم مسجد و مدرسہ میں خرچ کرنا خلاف عرف ہے

گیارھویں شریف کی ادائیگی کا جو طریقہ عرف عام میں پایا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ اس کے پیسے سے کھانے پکا کر یا خرید کر اس پر فاتحہ دلائی جائے۔ پھر صدقات خیرات اور

کلمات خیر کا ثواب سیدنا غوث اعظم محبوب سبحانی کی روح پرفتوح کو پہنچایا جائے۔ اور اس کا تبرک خاص وعام مسلمانوں کو کھلایا جائے۔ لہذا گیارھویں کی ادائیگی اسی طریقہ سے کرنی چاہیے تاکہ ادائیگی میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ بعض لوگ گیارھویں کی رقم مسجد کے فنڈ میں داخل کر دیتے ہیں یا اسلامی مدرسہ میں دے دیتے ہیں۔ یہ گیارھویں شریف کی ادائیگی کا اصل طریقہ نہیں ہے۔ المعروف کا لمشروط فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے۔ گیارھویں کی منت ماننے والا جب خالی الذہن ہو کر منت مانتا ہے تو اس کی اس مطلق منت کو معروف ومعهود منت ہی پر معمول کیا جائے گا۔ اعلی حضرت بریلوی لکھتے ہیں۔ تلاوت وتہلیل میں اجرت لینا ضرور حرام ہے اور گناہ ہونے میں قطعی اور غیر قطعی ہونے کا فرق نہیں گناہ اگرچہ صغیرہ ہو اسے ہلکا جاننا قطعی حرام ہے جبکہ عادت ورواج کے مطابق قاری کو معلوم ہے کہ ملے گا اور اسے معلوم ہے کہ دینا ہوگا تو ضرور اجرت میں داخل ہے۔ فان المعروف کالمشروط۔ (فتاوی رضویہ جلد چہارم ص۲۲۲)

راقم الحروف حیدری رضوی غفر اللہ لہ نے درج ذیل استفتاء لکھا اور مفتیان اہل سنت کی خدمت میں بھیجا۔ استفتاء۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ عامۃ المسلمین گیارھویں شریف کی منت مانتے ہیں اور مراد حاصل ہونے پر اس منت کی رقم کا کھانا مسلمانوں کو بلا امتیاز غنی وفقیر کھلا دیتے ہیں۔ یہ معمول قدیم سے ہمارے علاقوں میں رائج ہے۔ اور ماننے والا جب بھی یہ منت مانتا ہے تو اس کے ذہن میں اس کی ادائیگی کی یہی صورت مروجہ ہوتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس معمول بہ صورت کو ترک کر کے گیارھویں شریف کی رقم تعمیر مسجد کے لئے دے دینا یا اس سے دینی مدارس کے طلباء کے طعام کا انتظام کرنا یا اس سے دینی کتابیں چھپوا کر یا خرید کر غریبوں میں تقسیم کر دینا شرعا کیسا ہے؟ اور فقہ حنفی کے مشہور قاعدہ المعروف کالمشروط کے پیش نظر اس

میں کوئی قباحت تو نہیں؟ جواب مدلل مفصل دے کر عنداللہ تعالیٰ ماجور ہوں۔ تو راقم کے اس استفتاء کے جواب میں جامعہ رکن الاسلام حیدر آباد کے مفتی محمد عبداللطیف صاحب نے لکھا کہ ایصال ثواب کے لئے گیارھویں شریف کا مروج معمول بے شمار مصالح پر مبنی ہے۔ بزرگان دین سے جو طریقہ ہمیں ملا ہے اگر چہ شریعت مطہرہ اسی ہیئت کو لازم قرار نہ دیتی ہو تاہم حکمتوں اور برکتوں سے خالی نہیں ولہذا معمول بہ صورت چونکہ منع نہیں اس لئے اس کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور اس استفتاء کے جواب میں دار العلوم احسن البرکات حیدر آباد سندھ کے شیخ الحدیث مفتی ابو حماد احمد برکاتی لکھتے ہیں۔ اس رقم سے دینی کتب طبع کرا کے تقسیم کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ صورت منت کے خلاف ہے کہ کتاب تو صرف پڑھا لکھا شخص ہی پڑھے گا۔ ان پڑھ کو کوئی فائدہ براہ راست نہ ہوگا۔ تو معہود کے خلاف لازم آئے گا۔ ہاں اگر منت والے نے پہلے ذہن میں یہ منت رکھی ہو تو جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الحمد للہ۔ ان ہر دو فتاویٰ سے معلوم ہوا کہ گیارھویں شریف کی ادائیگی کے لئے معہود و مروج طریقہ ہی اختیار کرنا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت کا ایک فتویٰ

سوال: مخزن علوم حقانی وربانی ادام اللہ فیوضھم۔ تسلیم بعد تعظیم۔ میری اہلیہ عرصہ سے ہر سال حضرت غوث الاعظم کی گیارھویں میں سوا من بریانی پکا کر نیاز دلاتی ہے اور مساکین کو تقسیم کی جاتی ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ رقم امسال شہداء و یتامیٰ عساکر عثمانیہ کی امداد کے لئے بھیجی جائے اور گیارھویں شریف معمولاً قدرے شیرینی یا طعام پر دلادی جائے زیادہ نیاز۔

الجواب: اگر دونوں باتیں نہ ہوں تو یہی بہتر ہے کہ قدرے نیاز دے کر وہ

تمام قیمت امداد مجاہدین میں بھیج دی جائے اور اس کا ثواب بھی نذر روح اقدس حضرت سیدنا غوث اعظم کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ واعلم۔ (فتاوی رضویہ جلد چہارم ص ۵۰۹)

صدر الشریعہ کا فتوی

سوال: زید نے غوث پاک کی نیاز مانی اور کھانا کھلانے کی نیت بھی ہو تو کیا زید بغیر کھانا کھلائے قیمت ادا کر سکتا ہے اور اس کا استعمال تعلیم و اشاعت میں ہو سکتا ہے

الجواب:

گیارھویں شریف کی نیاز ایصال ثواب کے لئے ہے کہ شرینی یا کھانے پر سورۃ فاتحہ وقل اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر سب کا ثواب حضور غوث اعظم کے حضور نذر کرتے ہیں۔ اور یہ نذر کچھ کھانے اور شیرینی کے ساتھ خاص نہیں کہ اس کے سوا ہو نہ سکے بلکہ وہ رقم اگر کسی دوسرے کار خیر میں صرف کی جائے اور اس کا ثواب نذر کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے ہاں کسی دوسرے کار خیر میں گیارھویں کی رقم دیتے وقت درود شریف وقل و فاتحہ وغیرہ پڑھ کر حسب دستور ایصال ثواب کر لیں تو زیادہ بہتر اور اس رقم سے جو کار خیر کیا جائے اسے حضور غوث پاک کی طرف منسوب کر دیا جائے مثلاً مدرسہ قادریہ یا نذر قادری کہ لوگوں کو معلوم بھی ہو کہ یہ شئے حضور غوث اعظم کے لئے ہے۔ اور علاوہ اس رقم کثیر کے جو اس ام سے جمع ہوتی ہے۔ اگر حسب استطاعت دو چار آنے یا کم و بیش کی شیرینی وغیرہ بھی حسب دستور فاتحہ ہو جایا کرے یہ نہایت انسب ہے کہ اس میں وہابیت کی بیخ کنی بھی ہے اور عوام یہ نہ سمجھیں کہ گیارھویں بند ہو گئی اور بڑی رقم امور مذکورہ بالا میں صرف ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (فتاوی امجدیہ۔ جلد اول ص ۳۲۴ بحوالہ ایصال ثواب اور گیارھویں شریف شائع کردہ جمیعت اشاعت سنت کراچی)

تنبیہ

اعلیٰ حضرت بریلوی اور صدر الشریعہ کے یہ دو فتوے صرف اس بارہ میں ہیں کہ جس دوسرے کار خیر کے لئے گیارھویں کی رقم خرچ کرنا چاہیں وہ اشد ضروری ہو ورنہ گیارھویں کی رقم کو مروج و معہود صورت ہی میں خرچ کرنا بہتر ہے اور چونکہ آج کل کی مسجد سازی اشد ضرورت سے خالی ہے اس لیے گیارھویں کی رقم مسجد میں صرف نہ کی جائے۔

وھذا ما عندی والعلم التام عند اللہ العلام عزوجل وھذا آخر ما اردنا ایرادہ فی ھذہ المقالۃ المفیدۃ تقبلھا اللہ تعالی بمنہ العظیم ورسولہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۶ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ساتواں مقالہ

مسئلہ نذر و نیاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی رسوله محمد و آله واصحابه اجمعین ۔

عوام الناس حاجات ومشکلات کے وقت غوث اعظم کا بکرا، داتا صاحب کا دنبہ، پیر شاہ غازی صاحب کا مرغا نذر مانتے ہیں۔ حل مشکلات وحاجات کے بعد وہ ان جانوروں کو ان بزرگوں کے مزارات کے پاس لے جاتے ہیں۔ فاتحہ خوانی کے بعد ذبح کی تکبیر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر انہیں ذبح کرتے اوران کا گوشت پوست حاضرین فقراء پر صدقہ کر دیتے ہیں۔ دیوبندیہ وہابیہ دزمانہ خذلھم اللہ تعالی اس نذر کو حرام اوراس کے جانور کو خبیث قرار دیتے ہیں۔ اور آیت کریمہ وما اھل بہ لغیر اللہ سے اپنے مدعائے باطلہ پر استدلال کرتے ہیں۔ اور بتوں کی متعلقہ آیات کو عوام الناس مسلمین پر چسپاں کر کے انہیں مشرک بناتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی ۔

بدیں وجہ ہم نے اس نذر کے جواز میں یہ مختصر مقالہ لکھا ہے۔ اللہ تعالی اسے اپنی بارگاہ میں شرف مقبولیت بخشے۔ آمین۔ بجاہ النبی الامین صلے اللہ علیہ وسلم فنقول وبتوفیق اللہ نجول ۔

علامہ نابلسی حنفی کا فتوی

عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی حنفی ارشاد فرماتے ھیں۔
اما نذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورهم تعظیما لهم ومحبة فیهم فهو جائز فی الجملة وکذلک نذر الدارهم والدنانیر للاولیاء بان تصرف علی فقراء هم والمجاورین عند قبورهم امر جائز فی نفسه ۔

(ترجمہ) اولیاء کے لئے تیل اور بتی کی نذر ماننا تاکہ وہ ان کے مزارات کے قریب ان کی تعظیم ومحبت کی غرض سے جلائی جائیں۔ فی الجملة جائز امر ہے۔ اور اسی طرح اولیاء کیلئے درھموں اور دیناروں کی نذر ماننا تاکہ وہ ان کی قبور کے پاس ٹھہرنے والے

فقراء پر خرچ کئے جائیں فی نفسہ جائز امر ہے۔ پھر اس کے جواز کی دلیل بدیں الفاظ ارشاد فرماتے ہیں یوں کہ اس صورت میں نذر کا لفظ عطیہ سے مجاز ہے۔ جیسا کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی شے ء فقیروں کو ہبہ کی جائے تو وہ حقیقت میں صدقہ ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ دینے والے کو فقیروں سے یہ شے ء واپس لینے کا حق نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی شے ء غنیوں پر صدقہ کی جائے تو وہ حقیقت میں ہبہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ دینے والے کو غنیوں سے یہ شے ء واپس لینے کا حق ہوتا ہے۔ فالعبرۃ لمقاصد الشرع دون الالفاظ پس مقاصد شرع کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔ سو نذر اپنے حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ پھر جب کوئی یہ لفظ غیر اللہ کے لئے بولے مثلاً کوئی شخص دوسرے کو کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے بیمار کو شفاء دی تو تیرے لئے مجھ پر دس درہم لازم ہیں۔ اور پھر یہ قائل کسی اور شخص کو اس کی خبر ان لفظوں میں دے کہ میں نے فلاں شخص کیلئے دس درھم کی نذر مانی ہے۔ تو اس کی یہ کلام وعدہ کے قبیل سے ہوگی پھر اگر منذور لہ شخص غنی ہے۔ تو نذر کا لفظ ہبہ کے لفظ سے اور اگر فقیر ہے تو صدقہ کے لفظ سے مجاز ہوگا۔

پھر اس نذر کو ناجائز کہنے والوں کی تردید میں فرماتے ہیں۔ پھر اگر کوئی شخص کسی اللہ کے ولی کو ان کی وفات کے بعد کہے کہ اگر اللہ نے میرے بیمار کو شفاء دی تو آپ کے لئے مجھ پر ایک سو درھم لازم ہیں۔ تو اس قول کو کوئی عقل مند شخص حرام نہیں کہے گا۔ حالانکہ اولیائے کرام اس معنی توسل میں دوسروں سے زیادہ حقدار ہیں۔ اگرچہ وہ وفات پا چکے ہوں کیونکہ اس قول کا قائل یہ جانتا ہے کہ اس کی نذر کی اشیاء کو اس اللہ کے ولی کے خادموں یا اس کے مزارات کے پاس ٹھہرنے والے محتاجوں کی ضرورتوں میں خرچ کیا جائے گا۔ **فیجعل ذلک وعدا وعطیۃ واباحۃ من ذلک القائل لکل من یاخذہ تصحیحاً لقول المؤمنین ما امکن** ۔ پس اس قسم کی نذر کو وعدہ اور عطیہ اور ہر لینے والے کیلئے اباحت کے معنی پر محمول کیا جائے گا تاکہ مومنوں کے اقوال میں حتی الامکان صحت ثابت ہو۔ (کشف النور عن اصحاب القبور)

اور یہی امام اجل دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں۔

ومن هذا القبيل (اى من قبيل ايقاع الناس فى الاضطراب والاختلاف بلا فائدة دينية سوآء كان لفائدةدنيوية اولا) زيارة القبور والتبرك بضرائح الاولياء والصالحين والنذرلهم بتعليق ذلک على حصول شفاء او قدوم غائب الى آخر كلامه .

(ترجمہ) اور بلا فائدہ دینیہ لوگوں کو بے چینی اور اختلاف میں ڈالنے کے قبیل سے یہ بھی ہے کہ انہیں قبور کی زیارت کرنے اولیاء صالحین کے مزارات سے برکت حاصل کرنے اور بیمار کی شفاء اور غائب کی واپسی پر ان کیلئے نذر کو معلق کرنے سے منع کیا جائے کیونکہ اس صورت میں نذر کا لفظ ان مزارات کے خادموں پر صدقہ سے مجاز ہوتا ہے۔ جس طرح فقہائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص فقیر کو مال زکوۃ قرض کہہ کر دے تو اس سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شرع میں معنی کا اعتبار ہوا کرتا ہے۔ لفظ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح اگر غنی پر کوئی شے صدقہ کی جائے تو درحقیقت وہ ہبہ ہوگی۔

وقد صرح الشيخ ابن حجر الهيتمى المكى من ائمة الشافعية فى فتاواه ان هذا النذر للولى الميت اذا قصد به الناذر قربة اخرى كاولاد الولى او خلفاءه او اطعام الفقراء الذين عند قبره صح النذر ووجب صرفه فى ما قصده الناذر الى آخر ما بسط الكلام وغالب الناس فى هذا الزمان يقصدون ذلک فيحمل الكلام عليه .

(ترجمہ) شیخ ابن حجر ہیتمی مکی جو کہ علمائے شافعیہ میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے فتاوی میں صراحۃ فرمایا ہے۔ اگر ولی اللہ کی نذر میں ناذر نے کسی دوسری قربت کی نیت کی ہے مثلاً اس فوت شدہ ولی اللہ کی اولاد یا اس کے خلفاء یا اس کے مزار کے پاس رہنے والے فقراء پر صدقہ کرنے کی نیت کی ہے۔ تو یہ نذر صحیح ہے اور ناذر کے قصد کے موافق اسے خرچ کرنا واجب ہوگا اور چونکہ اس دور میں اکثر لوگ اس معنی کا قصد کرتے ہیں اس

لئے ان کے کلام کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا (الحدیقۃ الندیہ ص ۱۵۱ ج ثانی)

صاحب روح البیان کا اعتماد

تفسیر روح البیان کے مؤلف علامہ نابلسی کے اس فتویٰ مبارکہ پر اعتماد و اعتبار فرماتے ہوئے سورۃ توبہ کی آیت کریمہ انما یعمر مساجد الله من امن بالله...... الآیة کے تحت لکھتے ہیں۔ قال الشیخ عبد الغنی النابلسی فی کشف النور عن اصحاب القبور ما خلاصته ان البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمی سنة الی ان قال ونذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورهم تعظیما لهم ومحبة فیهم جائز ایضاً لا ینبغی النهی عنه ۔ (ترجمہ) شیخ عبدالغنی نابلسی نے کشف النور میں جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک ہر اچھی بدعت جو مقصود شرع کے موافق ہو سنت کے حکم میں ہے۔ پھر یہاں تک فرمایا کہ اولیائے کرام کیلئے تیل بتی کی نذر ماننا تا کہ وہ ان کی تعظیم و محبت کے پیش نظر ان کے مزارات کے پاس جلائی جائیں شرعاً جائز ہے۔ اور اس سے منع نہیں کرنا چاہیئے۔
(تحریر المختار لردالمحتار للعلامۃ الرافعی ص ۱۲۳ ج ۱)

علامہ ابن عابدین شامی کا اعتماد

صاحب روح البیان کی طرح علامہ ابن عابدین شامی حنفی نے بھی علامہ نابلسی کے اس قول پر اعتماد و اعتبار فرمایا۔ چنانچہ علامہ رافعی حنفی فرماتے ہیں۔ ثم رایت المحشی ذکر فی الکراهیة عند قوله ولا تکره الرتیمة نحوه عن النابلسی فراجعه وقد اقره علیه. پھر میں نے محشی درمختار علامہ ابن عابدین کو دیکھا کہ انہوں نے کتاب الحظر والاباحۃ میں رتیمہ کے مسئلے میں علامہ نابلسی سے اس قسم کا کلام ذکر فرمایا اور ان کے اس کلام کو اسی پر برقرار رکھا۔ (تحریر المختار ص مذکورہ بالا)

صاحب درمختار کا فتوی

فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے۔ واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفها لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک ولا سیما فی هذه الاعصار وقد بسطه العلامة قاسم فی شرح درر البحار۔ (ترجمہ) اور جاننا چاہیے کہ اکثر عوام اموات کیلئے جو نذر مانتے ہیں اور وہ پیسہ چراغ اور تیل وغیرہ اشیاء جو اولیائے کرام کے مزارات پر ان کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ جان کر لے جاتے ہیں۔ ناذر جب تک ان آشیاء کو فقراء پر صدقہ کرنے کی نیت نہ کرے یہ نذر بالاجماع باطل اور حرام ہوگی اور اکثر لوگ اس امر میں مبتلا ہیں۔ خصوصاً ان اوقات میں اور امام ابن الہمام کے شاگرد شیخ قاسم نے کتاب درر البحار کی شرح میں اسے بسط سے بیان کیا ہے۔

صاحب بحرالرائق کا فتوی:

فقہ حنفی کی معتبر کتاب بحرالرائق میں ہے۔ فاذا علمت هذا فما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت وغیرها وینقل الی الاولیاء تقربا الیهم فحرام باجماع المسلمین مالم یقصدوا صرفها لفقراء الانام۔ پس جب آپ یہ معلوم کر چکے تو درہم بتی تیل وغیرہ میں سے جو کچھ اولیاء اللہ کو وسیلہ مانتے ہوئے بطور نذر لیا جاتا ہے۔ جب تک ناذر اسے فقراء پر خرچ کرنے کی نیت نہ کرے بالاجماع حرام ہے۔ (براھین اھل سنت ص ۲۷۶ مصنفہ دوست محمد قریشی دیوبندی)

دیوبندی ٹولہ کی مغالطہ دہی

دیو بندی مولوی عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے در مختار اور بحر الرائق وغیرہ کی یہ عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ اور مالم یقصد واصرفھا لفقراء الانام کا جملہ شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جاتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے علمائے احناف نے صرف اس نذر لغیر اللہ کو حرام اور باطل قرار دیا ہے۔ جس کو فقراء پر صدقہ کرنا مقصود نہ ہو بلکہ غیر اللہ کی خاطر صرف اسے پیش کر دینا منظور ہو اور کون نہیں جانتا کہ آج کل کے مسلمان جو نذریں محبوبان خدا اولیاء وانبیاء کیلئے مانتے ہیں۔ انہیں فقراء پر تقسیم کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور وہ تقسیم بھی کی جاتی ہیں۔ لہذا عوام المسلمین کی نذر کو فقہائے حنفیہ کی ان عبارات کی بناء پر حرام اور باطل قرار دینا دیو بندیوں کی جہالت اور بد دیانتی کا بین ثبوت ہے۔ شیخ داؤد موسوی بغدادی در مختار اور بحر الرائق کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ولا شک ان قصد العوام بالذبائح وغیرہ بنذرھا وذبحھا صرفھا للفقراء المنسوبین الی ذلک الولی او لعموم الفقراء فی کل مکان وعند ابی حنیفة لا یتعین المکان فی النذور ولو نذر مثلاً للشیخ فلان جاز ذبحه و تفرقه غیر مکان الشیخ لانه یصله الثواب حیث ما کان.

(ترجمہ) اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ عوام المسلمین جو نذریں بزرگان دین کے لئے مانتے ہیں۔ ان میں ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ ان بزرگوں سے نسبت رکھنے والے فقراء یا کسی بھی جگہ کے محتاجوں میں تقسیم کی جائیں اور احناف کے نزدیک جگہ متعین نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص فلاں شیخ کیلئے نذر مانے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ شخص اس جانور کو کسی بھی جگہ ذبح کرے اور تقسیم کردے کیونکہ جہاں بھی یہ نذر ادا کی جائے گی اس کا ثواب اس شیخ کو بہرحال پہنچ جائے گا۔

پھر شیخ داؤد شیخ قاسم کے بارے میں لکھتے ہیں۔ مع ان ھذہ العبارة منسوبة للشیخ قاسم وھو من تلامیذ ابن الھمام من اھل التسع مائة ولم تنقل ھذہ المسئلة الا عنه لا عن المتقدمین من المذاھب واصحابھم والشیخ قاسم

هـذا كـان يعتقد اعتقاد ابن تيمبه وهو مبتكر لهذه الاشياء المضللة للناس ورد عـلـيـه جـمـاهـير اكـابـر الـمـذاهـب فـى وقته وبعده من خصوص هذه المسائل التى ابتدعها .

(ترجمہ) علاوہ ازیں یہ عبارت امام ابن الھمام کے شاگرد شیخ قاسم کی طرف منسوب ہے۔اور وہ نویں صدی ہجری میں ہوا۔اور یہ مسئلہ شیخ قاسم کے علاوہ کسی سے نقل نہیں کیا گیا ہے۔نہ ہی آئمہ مذاہب سے اور نہ ہی ان کے اصحاب کبار سے اور یہ شیخ قاسم امام ابن تیمیہ کے عقیدہ پر تھا اور ابن تیمیہ اسی قسم کے مسائل اپنی طرف سے ایجاد کیا کرتا تھا جن کی بناء پر وہ لوگوں کو گمراہ اور بددین قرار دیا کرتا تھا اور ابن تیمیہ کے دور میں اور اس کی وفات کے بعد اکابرین مذاہب نے اس کے ان خودساختہ مسائل کی تردید فرمائی۔

پھر علی سبیل التنزل فرماتے ہیں۔اور اگر شیخ قاسم کے اس مسئلہ کو صحیح تسلیم بھی کرلیا جائے تو علماء کے نزدیک شیخ قاسم کے اس کلام پر کوئی غبار نہیں کیونکہ اس کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ اولیاء کی نذر جائز نہیں۔مگر اس وقت جب کہ ناذر راسے فقیر پر خرچ کرنے کا قصد کرے اور اس نذر میں فقراء پر خرچ کرنا یقیناً مقصود ہوتا ہے۔لہذا یہ نذر علامہ قاسم کے نزدیک بھی جائز ہے۔ (اشد الجہاد ص ۶)

علمائے مکہ معظمہ کا فتویٰ

امام الوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی نے اپنی کتاب کتاب التوحید کا خلاصہ لکھ کر علمائے مکہ معظمہ پر پیش کیا تو انہوں نے نذر اولیاء کے بارے میں یہ فتویٰ صادر فرمایا۔ وان الـنـذر لله وذكر النبى او الولى او اطعم الفقراء على بابه او يقول يا الله ان قضيت حاجتى ببركة فلان له كذا اى اهدى ثـوابـه لـه او يـقـول يا نبى اللهيا ولى الله ادع فى قضاء حاجتى من الله ان اقضى حـاجتى اهـدى لک ثـواب صـدقه كذا فالنذر فى هذه الصور كـلـهـا جـائـز . (ترجمہ)۔اور اگر نذر اللہ کی ہو اور نبی یا ولی کا ذکر مصرف کے بیان کے

لئے ہو یا توسل کے طور پر ہو مثلاً کوئی یوں کہے کہ یا اللہ اگر میری حاجت تو برلائے گا تو میں فلاں نبی ولی کے مزار کے خادموں کو یہ دوں گا یا یوں کہے کہ اے اللہ تو میری حاجت فلاں بزرگ کی برکت سے پوری کردے گا تو میں فلاں چیز کے صدقہ کا ثواب اس کو پہنچاؤں گا یا یوں کہے کہ یا نبی اللہ یا ولی اللہ آپ اللہ تعالیٰ سے مری حاجت پوری ہونے کی دعا کریں اگر وہ میری حاجت پوری کرے گا تو آپ کو فلاں چیز کے صدقہ کا ثواب پہنچاؤں گا تو ان سب صورتوں میں نذر جائز ہے۔ (سیف الجبار ص ۷۶ مطبوعہ ترکی)

امام صادی مالکی کا ارشاد

مفسر امام احمد صادی فرماتے ہیں۔ پھر اگر کوئی شخص کسی وفات یافتہ ولی اللہ مثلاً سید بدوی کے لئے جانور نذر مانے تو اگر اس نے نیت کی ہے۔ کہ وہ ولی اللہ اس جانور سے اس طرح فائدہ اٹھائے گا جس طرح زندہ شخص اٹھاتا ہے۔ تو وہ نذر باطل ہے۔ اور اگر اس نے یہ نیت کی ہے۔ کہ وہ جانور اسی جگہ ذبح کیا جائے اور اس ولی کے پاس رہنے والے فقراء پر صدقہ کا قصد نہیں کیا تو اس جانور کو اس کے مزار پر لے جانا لازم نہیں ہے۔ بلکہ جس جگہ چاہے ذبح کرے واما ان قصد بسوقہا فقراء ذلک المحل لزمہا سوقہا۔ اور اگر اس نے اس ولی کے پاس رہنے والے فقراء پر صدقہ کرنے کی نیت کی ہے تو اس جانور کو اس مزار پر لے جا کر ذبح کرنا واجب ہوگا۔ (تفسیر صادی زیر آیت ماذبح علی النصب)

امام ابن حجر مکی شافعی کا فتویٰ

امام ابن حجر مکی شافعی فرماتے ہیں۔ النذر للولی الحی صحیح ویجب صرفہ الیہ ولا یجوز صرف شیء لغیرہ واما النذر لولی المیت فان قصد الناذر تملیک الملک بطل نذرہ وان قصد قربۃ اخری کاولادہ وخلفاہ او اطعم الفقراء الذین عند قبرہ وغیر ذلک من القرب المتعلقۃ بذلک الولی صح نذرہ ووجب صرفہ فی ما قصد الناذر وان لم یقصد

شیئاً لم یصح الا ان طردت عادة الناس فی زمن الناذر بانهم ینذرون للمیت ویریدون جهة مخصوصة بما ذکرنا وعلم الناذر تلک العادة المطردة المستقرة فالظاهر تنزیل نذره علیه اخذاًمما ذکروه فی الوقف من ان العادة المستقرة المرادة فی زمن الواقف تنزل منزلة شرطه .

(ترجمہ) ولی اللہ کیلئے نذر ماننا صحیح ہے۔ پھر اگر وہ بقید حیات دنیوی ہیں۔تو اس نذر کی شےءکوان پر خرچ کرنا واجب ہے۔اوراس سے کچھ کسی کو دینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر وہ وفات پا چکے ہیں۔تو اگر ناذر نے ان کی ملک میں وہ شےء دینے کی نذر مانی ہے۔تو یہ نذر باطل ہے۔اور اگر اس نے کسی دوسری قربت کا ارادہ کیا ہے مثلاً اس کی اولاد یا خلفاء یا مجاورین فقراء پر صرف کرنے کی نیت کی ہے یا کسی ایسے نیک کام میں خرچ کرنے کا قصد کیا ہے۔جس کا تعلق ان ولیوں سے ہے۔تو اس صورت میں یہ نذر صحیح ہے۔ اور اسے مقصود ناذر کے موافق خرچ کرنا واجب ہے۔اور اگر ناذر کی کوئی مخصوص نیت نہیں تھی تو وہ نذر صحیح نہیں مگر جب کہ اس دور کے لوگ ان ولیوں کیلئے نذر مانتے اوراس نذر کو کسی خاص کام پر خرچ کرنے کی عادت رکھتے ہوں اور ناذر کو اس عادت کا علم بھی تھا تو اس صورت میں بھی نذر صحیح ہے۔جیسا کہ وقف کے باب میں عرف عام معتبر ہوا کرتا ہے۔ (اشدالجہاد ص ۳۷)

صدرالشریعۃ کا فتوی

خلیفہءاعلی حضرت بریلوی صدرالشریعۃ مولانا امجد علی صاحب اعظمی فرماتے ہیں۔ مسجد میں چراغ جلانے یا طاق بھرنے یا فلاں بزرگ کے مزار پر چادر چڑھانے یا گیارہویں کی نذر دلانے یا غوث اعظم کا توشہ یا شیخ عبدالحق کا توشہ کرنے یا حضرت جلال بخاری کا کونڈا دینے یا محرم کی نیاز یا شربت یا سبیل لگانے یا میلاد کرنے کی منت مانی تو یہ شرعی منت نہیں۔مگر یہ کام منع نہیں ہے کرے تو اچھا ہے۔ہاں البتہ اس کا خیال رکھے کہ کوئی بات خلاف شرع اس کیساتھ نہ ملائے۔(بہار شریعت جلد نہم ص ۳۴)

الحمد للہ ! علمائے اہل سنت کے ان روشن بیانات اور واضح ارشادات سے بزرگوں کی نذر و نیاز کا جواز وثبوت اظہر من الشمس ہوا اور یہ ہم مقلدین حنفیہ کیلئے کافی وافی ہے۔ وہابیہء زمانہ سفہاء الاحلام کیلئے تو دفتر بے کار ہیں۔

ما اهل به لغير الله کا صحیح مفہوم

وہابیہء زمانہ نے آیت کریمہ وما اهل به لغير الله سے بزرگان دین کی نذر و نیاز کو حرام قرار دیا ہے۔ ہم ان کے اس استدلالِ باطل کے جواب میں عرض کرتے ہیں کہ ان عقل کے ماروں کا بزرگوں کی نذر و نیاز کو حرام بتانے کیلئے آیت کریمہ ما اهل به لغير الله سے استدلال کرنا ان کی جہالت تامہ کا بین ثبوت ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ میں مراد بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور ہیں۔ چنانچہ شیخ زادہ حنفی اپنے حواشی میں فرماتے ہیں۔ اور اللہ کے ارشاد۔ ما اهل به لغير الله میں ما موصولہ الذی کے معنی میں ہے۔ اور وہ المیتۃ پر معطوف ہونے کے باعث محلا منصوب ہے۔ اور اہل فعل مجہول ہے۔ اور بہ میں جار مجرور فاعل کے قائم مقام ہیں۔ اور بہ کی ضمیر ما موصولہ کی طرف راجع ہے۔ اور باء فی ظرفیہ کے معنی میں ہے پس یہاں مضاف کو محذوف ماننا لازم ہے۔ سو بہ بمعنی فی ذبحہ ہے۔ لان المعنى ما صيح فى ذبحه لغير الله وكانوا يسمون الاوثان عند الذبح ويرفعون اصواتهم عند ذبحهم بذكرها فمعنى قوله وما اهل به لغير الله ما ذبح للاصنام والطواغيت ۔ کیونکہ ما اهل به لغير الله ما صيح فى ذبحه لغير الله کے معنی میں ہے۔ اور زمانہ جاہلیت میں اہل عرب ذبح کے وقت بتوں کے نام لیا کرتے تھے۔ اور ذبح کے وقت وہ بتوں کے ناموں کو بلند آواز سے پکارا کرتے تھے۔ پس ما اهل به لغير الله سے مراد وہ جانور ہے۔ جو بتوں اور شیطانوں کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ (حواشی شیخ زادہ علی البیضاوی ص ۴۸۱)

اور تفسیر بغوی اور تفسیر خازن میں ہے۔ وما اهل به لغير الله يعنى وما ذبح للاصنام والطواغيت واصل الاهلال رفع الصوت وذلك انهم كانوا

یرفعون اصواتھم بذکر آلھتھم اذا ذبحوا لھا یعنی ما اھل بہ لغیر اللہ سے مراد وہ جانور ہے۔ جو بتوں اور شیطانوں کا نام پکار کر ذبح کیا جائے اور اھلال کا لغوی معنی آواز بلند کرنا ہے۔ اور اس جانور کو ما اھل کہنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب مشرکین عرب اپنے بتوں کے لئے کوئی جانور ذبح کیا کرتے تھے تو ان کا نام ذبح کے وقت اونچی آواز سے لیا کرتے تھے۔ (تفسیر خازن ص ۱۴۰ ج ۱)

قیاس مع الفارق

الحمد للہ ! ان معتبر تفسیرات سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ ما اھل بہ لغیر اللہ سے مراد وہ جانور ہے۔ جسے کافر بت یا شیطان کا نام لے کر ذبح کرے تو اس آیت سے اولیائے کرام کے مزارات کے پاس ذبح کئے جانے والے اس جانور کو حرام ثابت کرنا جسے مسلمان اللہ کا نام لے ذبح کرے قیاس مع الفارق ہوگا اور قیاس مع الفارق باطل اور غیر ثبت حکم شرعی ہوتا ہے۔ ولہذا وہابیہ زمانہ کا نذور اولیاء کو اس آیت کریمہ سے حرام بتانا قطعاً باطل ہے۔ معمولی سمجھ رکھنے والا شخص اس فرق کو سمجھ سکتا ہے۔ کہ بتوں کی نذر میں مقصود نذر للصنم ہوتی ہے اور اللہ کا نام چھوڑ کر بت کا نام لے کر اسے کافر یا مشرک شخص ذبح کرتا ہے۔ مگر نذر اولیاء میں مقصود نذر اللہ ہوتی ہے۔ اولیاء کرام کو صرف ثواب پہنچانا مطلوب ہوتا ہے۔ اور اس کے جانور کو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے۔ پس نذر للصنم قطعاً حرام و ناجائز اور نذر للولی قطعاً حلال اور جائز ہے۔ گر فرق مراتب نکنی زندیقی۔

علامہ ملا جیون کا منصفانہ فیصلہ

نذر الاصنام اور نذر الاولیاء کے اسی واضح فرق کی بناء پر شہنشاہ ہند اورنگزیب عالمگیر کے استاد ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ ما اھل بہ لغیر اللہ کی تفسیر کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔ ومن ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیھا وقت الذبح وان

کانوا ینذورنھا لھم ۔ اوراس جگہ سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی نذر اولیاء کیلئے مانی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہمارے زمانے میں رواج ہے۔ وہ حلال اور طیب ہے۔ کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہیں لیا جاتا۔ لہذا وما اھل بہ لغیر اللہ کے حکم میں داخل نہیں ہوتی اگر چہ لوگ اس گائے کو اولیاء کے لئے نذر مانا کرتے ہیں۔ (جاء الحق ص ۳۶۰)

الحمد للہ! اس منصفانہ فیصلے کے بعد گمراہ نہ ہوگا مگر وہی جس کے مقدر میں گمراہی لکھ دی گئی ہے۔ **(واللہ یھدی من یشاء)**

و حررہ الفقیر ابو الکرم احمد حسین قاسم الحیدری غفر اللہ لہ المدرس بالجامعۃ الحیدریہ فضل المدارس سھنسہ من مضافات آزاد کشمیر ۔

(۲ رمضان المبارک ۱۴۰۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آٹھواں مقالہ

تعویذ کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد!

دور حاضر میں بعض لوگ بیمار کے گلے میں حصول شفاء کے لئے قرآنی تعویذ لٹکانے کو شرک قرار دیتے ہیں اور اسے توکل کے خلاف جانتے ہیں۔ چنانچہ کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی (توحید روڈ کیاڑی کراچی) اپنے رسالہ ''تعویذ گنڈا شرک ہے'' میں لکھتا ہے۔

امت محمدیہ کے افراد کی گردنوں کی تلاشی لی جائے تو کسی میں کاغذی تعویذ لٹک رہا ہوگا، کسی میں چھوٹا سا قرآنی نسخہ، کسی میں دنیا کے ملکوں کے سکے، کسی میں کوڈیاں اور مونگے اور کسی میں چاقو وچھری۔ یہ سب چیزیں ان اللہ کے بندوں کے عقیدہ میں ان کو بلاؤں سے بچانے اور بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہوتی ہیں۔ اب ان چیزوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی سنتے چلیے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ دم تعویذ اور تولہ سب شرک ہیں''۔ (ابوداؤد، مشکوۃ جلد دوم ص ۱۰۷)

بعض قسم کے دم جن میں شرکیہ الفاظ نہیں تھے نبی ﷺ نے ان کی رخصت دے دی مگر تعویذ یا تولہ (محبت کے تعویذ) کی بالکل اجازت نہیں دی اور دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک جماعت آئی آپ نے ان میں سے نو آدمیوں سے بیعت لے لی اور ایک کو چھوڑ دیا۔ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے نو سے بیعت لے لی اور ایک کو چھوڑ دیا۔ ارشاد فرمایا۔ اس سے اس لئے بیعت نہیں لی کہ وہ تعویذ پہنے ہوئے ہے۔ یہ سن کر ان صاحب نے ہاتھ اندر ڈال کر تعویذ توڑ دیا۔ اب نبی نے ان سے بھی بیعت لی اور فرمایا۔ ''من تعلق تمیمۃ فقد اشرک'' جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔ (مسند احمد جلد چہارم ص ۱۵۶)

کیا یہ حدیث یہ نہیں بتاتی کہ ہر قسم کا تعویذ نا جائز ہے۔ ورنہ نبی ﷺ کم از کم یہ تو ضرور دریافت فرما لیتے کہ یہ تعویذ جو تم نے لٹکایا ہے۔ اس میں قرآن تو نہیں لکھا ہوا ہے۔ اسماء الٰہی تو نہیں۔ مطلق تعویذ دیکھ کر آپ کا بیعت نہ کرنا کیا یہ ثابت نہیں کرتا کہ آج کے فن دینداری کے ماہر اپنے کاروبار کے لئے جو مختلف عذر پیش کرتے ہیں۔ وہ سارے کے سارے عذر ہائے لنگ کے علاوہ کچھ نہیں۔ (تعویذ گنڈا شرک ہے ص ۳)

حالانکہ تعویذ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم کے تعویذات میں صرف آیات قرآنی یا ادعیہ ماثورہ لکھی جاتی ہیں۔ اور دوسری قسم کے تعویذات میں شرکیہ کلمات وغیرہا ہوتے ہیں، پہلی قسم کے تعویذات پینا اور بازو یا گلے میں لٹکانا یقیناً جائز عمل ہے۔ اور دوسری قسم کے تعویذات شرعاً ممنوع اور ناجائز ہیں۔ کیپٹن ڈاکٹر صاحب کا مطلقاً تعویذ کے استعمال کو شرک قرار دینا قطعاً یقیناً غلط ہے۔ جائز قسم کے تعویذات سے شفا حاصل کرنا یا مقصد براری چاہنا جائز ہے۔ اس مختصر مقالہ میں ہم نے اسی قسم کے تعویذات کے استعمال کے جواز کو ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق ماننے کی توفیق بخشے...... آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

جائز کلمات سے دم کرنا حدیثوں سے ثابت ہے

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

کنا نرقی فی الجاهلية فقلنا يا رسول الله كيف ترى فی ذلک فقال اعرضوا علی رقاکم لاباس بالرقی مالم یکن فیه شرک

ہم دور جاہلیت میں پھونک جھاڑ کیا کرتے تھے تو ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ پھونک جھاڑ کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا مجھ پر اپنی پھونک جھاڑ پیش کرو، پھونک جھاڑ میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس میں شرک یعنی شرکیہ کلمات نہ ہوں۔ (مسلم شریف جلد دوم ص ۲۳۲، ابوداؤد جلد دوم ص ۱۸۶، مشکوٰۃ شریف جلد دوم ص ۱۰۶)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ماموں بچھو کے کاٹے ہوئے شخص پر پھونک جھاڑ کیا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے پھونک جھاڑ سے منع فرمایا

تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ نے پھونک جھاڑ سے منع فرمایا ہے۔ حالانکہ میں بچھو کے کاٹے ہوئے شخص پر دم کرتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلیفعل تم میں سے جوکوئی اپنے کسی بھائی کو نفع پہنچا سکے وہ اسے نفع پہنچائے۔ (مسلم شریف جلد دوم ص۲۲۴)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بلا شبہ نبی ﷺ جن لفظوں سے دم فرمایا کرتے تھے وہ یہ ہیں:

اذھب الباس رب الناس بیدک الشفاء ولا کاشف لہ الا انت

اے لوگوں کے رب بیماری دور کر دے تیرے ہی ہاتھ میں شفا ہے اور بیماری دور کرنے والا کوئی نہیں مگر تو ہی۔ (مسلم جلد دوم ص۲۳۰ بخاری جلد دوم ص۸۵۵)

اور انہی سے مروی ہے کہ جب گھر میں کوئی شخص بیمار ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ معوذات (قرآن کی آخری دو سورتیں) پڑھ کر اسے دم کیا کرتے تھے سو جب آپ مرض الوفات میں تھے تو میں آپ پر دم کیا کرتی تھی اور حضور ﷺ کے ہاتھ پر دم کر کے اسے آپ کے جسم پر پھیرا کرتی تھی۔ کیونکہ آپ کا اپنا ہاتھ میرے ہاتھ کی نسبت سے زیادہ بابرکت تھا۔ (بخاری ص۸۵۴ مسلم جلد دوم ص۲۳۰)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں ایک لونڈی کے چہرہ میں زرد رنگ کا دھبہ دیکھ کر فرمایا، ''استرقوالہا'' اس کے لئے دم کرنے والے کی تلاش کرو۔ ''فان بہا النظرۃ'' کیونکہ اسے نظر لگ گئی ہے۔ (مشکوٰۃ جلد دوم ص۱۰۶)

الحمدللہ! ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آیات کریمہ یا اذکار متبرکہ سے دم کرنا جیسا کہ ہمارے مشائخ وعلماء کا معمول ہے۔ شرعاً جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے نہ صرف دوسروں کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ آپ خود بھی بیماروں کو دم فرمایا کرتے تھے۔ لہذا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے۔ ''ان

الرقی والتمائم والتولیۃ شرک'' (بلاشبہ پھونک جھاڑ اور تمائم اور تولیہ شرک ہیں) اس سے مراد وہ پھونک جھاڑ اور تعویذات ہیں۔ جن میں شرکیہ الفاظ پائے جائیں جیسا کہ شارحین حدیث نے فرمایا۔ امام فخر الدین زیلعی لکھتے ہیں:

ولابأس بالرقی لانه علیه الصلوٰة والسلام کان یفعل ذالک وما جآء من النهی عنه علیه الصلوٰة والسلام محمول علی رقی الجاهلیة اذا کانوا یرقون بکلمات الکفر الا تری الی ما یروی عن عروة بن مالک رضی الله عنه انه قال کنا فی الجاهلیة نرقی فقلنا یا رسول الله کیف تری فی ذالک فقال اعرضوا علی رقاکم لابأس بالرقی ما لم یکن فیه شرک رواه مسلم وابو داؤد

اور پھونک جھاڑ کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ کام کیا کرتے تھے۔ اور اس بارہ میں جو آپ کی جانب سے ممانعت آئی ہے۔ وہ جاہلیت کی پھونک جھاڑ پر محمول ہے۔ کیونکہ اس دور میں لوگ کلمات کفر کے ساتھ پھونک جھاڑ کرتے تھے۔ کیا تو نہیں دیکھتا اس حدیث کی طرف جو حضرت عروۃ بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا ہم زمانہء جاہلیت میں پھونک جھاڑ کیا کرتے تھے، سو ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ پھونک جھاڑ کے بارہ میں آپ کی رائے کیا ہے؟ فرمایا تم اپنی پھونک جھاڑیں مجھ پر پیش کرو۔ پھر فرمایا پھونک جھاڑ میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس میں شرکیہ کلمات نہ پائے جائیں۔ (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق حصہ ششم ص ۳۳)

لہٰذا اس حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآنی آیات واذکار متبرکہ سے پھونک جھاڑ کو شرک قرار دینا صرف پرلے درجہ کی جہالت ہی نہیں اعلیٰ درجہ کی حماقت بھی ہے۔ امام نووی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے تحت لکھتے ہیں:

وفی هذا الحدیث استحباب الرقیة بالقرآن والاذکار وانما رقی بالمعوذات لانهن جامعات للاستعاذة من کل المکروهات جملة

وتفصیلاً یعنی اس حدیث سے قرآن اوراذکار الٰہی سے پھونک جھاڑ کا استحباب ثابت ہوا اور آنحضرت ﷺ معوذات سے اس لئے دم فرمایا کرتے تھے کہ یہ تمام ناپسندیدہ باتوں سے پناہ چاہنے پر اجمالاً وتفصیلاً مشتمل ہیں۔ (المنہاج جلد دوم ص ۳۳۱)

اور امام عبدالغنی نابلسی حنفی فرماتے ہیں:

قال المازری جمیع الرقی جائزة اذا کانت بآیات اللہ تعالیٰ او بذکره وینهی عنها اذا کانت باللغة العجمیة او بما لایدری معناه لجواز ان یکون فیه کفر یعنی امام مازری نے فرمایا ہے کہ تمام اقسام کے جھاڑ پھونک جائز ہیں بشرطیکہ وہ آیات اوراذکار الٰہیہ پر مشتمل ہوں اور جو جھاڑ پھونک غیر عربی زبان میں ہوں یا جن کے معنی معلوم نہ ہوں ان سے دم کرنے سے روکا جائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ کفریہ کلمات پر مشتمل ہوں۔ (الحدیقۃ الندیہ جلد دوم ص ۵۷۶)

تعویذ لٹکانا صحابیء رسول کی سنت ہے

صحابیء رسول مقبول حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو دفع بے خوابی کے لئے یہ دعاء سکھایا کرتے تھے:

اعوذ بکلمات اللہ التامة من غضبه وشر عباده من همزات الشیاطین وان یحضرون حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے سمجھدار بچوں کو یہ الفاظ سکھایا کرتے تھے اور اس دعاء کو کاغذ میں لکھ کر اپنے بے سمجھ بچوں کے گلے میں لٹکایا کرتے تھے، سنن ابی داؤد کے الفاظ یہ ہیں۔ وکان عبد اللہ بن عمرو یعلمهن من عقل من بنیه ومن لم یعقل کتبه فاعلقه علیه

اور ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

فکان عبد اللہ بن عمرو یلقنها من بلغ من ولده ومن لم یبلغ منهم کتبها فی صک ثم علقها فی عنقه

اور مشکوۃ شریف کے الفاظ یہ ہیں:

وکان عبد اللہ بن عمرو یعلمها من بلغ من ولده ومن لم یبلغ منهم کتبها فی صک ثم علقها فی عنقه رواه ابو داؤد والترمذی وهذا لفظه اھ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حدیث مشکوۃ کا فارسی زبان میں بدیں الفاظ ترجمہ کرتے ہیں:

"وبود عبد اللہ بن عمرو که جد شعیب مذکور است وراوی این حدیث است تعلیم می کرد این کلمات را به کسے که بالغ بود از اولاد وے وکسے بلوغ نرسیده بود از اولاد وے مے نوشت این کلمات را در صک یعنی در کاغذ پاره پستر می آویخت آن کلمات را در گردن او"

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ کلمات اپنی بالغ اولاد کو سکھاتے تھے اور اس دعاء کو کاغذ کے ٹکڑے میں لکھ کر اپنی نابالغ اولاد کی گردن میں لٹکاتے تھے۔ (اشعۃ اللمعات جلد دوم ص ۲۹۰)

الحمد للہ! اس روایت سے ثابت ہوا کہ آیات قرآنیہ یا ادعیہ متبرکہ کاغذ میں لکھ کر بچوں کے گلے میں لٹکانا رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ لہذا یہ عمل جائز ہے۔ ثم الحمد للہ علی ذالک

یہ حدیث فقہاء کے نزدیک مستند ہے

بعض جہلائے زمانہ نے اپنی خودساختہ علتوں کی بناء پر اس حدیث کو ناقابل استناد واعتبار کہا ہے۔ یہ ان لوگوں کی گمراہی اور جہالت ہے۔ ورنہ اجلہ فقہائے کرام نے اس حدیث کو قابل استناد سمجھ کر اس سے تعویذ لٹکانے کے جواز کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ امام ترمذی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں "ہذا حدیث حسن غریب" یہ حدیث حسن غریب ہے۔ غرابت حدیث کا مفہوم شیخ محدث دہلوی ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں:

حدیث صحیح اگر راوی وے یک است آنرا غریب نامند الی ان قال وازیں جا معلوم شود که غرابت منافات بصحت ندارد وحدیث غریب

صحیح می تواند بود چناں کہ ھر یکے از رجال وے ثقاھت باشد

یعنی اگر صحیح حدیث کے کسی سلسلہ سند میں ایک راوی ہوتو اسے غریب کہتے ہیں اور غرابت حدیث صحت حدیث کے منافی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذی کا اس حدیث کوحسن غریب کہنا اس کے ضعف کے لئے نہیں ہے۔لہذا یہ حدیث حسن ہونے کی وجہ سے قابل استناد ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کے ماتحت لکھتے ہیں:

وازیں جا آویختن تعویذات در گردن معلوم می شود وبعضے علمآء را درین اختلاف است. مختار آن است. کہ تعلیق حرزات ومانند آن حرام ومکروہ است. اما اگر قرآن یا اسمآء الٰھی تعالیٰ بنویسند باکے نیست .چنانکہ در رقیہ تفصیل کردہ اند

ترجمہ: اور اس جگہ سے (یعنی اس حدیث سے) گردن میں تعویذات کا لٹکانا (جائز) معلوم ہوتا ہے۔اور بعض علماء کو اس مسئلے میں اختلاف ہے۔اور مختار قول یہ ہے کہ کوڈیاں وغیرہ (گردن میں) لٹکانا حرام اور مکروہ ہے۔لیکن اگر قرآن پاک یا اسماء الٰہی تعالیٰ لکھیں (اور انہیں گردن میں لٹکائیں) تو کوئی ڈر نہیں۔جیسا کہ علماء نے پھونک جھاڑ کے بارہ میں تفصیل بیان فرمائی ہے۔(اشعۃ اللمعات جلد دوم ص ۲۹۰)

اور یہی بزرگ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

ودر آویختن تعویذ در گردن وبستن دربازو نیز بعضے علماء را سخن ست اما آن را سندے از حدیث عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنھما است کہ آنحضرت اورا دعائے برائے دفع بے خوابی آموختہ بود وے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اولاد خود را کہ کلاں بودند بیاموخت وخرداں را نوشتہ در گردن آویخت

ترجمہ: گردن میں تعویذ لٹکانے یا اسے بازو میں باندھنے کے بارہ میں بعض علماء کو کلام ہے۔لیکن اس کے جواز کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث

میں موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں دفع بے خوابی کے لئے ایک دعا سکھائی تو آپ وہ دعا اپنی بڑی اولاد کو سکھاتے تھے اور اسے لکھ کر چھوٹی اولاد کی گردنوں میں لٹکاتے تھے۔ (اشعۃ اللمعات جلد دوم ص ۶۱۰)

اور امام علی قاری لکھتے ہیں:

هذا هو السند فی ما یعقل فی اعناق الصبیان من التعویذات مرقاة

یہ حدیث بچوں کے گلے میں تعویذات لٹکانے کی سند ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۹۷ ج ۱)

اور عارف باللہ امام عبدالغنی نابلسی لکھتے ہیں:

واما التعویذ فلاباس بہ ای هو جائز لاشتماله علی الآیات القرآنیة والادعیة والتوسلات والاذکار الالهیة ولکن ینزعه ای التعویذ عند دخول الخلاء ای بیت البول والغائط لقضاء الحاجة وعند القربان ای جماع زوجة او أمة لما فی ذالک من الاهانة بالتعویذ کذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة

ترجمہ: اور تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں یعنی جائز ہے۔ کیونکہ وہ قرآنی آیات، دعاؤں اور اذکار الٰہی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہاں جب بیت الخلاء میں قضائے حاجت کے لئے جائے یا اپنی بیوی یا لونڈی سے وطی کرنا چاہے تو تعویذ کو اتار دے کیونکہ اس کے نہ اتارنے میں اس کی بے ادبی ہوتی ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ تاتارخانیہ میں مذکور ہے۔ (الحدیقۃ الندیہ جلد دوم ص ۲۵۷)

اور امام ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وفی المجتبیٰ اختلف فی الاستشفاء بالقران بان یقرأ علی الملدوغ الفاتحة او یکتب فی ورق ویعلق علیه او فی طست ویغسل ویسقی وعن النبی ﷺ انه کان یعوذ نفسه قال رضی الله عنه وعلی الجواز عمل الناس الیوم وبه وردت الآثار ولاباس بان یشد الجنب

والحائض التعاويز علی العضد اذا کانت ملفوفة اھ

اور کتاب المجتبیٰ میں ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے شفا طلب کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور وہ اس طرح سے کہ سانپ بچھو کے کاٹے ہوئے شخص پر سورہ فاتحہ پڑھنا یا اسے کاغذ میں لکھ کر گلے میں لٹکانا یا تھالی میں لکھ کر دھو کر اسے پلانا ہو اور آنحضرت ﷺ کے بارہ میں مروی ہے کہ آپ اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے اور آج کل لوگوں کا عمل جواز پر ہے اور اس کے جواز میں روایات موجود ہیں۔ اور اگر جنبی شخص یا حیض والی عورت تعویذ کو کپڑے میں لپیٹ کر بازو پر باندھے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (رد المحتار جلد پنجم ص ۲۵۷)

الحمد للہ! فقہائے کرام کی ان روشن عبارات سے روز روشن سے زیادہ روشن وعیاں ہوا کہ ہمارے مشائخ وعلمائے اہل سنت کے نزدیک قرآنی تعویذات کا استعمال از روئے شرع شریف جائز ہے۔ ولہذا اسے شرک کہنا اور سواد اعظم اہل سنت کو مشرک گردانا سخت بے باکی اور افترائے عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

"وھذا ما عندی والعلم التام عند اللہ العلام عزوجل"

(۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۰۵ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نواں مقالہ

مسجد میں عورتوں کے اجتماعات کی اسلامی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمدوالہ واصحابہ اجمعین .

اما بعد : استفتاء کے عنوان سے مفتی عبدالقیوم صاحب کا ایک فتوی بعنوان۔۔ ''مسجد میں عورتوں کے دینی اجتماعات کی شرعی حیثیت'' ماہنامہ منہاج القرآن لاہور کے ایک شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ چونکہ اس فتویٰ میں مفتی صاحب نے قرآن وسنت کی غلط ترجمانی کی ہے۔اس لیے ہم نے اس کے جواب میں یہ مختصر مقالہ ترتیب دینے کی سعادت حاصل کی ہے۔اللہ تعالیٰ اسے ذریعہ ہدایت بنائے اورشرف قبولیت بخشے۔آمین

مفتی صاحب کا فتویٰ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کا فتویٰ پہلے یہاں نقل کر دیا جائے تاکہ قارئین پر مفتی صاحب کا مؤقف واضح ہو جائے اور حق سمجھنے میں آسانی ہو۔ وباللہ التوفیق .

سوال : کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں وہابی بدعقیدگی پھیلاتے ہیں۔اور آئے دن خواتین کے دروس اپنی مسجد میں کرواتے ہیں۔اس صورت حال میں ہم نے بھی اپنی جامع مسجد میں ماہانہ خواتین کے لیے محفل پاک کا انتظام کیا ہے۔ جہاں پردے کا انتظام ہوتا ہے۔اس دوران کوئی مرد بھی مسجد میں نہیں ہوتا ہے۔بعض احباب نے اس کی مخالفت کی کہ قرآن وحدیث کی رو سے عورت مسجد میں کسی حالت میں بھی نہیں آسکتی اور نہ کوئی عالم دین خطاب کرسکتا ہے۔برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمایئے۔ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ کیا کوئی عالم دین باپردہ خواتین کو براہ راست خطاب کرسکتا ہے۔ (سید اکرام علی شاہ گیلانی لاہور)

جواب : اگر شیطان اپنے گندے جراثیم پھیلا رہے ہیں۔تو آپ اپنے اچھے عقائد کیوں نہیں پھیلاتے۔ذکر کی محفل منعقد کریں۔ میلاد کی مجالس منعقد کریں۔ درس

قرآن وحدیث کا اہتمام کریں۔ وہ تو مخالفت کریں گے۔ آپ نے ان کی رضا دیکھنی ہے یا رب اور رسول ﷺ کی۔ آپ یہ تمام محافل بھی منعقد کریں۔ قرآن وحدیث اور بچوں بچیوں بلکہ عورتوں کی تعلیم وتربیت فوری طور شروع کریں۔ ان جراثیموں پر سپرے کریں۔ اپنی موت آپ مر جائیں گے۔ کوئی کیا کہتا ہے۔ اس کی پرواہ نہ کریں۔

قرآن سے

جو لوگ عورتوں کو مساجد میں عبادت وذکر وفکر کے لیے آنے سے منع کریں ظالم ہیں۔ قرآن کریم میں ہے. **ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها اولئک ما کان لهم ان یدخلوها الا خائفین ط لهم فی الدنیا خزی ولهم فی الاخرة عذاب عظیم** . (البقرة:۲:۱۱۴)

(ترجمہ) اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔ جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام ذکر کرنے سے منع کرے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔ ان لوگوں کو حق نہیں پہنچتا کہ مسجدوں میں جائیں مگر اللہ سے ڈرتے ہوئے۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔ اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

دیکھ لیں مسجد میں اللہ کے ذکر سے منع کرنے والے سب سے بڑے ظالم ہیں۔ مسجدوں کو ویران کرنے والے ہیں۔ مسجدوں کی آبادی اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر سے ہے۔ مسجد میں ہر مسلمان آکر نماز ادا کرسکتا ہے۔ اللہ کا ذکر اور درود وسلام پڑھ سکتا ہے۔ دین کی تبلیغ کرسکتا ہے۔ مرد ہو یا عورت ہاں عورت جن دنوں میں نماز روزہ نہیں کر سکتی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی۔ جیسے مرد نجاست کی حالت میں مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔

احادیث مبارکہ

(۱) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **اذا استاء ذنت امرء اة احدکم الی المسجد فلا یمنعها** . تم میں سے کسی کی بیوی جب مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو

اسے منع نہ کرے۔ (بخاری و مسلم)

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب کہتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اذاشهدت احدیکن المسجدفلا تمس طیبا ۔جب تم میں سے کوئی بی بی مسجد میں جائے تو خوشبو نہ لگائے۔ (مسلم)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ایما امراة اصابت بخورا فلاتشهدمعناالعشاء الاخرة. جس عورت نے عطر لگایا وہ ہمارے ساتھ نماز عشاء میں حاضر نہ ہو۔(مسلم)

(۴) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لاتمنعوا نسائكم المساجد و بيوتهن خير لهن ۔اپنی عورتوں کو مسجدوں سے مت روکو اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں (ابوداود)

(۵) بلال بن عبداللہ بن عمر اپنے والد (عبداللہ بن عمر) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ لاتمنعوا النساء حظوظهن من المساجد اذا استاء ذنتكم فقال له عبدالله اقول قال رسول الله ﷺ وتقول انت لنمنعهن وفی رواية سالم عن ابيه قال فاقبل عليه عبدالله فسبه سبا ماسمعت سبه مثله قط وقال اخبرك عن رسول الله ﷺ وتقول والله لنمنعهن. ۔عورتوں کا مسجدوں میں حصہ مت روکو جب وہ تم سے اجازت مانگیں۔اس پر بلال بن عبداللہ نے کہا۔اللہ کی قسم ہم تو انہیں ضرور منع کریں گے۔اس پر عبداللہ بن عمر نے کہا میں کہتا ہوں رسول اللہ نے فرمایا اور تو کہتا ہے۔ہم انھیں ضرور منع کریں گے۔سالم نے عبداللہ بن عمر سے جو روایت کی اس میں ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اپنے بیٹے بلال کی طرف رخ کر کے اسے اتنا برا بھلا کہا کہ میں نے انھیں ایسا سخت ست کہتے ہوئے کبھی نہ سنا۔اور فرمایا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی خبر دے رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ بخدا ہم ضرور عورتوں کو روکیں گے۔ (مسلم شریف.

(۶) امام احمد کی روایت میں ہے کہ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مرتے دم تک اپنے بیٹے بلال سے بات نہیں کی۔ اللہ و رسول اللہ ﷺ کے ارشادات دیکھو اور منع کرنے والے گمراہوں کی جرات دیکھو۔ نعوذ باللہ۔ قرآن و حدیث کے احکام یہ ہیں۔ جو ہم نے باحوالہ بیان کر دیئے۔ آپ اسی ذوق وشوق سے دینی پروگرام کرتے رہیں اور بے ہودہ لوگوں کے شور شرابے کی طرف بالکل دھیان نہ دیں۔ شیطانی آوازیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ جاہل لوگوں کو یہ تحریر پڑھائیں۔ اگر ہمت کر سکیں تو اسے پمفلٹ کی شکل میں چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کر دیں تا کہ ہر ایک کو فائدہ ہو۔ نیک صحیح العقیدہ باعمل عالم دین بالکل پس پردہ عورتوں سے خطاب کر سکتا ہے۔ اگر عورتیں مناسب پردے کے ساتھ سامنے بھی بیٹھی ہوں تو تعلیمی و تربیتی خطاب کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین اور بزرگان دین مردوں کے ساتھ عورتوں کی تعلیم و تربیت بھی فرماتے تھے۔ مناسب ہوگا کہ عالم دین اور عورتوں کے درمیان پردہ کر کے لیکچر یا خطاب کا بندوبست کر دیا جائے۔ اھ بلفظہ التمام

جواب الجواب بتوفیق اللہ الوہاب عزوجل:

مفتی عبدالقیوم صاحب نے اپنے مندرجہ بالا فتویٰ میں جو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ وہ اسلام کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ بعد کے ادوار سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں عورتوں کو نماز پنجگانہ کی جماعت میں حاضری کے لیے مسجد میں جانے کی جو اجازت دی گئی تھی اس کی دو وجہیں تھیں۔ اول وجہ تو یہ تھی کہ ابتدائے اسلام میں اسلام مکمل طور پر نہیں پھیلا تھا اس لیے ضرورت تھی کہ عورتیں بھی مسجد میں حاضری دے کر اسلام کا علم حاصل کریں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: وقیل لان الغرض من حضورھن کان لیتعلمن الشرائع ولا احتیاج الی ذلک فی زماننا لشیوعها

والستر لهن اولی ۔اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ابتدائے اسلام کے دور میں عورتوں میں فتنہ وفساد ظاہر نہیں ہوا تھا۔اس دور کی عورتوں میں خدا خوفی تھی۔ وہ شریعت کی پابند تھیں اور شرم وحیاء ان میں اعلیٰ درجہ کا پایا جاتا تھا۔ جبکہ ہمارے زمانے کی عورتوں میں فتنہ ظاہر ہو گیا ہے۔ ولہذا آج کل عورتیں مسجد کی حاضری سے روک دی گئی ہیں۔امام بدرالدین عینی لکھتے ہیں: عورتیں سب نمازوں کی جماعتوں میں حاضر نہ ہوں گی اور اس حکم میں جوان اور بوڑھی عورتیں سب برابر ہیں۔اور یہ متاخرین فقہاء کا قول ہے۔اور اس ممانعت کی وجہ سے ہمارے زمانے میں مختار قول یہی ہے کہ ہر قسم کی عورتوں کے لیے ہر قسم کی نمازوں میں مسجد کو جانا منع ہے۔اور اسی تغیر زمانہ کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ وہ حالت دیکھ لیتے جو ہم نے دیکھی ہے۔تو عورتوں کو مسجدوں سے منع فرما دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو منع کر دیا تھا۔عورتوں نے بعد کے دور میں جو کام ایجاد کر لیے تھے۔ان میں زیب وزینت پکڑنا،خوشبو لگانا اور زیورات پہننا ہے۔ ولہذا منعھن عمر رضی اللہ عنہ۔اسی تغیر کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیا تھا اور اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زمانے کے بدلنے سے شرعی احکام بدل جایا کرتے ہیں۔جیسا کہ ہمارے زمانے میں مسجدوں کو تالہ لگانا جائز ہے۔ (تبیین الحقائق ص۱۴۰ ج۱)

اور امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ عنایہ امام اکمل الدین میں ہے کہ عورتیں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے گئیں تو آپ نے فرمایا۔ اگر زمانہ اقدس میں یہ حالت ہوتی تو حضور ﷺ عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے حیث قال ولقد نهى عمر رضى الله عنه النساء من الخروج الى المساجد فشكون الى عائشة رضى الله تعالى عنها قالت لو علم النبى ﷺ ما علم عمر ما اذن لكن فى الخروج. (فتاوی رضویہ جلد چہارم ص۱۷۰)

(ترجمہ) جیسا کہ امام اکمل الدین بابرتی نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجدوں کی طرف نکلنے سے روکا تو عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے گئیں آپ نے فرمایا جو کچھ عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا اگر اسے رسول اللہ ﷺ دیکھ لیتے تو تمہیں نکلنے کی اجازت نہ دیتے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہء راشد میں چونکہ عورتوں میں تبدیلی ظاہر ہو گئی تھی اس لیے فتنہ کی بندش کے لیے آپ نے انہیں مسجدوں کی طرف نکلنے سے روک دیا تھا۔ اس ممانعت کی بنا پر ہمارے تمام فقہائے حنفیہ نے نوجوان عورتوں کو مطلقاً مسجد کی طرف نکلنے سے روک دیا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بوڑھی عورتوں کو دن کی نمازوں کے لیے نکلنے سے روکا اور رات کی نمازوں کے لیے نکلنے کی اجازت دے دی۔ اعلیٰ حضرت بریلوی امام اکمل الدین بابرتی کے عنایہ شرح ہدایہ سے ناقل کہ امام بابرتی نے فرمایا۔ **فاحتج به علماء نا منعو الشواب من الخروج مطلقا اما العجائز فمنعهن ابو حنيفة رضي الله عنه من الخروج في الظهر و العصر دون الفجر والمغرب والعشاء** ۔ پس ہمارے علماء نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس ممانعت سے دلیل پکڑی ہے۔ سوانہوں نے جوان عورتوں کو مطلقاً نکلنے سے منع فرما دیا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بوڑھی عورتوں کو ظہر وعصر کی نمازوں کے لیے نکلنے سے روکا اور باقی نمازوں کے لیے نکلنے کی اجازت دی۔ (فتاوی رضویہ جلد چہارم ص ۱۷۰)

صاحبین کا قول:

اور بوڑھی عورتوں کے بارے میں صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد کا قول یہ ہے کہ وہ سب نمازوں کے لیے نکل سکتی ہیں۔ امام حدادیمنی لکھتے ہیں۔ **واما عندهما فتخرج في الصلوات كلها لانه لا فتنه لقلة الرغبة فيهن** ۔ اور صاحبین کے

نزدیک بوڑھی عورتیں سب نمازوں کے لیے نکل سکتی ہیں۔ کیونکہ ان کے حق میں کوئی فتنہ موجود نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں رغبت بہت ہی کم ہوتی ہے۔ (جوہرہ نیرہ جلد اول ص۷۲)

علماءِ متاخرین کا قول

امام اعظم اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے زمانے کے بعد جب بوڑھی عورتوں میں بھی جوان عورتوں جیسی عادتیں ظاہر ہونے لگیں تو علماء متاخرین نے جوان عورتوں کی طرح بوڑھی عورتوں کو بھی ہر قسم کی نمازوں کے لیے نکلنے سے روک دیا۔ چونکہ آج تک ہر قسم کی عورتوں میں فتنہ ترقی ہی کرتا رہا ہے۔ اس لیے متاخرین علماء کا یہی قول آج بھی مختار و معتمد ہوگا۔ آج کل اس قول کو چھوڑنا اور عورتوں کو گھروں سے باہر نکلنے کی کھلی چھٹی دینا سراسر گمراہی ہوگی۔ مفتی صاحب کے ملاحظہ کے لیے علماء متاخرین کے قول کے بارے میں چند حوالہ جات یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) امام حدادیمنی لکھتے ہیں۔ الفتوی الیوم علی الکراهة فی الصلوات کلها لظهور الفسق فی هذا الزمان ۔ اور آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا نکلنا تمام نمازوں میں مکروہ ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں فسق و فجور ظاہر ہوگیا ہے۔ (جوہرہ نیرہ جلد اول ص۷۲)

(۲) امام عینی لکھتے ہیں:۔ ولا یحضرن الجماعات یعنی فی الصلوات کلها ویستوی فیه الشواب والعجائز وهوقول المتاء خرین لظهور الفساد فی زماننا ۔ اور عورتیں جماعتوں میں یعنی تمام نمازوں میں (مسجد میں) حاضر نہ ہوں گی۔ اور اس حکم میں جوان اور بوڑھی سب عورتیں برابر ہیں۔ اور یہ متاءخرین علماء کا قول ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانے میں فساد ظاہر ہوگیا۔ (تبیین الحقائق جلد اول ص۳۹)

(۳) صاحب بحرالرائق لکھتے ہیں۔ قال المصنف فی الکافی

والفتوی الیوم علی الکراهة فی الصلاة کلها لظهور الفساد ومتی کره حضور المسجد للصلوٰة فلان یکره حضورهن مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء اولی ذکره فخر الاسلام اهـ اور صاحب کنز الدقائق نے اپنی کتاب کافی میں فرمایا ہے۔ آج کل فتویٰ اس قول پر ہے کہ تمام نمازوں میں عورتوں کے نکلنے میں کراہت ہے۔ کیونکہ فساد ظاہر ہوگیا ہے۔ اور جب عورتوں کے نماز کی خاطر مسجد کی حاضری مکروہ ہے۔ تو مجالس وعظ میں ان کی حاضری بدرجہ اولی مکروہ ہوگی۔ خصوصاً آج کل کے ان جاہلوں کے پاس جو علماء کے لبادہ میں ہوتے ہیں۔ یہ بات امام فخر الاسلام نے ذکر فرمائی ہے۔ (بحر الرائق جلد اول ص ۳۵۸)

مسجد میں عورتوں کی جماعت مکروہ ہے

جس طرح مسجد میں مردوں کی جماعت میں عورتوں کا شامل ہونا مکروہ ہے۔ خواہ عورتوں کی یہ جماعت مسجد میں قائم کی گئی ہو یا مسجد سے باہر۔ درمختار میں ہے۔ ویکرہ تحریما جماعة النساء ولو فی التراویح۔ اور عورتوں کی جماعت اگرچہ تراویح میں ہو مکروہ تحریمی ہے۔ (درمختار جلد اول ص ۴۱۸)

علامہ شامی لکھتے ہیں۔ قوله ویکره تحریما صرح به فی الفتح والبحر۔ امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں اور امام ابن نجیم نے بحر الرائق میں عورتوں کی جماعت کے مکروہ تحریمی ہونے کی تصریح کی ہے۔ (ردالمحتار ص ۴۱۹ جلد اول)

مجالس وعظ میں عورتوں کی حاضری بدرجہء اولی مکروہ ہے

اس دور فتنہ وفساد میں جب علماء متاخرین نے تمام عورتوں کو تمام نمازوں میں نکلنے سے منع کر دیا تو عورتوں کا مجالس وعظ میں نکلنا بدرجہء اولی منع ہوگا۔ امام فخر الاسلام کا ارشاد ابھی اوپر گزرا۔ اور علامہ ابن عابدین شامی کتاب نہر الفائق سے نقل کرتے

ہیں۔ واذا منعت عن حضور الجماعة فمنعها من حضور الوعظ والاستسقاء اولی وادخله العینی رحمه الله فی الجماعات وماقلنا اولی. اور جب عورتوں کو جماعت کی حاضری سے منع کر دیا گیا تو وعظ اور نماز استسقاء میں ان کی حاضری بدرجہ اولی منع ہوگی۔ اور علامہ عینی نے وعظ کی مجلس میں حاضری کو جماعات کی حاضری میں شامل کیا ہے۔ اور بہتر وہ ہے۔ جو ہم نے کہا ہے۔ یعنی وعظ کا مجمع الجماعات میں داخل نہیں بلکہ الجماعات کی حاضری کی ممانعت سے اسکی حاضری کی ممانعت بدرجہ اولی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (منح الخالق ص ۳۵۹ جلد اول)

علامہ بدر الدین عینی کی اصل عبارت کے الفاظ یہ ہیں۔ ویدخل فی قوله الجماعات الجمع والاعیاد والاستسقاء ومجالس الوعظ ولاسیما عند الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء وقصدهم الشهوات وتحصیل الدنیا۔ اور صاحب کنز کے قول الجماعات میں جمعہ کی نماز، نماز عیدین، نماز استسقاء اور مجالس وعظ سب داخل ہیں اور خصوصا ان جاہلوں کے پاس جنہوں نے علماء کا لبادہ اوڑھ رکھا ہوتا ہے اور مجالس وعظ سے ان کا مقصد شہوت پوری کرنا اور دنیا کمانا ہوتا ہے۔ (تبیین الحقائق جلد اول ۳۹)

مسجد میں عورتوں کا دینی اجتماع بھی مکروہ ہے

چونکہ مسجد میں عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے مسجد میں عورتوں کا دینی اجتماع بدرجہ اولی مکروہ تحریمی ہوگا۔ امام صدر الشریعہ لکھتے ہیں۔: عورتوں کو کسی نماز میں جماعت کی حاضری جائز نہیں۔ دن کی نماز ہو یا رات کی جمعہ ہو یا عیدین خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھیاں۔ یوں ہی وعظ کی مجالس میں بھی جانا ناجائز ہے۔ (درمختار۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۳۱) ولہذا مفتی عبد القیوم صاحب کا عورتوں کے اجتماع کو مسجد میں جائز قرار دینا سراسر غلطی ہے۔ اللہ تعالی حق قبول کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

عورتوں کامطلقاً اجتماع شرع کوناپسند ہے

صرف یہی نہیں کہ مسجد میں عورتوں کے اجتماع کوشرع نے مکروہ قرار دیا ہے۔ بلکہ عورتوں کے ہرقسم کے اجتماع کوشرع شریف نے ناپسند کیا ہے۔اعلی حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔:احادیث ثلاثہ مشار الیہ میں ارشاد ہوا عورتوں کے اجتماع میں خیر نہیں۔ حدیثین اولین میں اس کی علت بیان فرمائی کہ جب وہ اکٹھی ہوتی ہیں۔ بے ہودہ باتیں کرتی ہیں۔ حدیث ثالث میں فرمایا کہ ان کے جمع ہونے کی مثال ایسی ہے۔
جیسے صیقل گرنے لوہا تپایا آگ ہوگیا کاٹنا شروع کیا۔جس چیز پراس کا پھول پڑا اسے جلا دیا۔رواھن جمیعا الطبرانی فی الکبیر ۔

عورتیں کہ بوجہ نقصان عقل و دین سنگ دل اورامرحق سے کم منفعل ولذا الم یکمل منھن الاقلیل ۔لوہے سے تشبیہ دی گئیں اورشہوات وخلاعات کے ان میں رجال سے سو حصہ زائد مشتعل لوہار کی بھٹی اوران کا محلی بالطبع ہوکراجتماع لوہے اورہتھوڑے کی صحبت سے مشابہ قرار دیا گیا۔اب جو چنگاریاں اڑیں گی ناموس، حیاء، غیرت جس پر پڑیں گی صاف پھونک دیں گی۔سلمی پارسا ہے۔ہاں پارسا ہے۔ وبارک اللہ۔مگر جان برادر! کیا پارسائیں معصوم ہوتی ہیں؟ کیا صحبت بد میں اثرنہیں؟ جب قیموں سے جدا خودسر وآزاد ایک مکان میں جمع اورقیموں کے آنے دیکھنے سے بھی اطمینان حاصل فانما خلقت من ضلع اعوج کج سے بنی کج ہی چلے گی۔آپ ناداں تو شدہ شدہ سیکھ کررنگ بدلے گی جسے تشقیف زناں کی پرواہ نہیں یا حالات زناں سے آگاہ نہیں اول ظالم کا تو نام نہ لیجئے اورثانی صالح سے گزارش کیجئے۔معذور دارمت کہ تو اورا ندیدہ۔اورمجمع زناں کی شناعات وہ ہیں۔لا ینبغی ان تذکرفضلاان تسطر ۔ جسے ان نازک شیشوں کوصدمے سے بچانا ہوتو راہ یہی ہے کہ شیشیاں شیشیاں بے حاجت شرعیہ بھی ملنے نہ پائیں کہ آپ میں مل کربھی ٹھیس کھا جاتی ہیں۔غرض احادیث مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد ہلکا نہیں کہ اجتماع نساء میں خیرواصلاح نہیں۔

آئندہ اختیار بدست مختار۔ (رسالہ مروج النجاء لخروج النساء ص ۱۰)

آیت کریمہ کے عموم سے استدلال درست نہیں

مفتی عبدالقیوم صاحب نے آیت کریمہ۔ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ۔ کے عموم سے جو استدلال کیا ہے۔وہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عام مخصوص منہ البعض ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ غیر مسلم لوگ مسجد میں رام رام کہیں تو مسلمان ان کو منع نہ کریں۔مفتی احمد یار خان نعیمی اس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں ۔۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے وقت مسجد میں قفل لگا رکھنا منع ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان کو مسجد میں نماز سے روکنا منع ہے۔کفار کو مسجد سے روکا جا سکتا ہے۔رب فرماتا ہے۔انما المشرکون نجس فلا یقربون المسجد الحرام ۔اسی طرح کسی مسلمان کو شرعی مجبوری کی وجہ سے مسجد سے روکنا جائز ہے۔جیسے جنبی کو،منہ کی بدبو والے کو، لہسن پیاز حقہ کی بو جس کے منہ سے آرہی ہو اس کو نماز سے روکنا نہیں ۔ بلکہ ایذا دینے والی ہر چیز کو مسجد سے دور رکھنا ہے۔جیسے کوڑے کو مسجد سے نکالنا ہے۔(نورالعرفان ص ۲۷)

الحمد للہ ! مفتی صاحب کی اس تشریح سے روز روشن سے زیادہ روشن ہوا کہ عورتوں کو مسجد میں دینی اجتماعات سے روکا جائے گا کہ ان کے اس اجتماع میں فتنہ وفساد کا خوف ہے۔جیسا کہ عورتوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے مسجد میں حاضری جماعت سے روک دیا تھا۔واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔

مفتی صاحب کے فتویٰ کی زد میں اکابرین امت بھی آتے ہیں

مفتی صاحب نے اپنے فتوے کے آخر میں جو لکھا ہے کہ اللہ ورسول ﷺ کے ارشادات دیکھو۔اور منع کرنے والے گمراہوں کی جرأت دیکھو۔اس کی زد میں معاذ اللہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا،حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ،صاحبین اور جملہ حنفی فقہاء وعلماء بھی آتے ہیں۔ولہذا مفتی صاحب پر شرعا اس قول بدتر از

بول سے فوراً توبہ کرنا شرعاً فرض ہے۔ ورنہ اس فتوی کی وجہ سے جو جو مسلمان گمراہ ہوں گے ان کی گمراہی کا وبال بھی مفتی صاحب کے سر پڑے گا۔ اللہ تعالی حق سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق بخشے۔

اجتماعات میں تحریکی خواتین کی غیر شرعی شرکت

تحریکی جماعت میں مفتی عبد القیوم خان صاحب جیسے مہربانوں کی وجہ سے اس جماعت کی خواتین کے اجتماعات میں غیر شرعی شرکت کے مناظر اکثر و بیشتر دیکھنے میں آتے ہیں۔ بمقام تعجب ہے کہ جو لوگ احیاء اسلام کے داعی اور مصطفوی انقلاب کے علم بردار بنتے ہیں وہی خلاف اسلام کاموں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالی ان نام نہاد مصلحین امت سے مسلمانوں کو بچائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ.

وهذا ما آخر ما أردنا ايراده في هذا المقالة المختصرة تقبلها الله تعالى بمنه العظيم ورسوله الكريم ﷺ ۔

(۱۱رجب المرجب ۱۴۲۰ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دسواں مقالہ

اکابر نقشبندیہ اور ذکر بالجہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد!

اس مختصر مقالہ ''اکابر نقشبندیہ اور ذکر بالجہر'' میں نقشبندی اکابرین کے نزدیک ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت لکھنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو ذریعہ ہدایت بنائے۔ (آمین)

نماز باجماعت کے بعد ذکر بالجہر سنت ہے

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت کے فوراً بعد کلمہ طیبہ یا درود شریف وغیرہ اذکار الٰہی بآواز بلند پڑھنا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری شریف باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے غلام ابو معبد کو خبر دی کہ:

ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عهد النبی ﷺ بلاشبہ لوگوں کا نماز باجماعت کے فوراً بعد ذکر الٰہی بآواز بلند کرنا نبی ﷺ کے عہد میں موجود تھا۔ (بخاری شریف ص ۱۱۶ جلد اول)

اور مسلم شریف باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ میں مروی ہے کہ:

کان ابن الزبیر یقول فی دبر کل صلوٰۃ حین یسلم لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وهو علی کل شئ قدیر لا حول ولا قوۃ الا باللہ لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ لہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون"

یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب سلام پھیرتے تو ہر نماز کے بعد کلمہ توحید وغیرہ پڑھتے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے (صحیح مسلم جلد اول ص ۲۳۸)

اور مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی اس روایت میں بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ کی زیادتی موجود ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلمہ توحید ہر نماز کے بعد حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ بلند آوازی سے پڑھا کرتے تھے، لہذا ہر نماز باجماعت کے بعد بلند آوازی سے کلمہ پڑھنے والے مسلمان سنت مصطفیٰ وصحابہ کے عامل ہیں۔ والحمد للہ علی ذلک۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا استدلال

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل پکڑتے ہوئے لکھتے ہیں۔ این حدیث صریح است در جهر بذکر که آنحضرت بآواز بلند می خواند. یہ حدیث (مشکوٰۃ) اس بارہ میں صریح ہے کہ آنحضرت ﷺ ذکر بالجہر کرتے تھے۔ پھر اس مسئلہ میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وحق آن است که اوقات مختلف است گاهے ذوق وحضور در اخفاء دست دهد وگاهے در جهر شوق وگرامی افزاید وجهر بذکر مشروع است بلاشبه اور حق بات یہ ہے کہ اوقات مختلف ہیں کبھی خفی ذکر میں ذوق اور حضوری حاصل ہوتی ہے۔ اور کبھی جہری ذکر میں شوق اور گرمی بڑھ جاتی ہے۔ اور ذکر بالجہر بلاشبہ جائز ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۴۱۹)

اور حاشیہ مشکوٰۃ میں انہی کی عربی شرح لمعات سے اس حدیث کے ماتحت لکھا ہے قد ثبت شرعية الجهر بالذكر على الاطلاق وبعد الصلوٰة وردت فيه احاديث كما سيجئ ہر حال میں اور نماز کے بعد آواز بلند ذکر کرنے کا جواز ثابت ہو چکا ہے۔ عنقریب اس بارہ میں احادیث بیان ہوں گی۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۱)

الحمد للہ! اس بیان سے روز روشن کی طرح روشن ہوا کہ نماز باجماعت کے بعد باہم مل کر بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ذکر کرنا سنت مصطفیٰ ﷺ وسنت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین ہے۔ وھو المقصود والحمد للہ علی ذالک۔

متقدمین نقشبندیہ اور ذکر بالجہر

''متقدمین نقشبندی اکابر ذکر بالجہر سے منع کرتے ہیں چنانچہ مکتوبات معصومیہ میں ہے اگر مشرب صوفیہ علیہ ترک تعرض بودے چرا حضرت خواجہ نقشبند کہ از روسائے صوفیہ اند ورأس این طریقہ علیہ بہ پیر خود حضرت امیر کلال کہ جائے ادب بود واحق بودند بعدم تعرض در باب ذکر جہر کہ طریقہ امیر بود امر معروف کردند وعلمائے بخارا را جمع نمودہ پیش ایشاں بردند وایشاں از راہ حسن نشاۃ مسلمانی وکمال حقانیت گفتہ حضرت خواجہ را قبول کردند وجہر را در ذکر گذاشتند چنانچہ منقول است۔

یعنی اگر کسی سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا صوفیائے کرام کا طریقہ ہوتا تو پھر کیوں حضرت خواجہ نقشبند نے کہ وہ صوفیاء کے سردار اور اس طریقہ عالیہ کے سربراہ ہیں اپنے پیر حضرت امیر کلال کہ وہ جائے ادب اور چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کے زیادہ حق دار تھے ذکر بالجہر کے مسئلہ میں امر بالمعروف کیا اور بخارا کے علماء کو جمع کر کے حضرت خواجہ کی خدمت میں لے گئے حضرت امیر کلال نے جب علماء کی زبان سے مسئلہ سنا تو ذکر میں جہر کو چھوڑ دیا اور خواجہ نقشبند کی بات کو قبول کر لیا۔ (مکتوبات معصومیہ دفتر اول ص ۵۲)

متاخرین نقشبندیہ اور ذکر بالجہر

متاخرین نقشبندیہ کے دو گروہ ہیں ایک گروہ متقدمین نقشبندیہ کے طریقہ پر سختی سے عمل کرتا ہے۔ اور متقدمین کے طریقہ میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو جائز نہیں مانتا اس طبقہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ذکر بالجہر کو منع بلکہ بدعت بتاتے ہیں اور دوسرا گروہ ذکر بالجہر کو مطلقاً جائز قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی مشروعیت شرع شریف سے ثابت ہے۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارات ابھی گذریں۔

متقدمین نقشبندیہ کے قول کی تاویل

مجوزین نقشبندی بزرگوں نے متقدمین نقشبندی بزرگوں کے قول کی یہ تاویل کی ہے کہ ہمارے بزرگ صرف اس موقع پر ذکر بالجہر کو منع کرتے ہیں جس موقع میں جہر سنت سے ثابت نہیں ورنہ جہاں سنت سے جہر ثابت ہے۔ وہاں جہر منع نہیں ہوگا بلکہ جائز ہوگا کیونکہ جو شےء سنت سے ثابت ہو وہ منع کیونکر ہوسکتی ہے۔ لہذا یہ کہنا پڑے گا کہ ہمارے اکابر متقدمین ذکر بالجہر کو منع کرتے ہیں لیکن جہاں جہر سنت سے ثابت ہے وہاں جہر کی اجازت دیتے ہیں۔

شیخ عبدالحق نقشبندی بزرگ ہیں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور ان کے پیر بھائی ہیں۔ دونوں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ چنانچہ مکتوبات شریف کے حاشیہ میں ہے۔

بدان کہ مولانا شیخ عبد الحق محدث بخاری الاصل اند ودھلوی المتوطن علم حدیث از مشائخ حرمین شریفین سر گرفته اندودر خدمت این علم شریف بعد از حصول اجازت در مقام استقامت نشست اشاعت نموده اند. از خلفائے خواجه محمد الباقی قدس سره هم پیر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اسرارهم اند

جاننا چاہئے کہ مولانا شیخ عبدالحق محدث بخاری الاصل دہلوی المتوطن ہیں حرمین شریفین کے مشائخ سے علم حدیث حاصل کیا اور ان سے حصول اجازت کے بعد استقامت کے ساتھ علم حدیث کی اشاعت فرمائی۔ آپ حضرت خواجہ محمد باقی کے خلفاء میں سے ہیں اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے پیر بھائی ہیں۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول ص ۲۲۴ حاشیہ نمبر۲)

شیخ عبدالحق نے متقدمین کے قول کی تاویل پیش کی ہے

حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ اور حضرت مجدد الف ثانی کے پیر بھائی شیخ عبدالحق محدث دہلوی متقدمین نقشبندیہ کے قول کی مندرجہ بالا تاویل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بہ تحقیق جہر کردہ است آنحضرت باذکار وادعیہ در مواطن کثیرہ چنانکہ در حفر خندق وحمل سنگ وخشت برائے مسجد وجز آن وہم چنیں آنچہ آمدہ است از سلف صحابہ ومن بعدہم وہمہ اینہا دلالت دارد بر جواز جہر واجتماع برائے ذکر ولیکن این ہا در قضایائے مخصوصہ است احتمال اختصاص بآن مواضع کہ واقع اند در آن دارد پس آنکہ نظر کرد بجانب معنی وعلت اجازت کرد آنرا علی العموم وآنکہ نظر بر خصوص کرد قصر کرد آنہارا بر مواردش

تحقیق آنحضرت ﷺ نے بہت سی جگہوں میں اذکار وادعیہ کے پڑھنے میں جہر کیا ہے۔ جیسا کہ خندق کھودنے میں اور مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے پتھر اور اینٹ اٹھانے میں آپ نے بلند آواز سے ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح صحابہ اور سلف صالحین سے جو منقول ہوا کہ انہوں نے ذکر بالجہر کیا ہے۔ یہ ذکر بالجہر اور ذکر کے لئے جمع ہونے کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن یہ ذکر بالجہر مخصوص مقامات میں پایا گیا ہے۔ اس لئے احتمال ہے کہ یہ انہی مقامات کے ساتھ خاص ہو پس جن بزرگوں نے علت اور معنی دونوں کو دیکھا انہوں نے علی العموم ذکر بالجہر کی اجازت دی اور جنہوں نے خصوص پر نظر کی انہوں نے ذکر بالجہر کے جواز کو اس کے موارد پر منحصر کیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۷۸)

شیخ عبدالحق مجوزین طبقہ میں سے ہیں:

متقدمین نقشبندیہ کے قول کی تاویل لکھنے کے بعد شیخ اپنا ذاتی مسلک ان الفاظ میں ... کرتے ہیں۔ وطریق اول موافق است بمقاصد شرع ومطالب آن ...

ظاهر گشت از آنچه مذکور شد صحت آنچه استحسان کرده اند بعضے مشائخ صوفیه آنرا از اجتماع برائے ذکر وحزب واحد وحلقه بستن برائے آن۔

اور پہلا طریقہ (یعنی علی العموم ذکر بالجہر کا جواز) مقاصد ومطالب شرع کے موافق ہے۔ پس یہاں تک جو کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض صوفی مشائخ جو ذکر بالجہر کے لئے جمع ہونے اور حلقہ باندھنے کو مستحسن قرار دیتے ہیں یہ درستی پر ہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۷۸)

مجدد صاحب کے اقوال میں بھی تاویل مانی جائے گی

جب یہ ثابت ہوگیا کہ متقدمین نقشبندیہ کے قول میں تاویل کی گئی ہے تو لامحالہ مجدد صاحب کے قول میں بھی یہ تاویل کرنی پڑے گی۔ کیونکہ جب ان کا قول متقدمین نقشبندیہ کے قول کی موافقت کی وجہ سے ہے تو پھر ان میں تاویل مجدد صاحب کے قول میں تاویل کو لازم کرتی ہے۔ والحمد لله علي ذالک.

دبارِ صلوٰۃ ذکر بالجہر کے مواقع مخصوصہ میں داخل ہے

متقدمین نقشبندیہ کے قول سے جو مواقع مستثنٰی اور خاص کئے گئے ہیں ان میں نماز جماعت کے بعد ذکر بالجہر بھی شامل ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

جهر ذکر در تکبیرات عید وادبار صلوٰة ودر ثغور واسفار وجزء آن نیز ...ل آن است

ذکر بالجہر کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عید کی تکبیروں میں جہر ہے۔ اور نماز کے بعد ذکر الٰہی میں جہر ہے۔ اور سرحدوں کو سر کرنے اور سفر کرنے میں ذکر بالجہر موجود ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۷۸)

الحمد للہ! شیخ عبدالحق کی یہ عبارت صراحۃً ثابت کر رہی ہے کہ متقدمین نقشبندیہ

نے جن مواقع میں ذکر بالجہر کو سنت سے ثابت ہونے کی وجہ سے ذکر بالجہر کی ممانعت کے مواقع سے مستثنیٰ و خاص کیا ہے۔ ان میں بعد نماز ذکر بالجہر بھی داخل ہے۔ والحمد لله علیٰ ذالک۔

مجدد صاحب کی عبارات بھی ذکر بالجہر بعد صلوات سے غیر متعلق ہیں

جب یہ معلوم ہوگیا کہ نماز کے بعد ذکر بالجہر بھی متقدمین نقشبندیہ کے قول منع سے مستثنیٰ ہے۔ تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ ذکر حضرت مجدد الف ثانی کی عبارات سے بھی مستثنیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکتوبات شریف کے مصحح نے شیخ عبدالحق کی یہ عبارت مجدد صاحب کے ایک قول کے حاشیہ میں درج کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

قوله بلکه ذکر جهر را بدعت دانسته منع آن فرموده اند) بدانکه ذکر جهر در قضایائے مخصوصه ودر وقائع معینه واقع شده است چنانچه در آذان وخطبه جمعه وحج وتکبیرات تشریق وادبار صلوٰة وثغور واسفار وحفر خندق وحمل سنگ وخشت برائے مسجد نبوی وجز آن در مواطن کثیره ولیکن احتمال اختصاص بآن مواضع وموارد دارد پس آنکه نظر کرد بجانب علت ومعنی اجازت کرد آن را علی العموم وآنکه نظر بر خصوص کرد قصر کرد آنرا بر مواردش ویحتمل که مراد شیخ قدس سره منع از جهر مفرط بود نه جهر مطلق قال علیه الصلوٰة والسلام ایها الناس اربعوعلی انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولا غائباً وقال تعالیٰ واذکر ربک فی نفسک

جاننا چاہئے کہ ذکر بالجہر مخصوص موقعوں پر معین جگہوں میں واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ آذان خطبہ، جمعہ وخطبہ، حج، تکبیرات تشریق، با جماعت نمازوں کے پیچھے، سرحد بندی اور فوج کے کوچ کرنے کے وقت اور خندق کھودنے میں اور مسجد نبوی کے لئے پتھر اور اینٹیں

اٹھانے میں اور اس کے علاوہ اور بہت سے جگہوں میں ذکر جہر واقع ہوا ہے۔لیکن اس بات کا احتمال ہے کہ ذکر بالجہر ان ہی مواقع ومواضع سے مخصوص ہے۔ پس جن لوگوں نے علت اور معنی دونوں کو دیکھا انہوں نے علی العموم ذکر بالجہر کی اجازت دے دی اور جنہوں نے مواضع کے خصوص پر نظر کی انہوں نے اسے اپنے مواضع پر منحصر قرار دیا ہے۔اور پھر شیخ کے کلام میں یہ بھی احتمال موجود ہے کہ آپ مطلق جہر سے منع کرنے کی بجائے جہر مفرط سے منع کرتے ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اپنی جانوں پر شفقت کرو کیونکہ تم بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور یاد کر اپنے رب کو اپنے دل میں۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربانی ج ا ص ۴۹۱)

الحمد للہ! یہاں تک جو کچھ پیش کیا گیا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ نماز با جماعت کے بعد جو ذکر الٰہی بلند آواز سے کیا جاتا ہے وہ متأخرین نقشبندیہ کے دونوں گروہوں کے نزدیک جائز ہے۔ جو علی العموم جواز کا قول کرتے ہیں ان کے نزدیک اس کا جواز تو ظاہر ہے۔اور جو مواضع وموارد پر منحصر کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ جائز ہے۔ کیونکہ ان مواضع وموارد میں ادبار صلوٰۃ بالتصریح شامل ہے۔پس مجددی حضرات کو بھی اس ذکر جہر میں بلا جھجک شامل ہونا چاہئے اور مجدد صاحب کی عبارات کو بلا سوچے سمجھے پڑھنے کی بجائے غور وفکر سے پڑھنا چاہئے۔

وهذا آخر ما اردنا ايراده في هذه المقالة النافعة تقبلها الله تعالىٰ بمنه العظيم ورسوله الكريم صلى الله تعالىٰ عليه وآله واصحابه وبارك وسلم وانا الفقير ابو الكرم احمد حسين قاسم الحيدري الرضوي غفر الله تعالىٰ لي خادم التدريس والتصنيف بالجامعة الحيدرية فضل المدارس ببلدة سهنسه من مضافات آزاد كشمير.

(۲۵ رمضان ۱۴۱۰ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گیارہواں مقالہ

گرمیوں میں نمازِ ظہر کے مسنون وقت کا بیان

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد: آج کل فیصل آباد (پاکستان) کے ایک شخص محمد کریم سلطانی نے ''اصحاب طریقت اور نماز ظہر'' کے نام سے اک پمفلٹ لکھ کر شائع کروایا ہے۔ جس میں اس نے لکھا ہے کہ ''اصحاب طریقت (شکر اللہ سعیھم) نماز ظہر اول وقت میں ادا کرتے ہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ اور کونسا جذبہ کارفرما ہے؟ آیئے اسے سمجھنے کی کوشش کریں''۔ (اصحاب طریقت اور نماز ظہر ص ۵)

پھر چند احادیث مبارکہ نقل کرنے کے بعد لکھا ''یہ بزرگان دین' یہ نفوس قدسیہ جن کی رسائی ظاہر کے پردے کو چیر کر باطن تک ہو جاتی ہے۔ وہ ان فضیلتوں' ان فرامین رسول ﷺ کو کیسے نظر انداز کر دیں۔ ان کا نصب العین سنت مصطفےٰ ﷺ پر چلنا بلکہ اس کا زندہ کرنا ہوتا ہے۔ ان کی کتاب زندگی کا ہر ورق ان کی حیات طیبہ کا ہر لحہ مصطفےٰ کریم ﷺ کی اداؤں پر فریفتہ اور نثار ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک سنت مصطفےٰ ﷺ کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ تو کسی مستحب کو بھی ترک نہیں کرتے۔ یہی وہ پاکیزہ جذبہ ہے جس کے پیش نظر وہ نماز ظہر اول وقت میں ادا کرتے ہیں اور حق بندگی ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں''۔ (اصحاب طریقت اور نماز ظہر ص ۱۵)

پھر اس نے بلا دلیل یہ دعوی لکھا ہے کہ'' ہمارے سلسلہ شریفہ کے شیخ اکبر اور مقتدائے اعظم مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ظہر کی نماز اول وقت میں ادا فرمایا کرتے تھے اس لئے اگر کوئی مجددی شخص (گرمیوں میں بھی) اول وقت میں نماز ظہر ادا کرتا ہے تو یہ اس کی طریقت کی مجبوری ہے اور ارادت کا تقاضا ہے''۔ (اصحاب طریقت اور نماز ظہر ص ۲۲)

سلطانی صاحب موصوف کی ان عبارات کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ مجددی اصحاب طریقت کے نزدیک پورے سال میں اول وقت میں نماز ظہر پڑھنا ایک طرف سنت

مصطفیٰ ﷺ، سنت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور مستحب ہے اور دوسری طرف طریقت کی مجبوری اور ارادت کا تقاضا ہے اور معاذ اللہ جو حنفی بزرگ گرمیوں کی نماز ظہر ابراد کی حد تک تاخیر کر کے پڑھتے رہے ہیں وہ سنت اور مستحب دونوں کے خلاف پڑھتے رہے ہیں۔ **والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ۔**

علم و دانش کے اس دشمن شخص نے یہ نہیں سوچا کہ اگر گرمیوں میں بھی نماز ظہر اول وقت میں پڑھنا سنت مصطفےٰ اور مستحب ہے تو پھر ایسا کرنے میں طریقت کی کونسی مجبوری اور ارادت کا کونسا تقاضا ہوگا؟ طریقت کی مجبوری تو اسی صورت میں متحقق ہو سکتی ہے کہ گرمیوں کی ظہر میں ابراد و تاخیر کو سنت مصطفےٰ ﷺ مانا جائے اور اس کی تعجیل کو طریقت کی مجبوری کہا جائے۔ بہر حال موسم گرما میں نماز ظہر میں تعجیل نہ ہی سنت مصطفےٰ ﷺ ہے اور نہ ہی مستحب۔

باقی رہا یہ دعوی کہ حضرت مجدد الف ثانی موسم گرما میں بھی اول وقت میں نماز ظہر پڑھا کرتے تھے تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ سلطانی صاحب کے پاس اگر کوئی مستند حوالہ ہوتا تو وہ اسے یہاں ضرور پیش کرتے اور بالفرض اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ آپ اول وقت میں نماز ظہر پڑھتے تھے تو اس میں یہ تاویل کرنا ہوگی کہ نماز ظہر سردیوں میں اول وقت میں اور گرمیوں میں وقت مستحب کے اول حصہ میں پڑھتے تھے۔ چنانچہ مجدد صاحب کی درج ذیل عبارت اسی تاویل کی طرف مشیر ہے۔ بعد از طہور کامل و اسباغ وضو قصد نماز کہ معراج مومن است باید فرمود و اہتمام باید نمود کہ نماز فرض بے جماعت ادا نیابد بلکہ تکبیر اولی با امام ترک نشود و نماز در وقت مستحب ادا یابد۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۲۹۰ مکتوب نمبر ۲۶۶) (ترجمہ) کامل پاکی اور پورے وضو کے بعد ہی نمازی نماز کا کہ وہ مومن کی معراج ہے قصد کرے اور یہ اہتمام کرنا چاہیے کہ فرض نماز جماعت کے بغیر ادا نہ ہو بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اولی فوت نہ ہو اور نماز مستحب وقت میں ادا ہو۔

گرمیوں میں نماز ظہر کیلئے کونسا وقت مستحب ہے؟ اس کی وضاحت میں یہ مقالہ

ترتیب دیا گیا ہے تاکہ سلطانی صاحب کے لکھے ہوئے پمفلٹ کو پڑھنے والے عام مسلمان گمراہی کا شکار نہ ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

نماز ظہر کا مسنون وقت

سارا سال نماز ظہر کو اول وقت میں ادا کرنا سنت مصطفےٰ ﷺ نہیں اور نہ ہی یہ مستحب ہے جیسا کہ اس پمفلٹ کے لکھنے والے سلطانی صاحب کا خیال ہے بلکہ سنت یہ ہے کہ سردیوں کے دنوں میں نماز ظہر اول وقت میں تعجیل کے ساتھ پڑھی جائے اور گرمیوں میں ابراد کی حد تک تاخیر کے ساتھ پڑھی جائے۔ اس کے ثبوت میں معتبر صحیح حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری حضرت ابو خلدہ خالد بن دینار سے روایت بیان کرتے ہیں کہ امیر جمعہ نے نماز جمعہ پڑھانے کے بعد صحابی رسول مقبول حضرت انس رضی اللہ تعالی سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کیسے پڑھا کرتے تھے؟ فرمایا۔ کان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بکر بالصلوۃ واذا اشتد الحر ابرد بالصلوٰۃ یعنی نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب سردی سخت ہو جاتی تو آپ نماز ظہر میں تعجیل فرماتے اور جب گرمی بڑھ جاتی تو اسے ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۴ جامع صغیر للسیوطی ج ۲ ص ۱۰۲)

(۲) اور محدث نسائی نے اس حدیث کو ان لفظوں میں روایت کیا۔ عن انس رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا کان الحر ابرد بالصلوۃ واذا کان البرد عجل۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب گرمی ہوتی رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کو ٹھنڈا کرتے اور جب سردی ہوتی تو اسے جلدی ادا فرماتے تھے۔
(سنن نسائی ج ۱ ص ۸۷، مشکوۃ شریف ج ۱ ص ۵۷، شرح معانی الآثار ص ۱۲۹ ج ۱)

(۳) صحابی رسول حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے

دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھتے اور گرمیوں میں تاخیر سے ادا فرماتے تھے۔ (شرح معانی الآ ثار ج ۱ ص ۱۲۹)

(۴) امام ملک العلماء مسعود کاشانی لکھتے ہیں **وروی عن النبی ﷺ انہ قال لمعاذ رضی اللہ عنہ حین وجھہ الی الیمن اذا کان الصیف فابرد بالظھر فان الناس یقیلون فامھلم حتی یدرکوا واذا کان المشتآء فصل الظھر حین تزول الشمس فان اللیالی طوال.** (ترجمہ) اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجنا چاہا تو انہیں یہ حکم دیا کہ جب گرمی ہو تو تم ظہر کو ٹھنڈا کرو کیونکہ لوگ قیلولہ کرتے ہیں سو تم انہیں اتنی مہلت دو کہ وہ جماعت میں شامل ہو جائیں اور جب سردی ہو تو زوال کے بعد نماز پڑھو کیونکہ سردیوں میں راتیں لمبی ہوتی ہیں۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۲۵)

الحمد للہ! ان چار حدیثوں سے ثابت ہوا کہ نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ گرمیوں میں نماز ظہر ابراد کی حد تک تاخیر کے ساتھ پڑھتے تھے بلکہ آپ مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے کا حکم عام دیا کرتے تھے۔ گرمیوں میں نماز ظہر کی تاخیر اور ابراد کی حد تک دیر کرنے کی وجہ بھی خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی آپ فرماتے ہیں۔ **اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوۃ فان شدۃ الحر من فیح جھنم.** جب گرمی بڑھ جائے تو تم نماز ظہر کو ٹھنڈا کرو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی گرمی کے جوش سے ہے۔ **رواہ احمد والشیخان وابو داؤد والترمذی والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ وھذا حدیث صحیح** ۔ (جامع صغیر للسیوطی ص ۱۹ ج ۱)

فقہائے احناف کی تصریحات

چونکہ رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ سردیوں میں تعجیل سے اور گرمیوں میں ابراد کی حد تک تاخیر سے نماز ظہر ادا فرماتے تھے اور اسی کا حکم اپنی امت کو بھی دیتے

تھے۔ اس لئے ہمارے فقہاء احناف کے نزدیک بھی گرمیوں میں ابراد کی حد تک نماز ظہر میں تاخیر مستحب ہے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) محرر مذہب حنفی امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں۔ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انہ قال ابردوا بالظهر عن فيح جهنم قال محمد يوخر الظهر في الصيف حتى تبرد بها وتصلى في الشتآء حين تزول الشمس وهو قول ابى حنيفه. (ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا نماز ظہر کو جہنم کی گرمی کے جوش سے ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ گرمیوں میں نماز ظہر کو مؤخر کیا جائے یہاں تک کہ وہ ٹھنڈک میں پڑھی جائے اور سردیوں میں زوال کے بعد پڑھی جائے اور یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ (کتاب الآثار ص ۲۶)

(۲) امام ملک العلماء کاشانی لکھتے ہیں۔ واما في الظهر فالمستحب هو آخر الوقت في الصيف واوله في الشتآء. اور نماز ظہر میں مستحب یہ ہے کہ گرمیوں میں اپنے وقت کے آخری حصہ میں اور سردیوں میں اس کے پہلے حصہ میں ادا کی جائے۔ (بدائع الصنائع ج ا ص ۱۲۵)

(۳) اور امام ابو الاخلاص شرنبلالی لکھتے ہیں۔ يستحب الابراد بالظهر في الصيف وتعجيله في الشتآء۔ اور نماز ظہر گرمیوں میں ابراد میں اور سردیوں میں تعجیل کے ساتھ مستحب ہے۔ (مراقی الفلاح ص ۹۸)

(۴) امام برہان الدین لکھتے ہیں۔ ويستحب الابراد بالظهر في الصيف وتقديمه في الشتآء لما روينا ولرواية انس رضى الله عنه. اور گرمیوں کی ظہر میں ابراد مستحب ہے اور سردیوں میں اس کی تعجیل۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظہر کو ٹھنڈا کرو اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب سردی بڑھ جاتی تو آپ نماز ظہر کو جلدی پڑھ لیتے تھے اور جب گرمی بڑھ جاتی تو آپ اسے ٹھنڈا کرتے تھے۔ (ہدایہ شریف ج ا ص ۸۲)

تنبیہ

کنز الدقائق وغیرہ کتب میں مطلق تاخیر کو ذکر کیا گیا ہے اس سے ابراد کی حد تک تاخیر مراد ہے ۔ مطلق تاخیر نہیں جیسا کہ اس کی شروح بحر الرائق' تبین الحقائق اور رمز الحقائق وغیرھا میں تشریح کر دی گئی ہے ۔ لہذا بعض کم فہم لوگوں کا گرمیوں کی ظہر میں مطلق تاخیر کو مستحب ماننا اور اس بناء پر یہ کہنا کہ زوال کے آدھ پون گھنٹہ بعد ظہر پڑھی جائے تو ابراد کا استحباب حاصل ہو جاتا ہے سخت مغالطہ دہی ہے ۔ فقہائے احناف کی مندرجہ بالا عبارات سے ثابت ہوا کہ مطلق تاخیر مراد نہیں بلکہ ابراد کی حد تک تاخیر مراد ہے اور وہ وقت ظہر کے نصف آخر سے پہلے پائی نہیں جاتی ۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق بخشے ۔ آمین

اعلیٰ حضرت کا فتویٰ

اعلیٰ حضرت اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں ۔ موسم گرما میں ظہر کا ابراد کر کے پڑھنا مستحب ہے تمام کتب حنفیہ میں یہ معنی مصرح اور اول وقت پڑھنا رسول اللہ ﷺ کے حکم اقدس سے عدول کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں ۔ جب گرمی سخت ہو ظہر کو ٹھنڈا کرو ۔ (فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۳۶۶)

سلطانی صاحب اس فتویٰ پر غور کریں اور خود فیصلہ کریں کہ ان کے جو مشائخ طریقت گرمیوں مین نماز ظہر اول وقت میں ابراد سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں وہ سنت مصطفے ﷺ کے عامل ہیں یا مخالف؟ اللہ تعالیٰ انہیں حق فیصلہ کرنے کی توفیق بخشے ۔ آمین ۔

سلطانی صاحب کی پیش کردہ حدیثوں اور دلیلوں کا جواب

اصل مسئلہ کی پوری وضاحت کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ فیصل آباد کے سلطانی صاحب نے اپنے '' پمفلٹ اصحاب طریقت اور نماز ظہر '' میں اپنے دعوئے باطلہ کے حق میں جو بے بنیاد دلیلیں قائم کی ہیں ان پر ایک تحقیقی نظر ہو جائے اور عامۃ المسلمین اس کے

بچھائے ہوئے دام ضلالت میں پھنسنے سے بچ جائیں۔ وبا اللہ التوفیق۔

سلطانی صاحب کی پہلی دلیل

وہ حدیثیں ہیں جن میں مطلق نماز کو اول وقت میں پڑھنے کی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اول الوقت رضوان اللہ۔ نماز کا پہلا وقت اللہ کی رضا کا وقت ہے۔ (بدائع الصنائع ص ۱۲۴ ج ۱)

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ افضل الاعمال عند اللہ الصلوۃ فی اول وقتھا۔ اللہ کے نزدیک بہترین عمل نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنا ہے۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۶ ج ۱، جامع صغیر ص ۴۹ ج ۱)

اور آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل بہتر ہے؟ تو فرمایا۔ الصلوۃ لاول وقتھا۔ نماز اپنے وقت کی ابتداء میں۔ (ترمذی ص ۴۴ ج ۱)

اور فرمایا۔ خیر الاعمال الصلوۃ فی اول وقتھا. سب سے اچھا عمل نماز کو اس کے اپنے وقت کے اول حصہ میں پڑھنا ہے۔ (جامع صغیر ص ۸ ج ۲ وصححہ)

اور فرمایا۔ فضل الوقت الاول من الصلوۃ علی الوقت الآخر کفضل الآخرۃ علی الدنیا۔ نماز کے پہلے وقت کی اس کے پچھلے وقت پر اتنی فضیلت ہے جتنی آخرت کی فضیلت دنیا پر ہے (جامع صغیر ص ۵۷ ج ۲ وضعفہ)

اور فرمایا۔ الوقت الاول من الصلوۃ رضوان اللہ۔ نماز کا پہلا وقت اللہ کی رضامندی کا وقت ہے۔ (مشکوۃ ص ۵۶ ج ۱، ترمذی ص ۴۴ ج ۱)

اور حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دن اعمال کی فضیلت بیان کرتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا۔ بلا شبہ اللہ تعالی کو سب سے زیادہ محبوب عمل نماز کو اس کے اول وقت میں جلدی سے پڑھ لینا ہے۔ (سنن دارقطنی ص ۲۴۸ ج ۱ بحوالہ اصحاب طریقت اور نماز ظہر ص ۱۱)

جواب: سلطانی صاحب کی پیش کردہ ان سب حدیثوں کا جواب یہ ہے

کہ یہ حدیثیں صرف ان نمازوں کے متعلق ہیں جن میں شرع کی طرف سے تعجیل مستحب قرار دی گئی ہے اور جن نمازوں میں تاخیر مستحب ہے ان سے ان حدیثوں کا کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ گرمیوں کی ظہر میں شرع شریف نے ابراد کی حد تک تاخیر مستحب قرار دی ہے۔ جیسا کہ حدیثیں اور فقہائے حنفیہ کے اقوال پیچھے گزر چکے ہیں۔ اس لئے ان حدیثوں سے گرمیوں کی ظہر میں تعجیل ثابت کرنا کسی طرح سے بھی درست نہیں ہے۔ امام احمد طحطاوی حنفی فرماتے ہیں۔ **الصلوۃ اول الوقت افضل عندنا الا اذا تضمن التاخیر فضیلۃ۔** احناف کے نزدیک اول وقت میں نماز پڑھ لینا افضل ہے مگر جب اس میں تاخیر مستحب ہو تو پھر تاخیر بہتر ہوگی۔ (حاشیہ مراقی الفلاح ص ۹۸)

سلطانی صاحب کی دوسری دلیل

وہ حدیث ہے جسے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔ کان رسول اللہ ﷺ اشد تعجیلا للظہر منکم۔ رسول اللہ ﷺ تمہاری نسبت نماز ظہر کی ادائیگی میں زیادہ جلدی کرنے والے تھے۔ (ترمذی ص ۴۳ ج ۱)

جواب: سلطانی صاحب کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ سردیوں کی ظہر کے بارے میں فرماتی ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ صرف سردیوں کی ظہر میں تعجیل کرتے تھے۔ محقق عبدالحق اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ یعنی در غیر شدت حراز جہت استحباب ابراد درآن یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد گرمیوں کی ظہر کے علاوہ ظہر (یعنی سردیوں کی ظہر کے بارے میں ہے) ورنہ گرمیوں کی ظہر میں ابراد کی حد تک تاخیر مستحب ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۰۰)

سلطانی صاحب کی تیسری دلیل

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت ہے کہ **ما رأیت رجلا اشد تعجیلاً للظھر من رسول اللہ ﷺ ولا من ابی بکر ولا من عمر** ۔ یعنی

میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو نماز ظہر کی ادائیگی میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ جلدی کرنے والا ہو اور نہ ابوبکر سے اور نہ عمر سے۔ (ترمذی ص۴۲ ج۱)

جواب: یہ حدیث مؤول ہے اور سردیوں کی ظہر کے بارے میں ہے۔ امام ابوجعفر طحاوی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ فذهب قوم الى هذا فاستحبوا تعجيل الظهر فى الزمان كله فى اول وقتها واحتجوا فى ذلك ما ذكرنا وخالفهم فى ذلك آخرون فقالوا اما فى ايام الشتآء فتعجل بها كما ذكرتم واما الصيف فتؤخر حتى يبرد بها الى آخره. (شرح معانی الآثار ج۱ ص۱۲۸)

چونکہ احناف بھی نماز ظہر کو اس کے اول وقت میں پڑھنے کے قائل نہیں بلکہ تفصیل کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک بھی یہ حدیث مؤول قرار پائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سلطانی صاحب کی چوتھی دلیل

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ ما صلى رسول الله ﷺ الصلوة لوقتها الآخر مرتين حتى قبضه الله ۔ رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز اپنے وقت کے انتہائی حصہ میں دو مرتبہ نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی۔ (ترمذی ج۱ ص۴۴)

جواب: سلطانی صاحب نے اس کا مفہوم سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ کیونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا مفہوم ان لفظوں میں لکھا ہے۔ وایں سخن در گزاردن در آخر وقت است کہ بعد از وقت چیزے نماند اما تاخیر از اول حقیقی وقت اورا مواضع بسیار اند کہ در شرح آن را بیان کردہ ایم۔ یعنی اس حدیث میں آخر وقت سے مراد وقت کا بالکل انتہائی حصہ ہے کہ اس میں نماز ادا کی جائے تو ادائیگی کے بعد اس کا کوئی حصہ باقی نہ بچے۔ ورنہ حقیقی اول وقت سے نماز مؤخر کرنے کے بہت سے مواضع

ہیں۔جنہیں ہم نے شرح میں بیان کر دیا ہے۔(اشعۃ اللمعات ج ا ص ۲۹۶)

سلطانی صاحب کی پانچویں دلیل

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے۔ ثلاث لاتؤخروھن الصلوۃ اذا اتت الحدیث. تین کاموں میں تاخیر نہ کرو نماز جب اس کا وقت آ جائے اور جنازہ جب تیار ہو جائے اور بے شوہر عورت جب کفو پالے۔(مشکوۃ شریف ص ۵۶ ج ا)

جواب: اس حدیث میں اول وقت کی قید نہیں اس لئے اس سے مراد نماز کا مستحب وقت ہوگا۔یعنی جب نماز کا مستحب وقت آ جائے تو پھر تاخیر نہ کرو۔ امام علی قاری اس کے متعلق لکھتے ہیں۔ والمختار ان المراد باول الوقت المختار او مطلق لکنه خص ببعض الاخبار ۔یعنی مختار قول یہ ہے کہ اول وقت سے مراد مستحب وقت ہے اور اگر مطلق وقت مراد ہو تو بعض دوسری روایتوں کی وجہ سے بعض نمازوں کے اوقات کو اس حدیث سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔(حاشیہ مشکوۃ ج ا ص ۵۶)

الحمد للہ! فیصل آباد کے سلطانی صاحب کی پیش کردہ حدیثوں کا جواب ہم نے کافی شافی طریقہ سے دیا ہے۔اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ سلطانی صاحب کا قول بالکل بے دلیل اور بے بنیاد ہے۔صرف ڈوبتے میں تنکوں کا سہارا لے رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں حق سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔آمین۔

حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک سنت کی اہمیت

الحمد للہ یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے روز روشن کی طرح روشن ہوا کہ گرمیوں کی ظہر میں ابراد کی حد تک تاخیر سنت مصطفےٰ ﷺ اور سنت صحابہ ہے۔اب ہم فیصل آباد کے سلطانی صاحب کی مزید چشم کشائی کے لئے سنت مصطفےٰ کی اہمیت میں ان کے سلسلہ کے مقتدائے اعظم اور شیخ اکبر کی بعض عبارات کو پیش کرتے ہیں تاکہ سلطانی صاحب بھی سنت ابراد پر عمل کر کے عند اللہ تعالیٰ سرخرو ہوں۔ چنانچہ مجدد صاحب لکھتے ہیں۔پس

سرمایہء جمیع سعادات متابعت سنت است وہیولائے جمیع فسادات خلاف شریعت۔ پس ساری سعادت مندیوں کا سرمایہ سنت کی پیروی ہے اور تمام فسادات کا مادہ شریعت کی خلاف ورزی ہے۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر۱۱۴)

اور فرماتے ہیں۔ درین طریقہ التزام سنت است واجتناب از بدعت۔ یعنی حضرات خواجگان نقشبندیہ کے طریقہ میں سنت کی پابندی ہے اور بدعت سے اجتناب۔ (مکتوبات دفتر اول نمبر۱۳۱)

اور فرماتے ہیں۔ نقد سعادت دارین وابستہ باتباع سید کونین است وبس۔ دو جہاں کی سعادت کا سرمایہ سید کونین ﷺ کی اتباع سے وابستہ ہے اور بس۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر۱۶۳)

اور فرماتے ہیں۔ والحال آرزوئے نماندہ است الا آنکہ احیائے سنن از سنن مصطفویہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات نمودہ آید۔ اور اب اس کے سوا اور کوئی آرزو نہیں کہ مصطفے علیہ الصلوات والتسلیمات کی سنتوں میں سے مردہ سنتوں کو زندہ کیا جائے۔ (مکتوبات مکتوب نمبر۳۷ دفتر اول)

اور فرماتے ہیں۔ اے فرزند بکار آمد متابعت صاحب شریعت است علیہ الصلوۃ والسلام۔ اے بیٹے کل قیامت میں جو شےء کام آنے والی ہے وہ صاحب شریعت علیہ الصلوۃ والسلام کی پیروی ہے۔ (دفتر اول مکتوبات نمبر۲۶۶)

اور فرماتے ہیں۔ پس در متابعت او علیہ الصلوۃ والسلام کوشیدن منجر بمقام محبوبیت آمد۔ پس نبی کریم ﷺ کی پیروی میں کوشش کرنا محبوبیت کے مقام تک پہنچاتا ہے۔ (دفتر اول مکتوب نمبر۴۱)

اور فرماتے ہیں۔ دو چیز را محافظت لازم است متابعت صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام ومحبت واخلاص باشیخ مقتدا۔ دو چیزوں کی پابندی لازم ہے صاحب شریعت علیہ الصلوۃ والسلام کی پیروی اور شیخ مقتدا کی محبت اور اخلاص۔ (دفتر اول مکتوبات نمبر۲۸۰)

اور فرماتے ہیں ۔ چہ این بزرگوراں طریق التزام سنت نمودہ اندو اجتناب از بدعت ۔ کیونکہ نقشبندی بزرگوں نے اس طریقہ نقشبندیہ میں سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب ضروری قرار دیا ہے ۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۲۴۳)

اور فرماتے ہیں ۔ در جمیع مراتب شریعت وطریقت وحقیقت اطاعت حق سبحانہ را در اطاعت رسول اومی دانند واطاعت حق سبحانہ کہ در غیر اطاعت رسول او است عین ضلالت می انگارند۔ مستقیم الاحوال مشائخ شریعت، طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں اللہ کی اطاعت کو اس کے رسول کی اطاعت میں جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جو اطاعت اس کے رسول کے غیر کی اطاعت میں ہو اسے عین گمراہی خیال کرتے ہیں ۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب نمبر ۱۵۲)

سلطانی صاحب سے آخری گذارش!

فیصل آباد کے سلطانی صاحب اپنے سلسلہ کے مقتدائے اعظم وشیخ اکبر کی مندرجہ بالا دس عبارات کو پڑھیں سمجھیں اور اپنے دل سے فیصلہ لیں کہ سنت ابراد کے ترک کرنے اور دوسروں سے یہ سنت چھڑانے کے لئے کاغذ سیاہ کرنے میں ان کا فائدہ ہے یا نقصان ۔ اگر فائدہ سمجھتے ہیں تو بے شک اپنے فائدہ کا کام کرتے رہیں اور اگر نقصان سمجھتے ہیں تو اس سے خود بھی بچیں اور اپنے ہم خیال لوگوں کو بھی بچائیں ۔

ے دکار ما نصیحت بود کردیم واللہ یهدی من یشآء الی صراط مستقیم

وھذا آخر ما اردنا ایرادہ فی هذہ المقالة النافعة تقبلها الله تعالی منه العظیم ورسوله الکریم ﷺ .

(۲۰ جنوری ۱۹۹۰ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بارہواں مقالہ

صلوٰۃ وسلام قبل الآذان پر چند اعتراضات کا جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی افضل الانبیاء والمرسلین وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین .

امابعد! آج کل اہل سنت کی مساجد میں آذان سے پہلے چند مرتبہ درود وسلام پڑھا جاتا ہے۔ یہ وہابیہ، دیوبندیہ، مودودیہ کے نزدیک (معاذ اللہ) بدعت سیئہ، امر منکر اور گناہ ہے۔ اس وجہ سے وہ اس پر طرح طرح کے بے بنیاد اعتراضات کرتے ہیں۔ ہم نے ان کے اعتراضات کے جواب میں یہ مختصر مقالہ مرتب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف مقبولیت بخشے اور اسے اہل ایمان کی زیادتی ہدایت کا ذریعہ بنائے...... (آمین)

پہلا اعتراض

لاہور کا محمد شفیع جوش نامی شخص لکھتا ہے:

''فقہ حنفی میں آذان سے قبل صلوٰۃ وغیرہ بآواز بلند ثابت نہیں ہے''۔ (اشتہار شائع کردہ مرکز اشاعت اسلام لاہور)

الجواب بتوفیق اللہ الوہاب عزوجل

صلوٰۃ وسلام قبل الآذان بآواز بلند اصولِ فقہ حنفی کے مطابق جائز ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''ان اللہ وملآئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما'' (پ۲۲رکوع۴) بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اس غیب بتانے والے (نبی) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ میں صلوا اور سلموا امر کے صیغے مطلق واقع ہوئے ہیں اور مطلق امر کے متعلق اصول فقہ حنفی میں یہ قاعدہ کلیہ لکھا ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے، اسے مقید پر محمول نہیں کیا جاتا۔

''قال الامام حسام الدين الحنفى وعندنا لايحمل المطلق على المقيد وان كانا فى حادثة واحدة بعد ان يكونا فى حكمين لامكان العمل بهما ''(حسامی ص ۲۵) اورہم احناف کے نزدیک مطلق مقید پر محمول نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ دونوں ایک ہی حادثہ میں واقع ہوں بعد اس کے کہ وہ دو حکموں میں پائے جائیں کیونکہ ان دونوں پر عمل کرنا ممکن ہے۔

لامحالہ صلوٰۃ وسلام مطلقا مامور بہ ہوا تو وہ جس وقت اور جس محل میں بھی پڑھا جائے گا وہ مامور بہ کا فرد قرار پائے گا ولہذا آذان سے قبل بآواز بلند صلوٰۃ وسلام بھی مامور بہ کا فرد ہونے کی وجہ سے مشروع ہوگا۔ اسے فقہ حنفی میں غیر مشروع بتانا جوش صاحب کا اصول فقہ حنفی سے جاہل ہونے کی روشن دلیل ہے۔ جس امر کی مشروعیت اصول فقہ حنفی میں موجود ہو اس کی مشروعیت فقہ حنفی میں ضرور ہوگی۔ آیت کریمہ میں صلوٰۃ وسلام کا جو مطلق امر دیا گیا ہے اس سے آذان سے قبل پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام کو نکالنے اور مستثنیٰ قرار دینے کے لئے الگ دلیل کی ضرورت ہے اور ایسی دلیل جوش صاحب کے پاس موجود نہیں تو ان کا استثناء باطل ہوا اور اس صلوٰۃ وسلام کی مشروعیت ثابت ہوئی والحمد للہ رب العالمین۔

دوسرا اعتراض

حیدرآباد سندھ کا حکیم ہاشمی نامی شخص لکھتا ہے۔ آذان کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اللہ اکبر سے شروع کریں اور ''لا الہ الا اللہ'' پر ختم کریں یہ کل پندرہ کلمے ہیں چار آذانوں کے لئے البتہ فجر کی آذان میں الصلوۃ خیر من النوم بھی دو مرتبہ کہا جاتا ہے تو یہاں سترہ کلمے ہو جاتے ہیں۔ (کتاب مخالف رسول کون؟ از حکیم ہاشمی حیدرآباد سندھ)

الجواب

- ہم اہل سنت کے نزدیک بھی آذان اللہ اکبر سے شروع ہو کر لا الہ الا اللہ پر ختم ہوتی

ہے۔آذان سے پہلے جوصلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے اسے کوئی آذان کا جزو نہیں سمجھتا۔صلوٰۃ وسلام مستقل عبادت ہے اور آذان مستقل عبادت ہے۔ایک کو دوسری کا جزء قرار دینا وہابیہ ءزمانہ کا ہم اہل سنت پر افتراء عظیم ہے۔آذان کارثواب ہے۔اسے زیادہ بابرکت بنانے کے لئے چند بار صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے۔چونکہ وہابیہ کو درود وسلام سے دشمنی ہے اس لئے وہ اسے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ **وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون** ۔

تیسرا اعتراض

اور یہی شخص لکھتا ہے آذان کے بالکل متصل بآواز بلند ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھنا یا **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** پڑھنا طریقہ ءرسول سے ہٹا دیتا ہے۔اور جب طریقہ ءرسول سے ہی ہٹ گئے تو فیصلہ خود ہی کرلیں کہ قرب رسول حاصل ہوگا یا نہیں۔(مخالف رسول کون؟ص ۸)

الجواب

رسول اللہ ﷺ خود تو آذان دیا نہیں کرتے تھے ان کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔آذان فجر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عادت شریفہ تھی کہ طلوع فجر کے قریب مسجد شریف کے قریب کے سب سے بلند مکان پر چڑھ جاتے تھے۔جب فجر طلوع ہوتی دیکھتے تو بآواز بلند دعا پڑھ کر آذان دیتے تھے۔چنانچہ سنن ابی داؤد ج ا باب الآذان فوق المنارۃ میں ہے۔

فکان بلال یوذن علیه الفجر فیاتی بسحر فیجلس علی البیت ینظر الی الفجر فاذا رآہ تمطی ثم قال اللهم انی احمدک واستعینک علی قریش ان یقیموا دینک قالت ثم یؤذن قالت واللہ ما علمته کان ترکها لیلة واحدۃ یعنی هذه الکلمات

ترجمہ: سو حضرت بلال فجر کی آذان اس پر دیتے تھے یعنی وہ سحری کے وقت آتے اور گھر پر بیٹھ کر طلوع فجر کا انتظار کرتے پھر جب فجر صادق کو دیکھ لیتے تو انگڑائی لیتے پھر (بآواز بلند) فرماتے ''اللھم انی احمدک واستعینک علی قریش ان یقیموا دینک'' پھر آذان دیتے۔ راویہ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم جہاں تک مجھے معلوم ہے انہوں نے یہ دعائیہ کلمات کسی رات میں نہیں چھوڑے۔

اب حکیم ہاشمی ہی بتائیں کہ آذان سے پہلے حضرت بلال یہ دعا خود اپنی طرف سے پڑھا کرتے تھے یا رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس کے پڑھنے کا حکم دے رکھا تھا؟ اور آذان سے پہلے یہ دعا پڑھنے کی وجہ سے حضرت بلال طریقہء رسول سے ہٹے ہوئے تھے یا نہیں؟ اگر حکیم صاحب کی طریقہء رسول سے مراد طریقہء بلال ہے تو آج وہ خود بھی اس طریقہء بلال کو ترک کر کے طریقہء رسول سے ہٹے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اور اگر اس دعا کو چھوڑنے کے باوجود حکیم صاحب اور ان کی جماعت طریقہ رسول سے نہیں ہٹی تو پھر ہم اہل سنت اس دعا کی جگہ صلوٰۃ وسلام پڑھ کر طریقہ رسول سے کیسے ہٹ گئے ہیں اور اگر آذان کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ وہ اللہ اکبر سے شروع ہو تو پھر حضرت بلال غیر مسنون آذان کیوں دیا کرتے تھے؟ اور اگر حضرت بلال کی اس دعا سے آذان لمبی نہیں ہوئی تو صلوٰۃ وسلام سے کیوں لمبی ہو جاتی ہے؟ اور اگر آذان سے پہلے بآواز بلند دعا پڑھنا جائز ہے تو صلوٰۃ وسلام پڑھنا کیوں ناجائز ہے؟ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آذان سے پہلے دعا پڑھ کر قرب رسول حاصل کیا یا نہیں؟ **ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین**

چوتھا اعتراض

اور یہی شخص لکھتا ہے: آذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے جو خرابیاں پیدا ہوں گی ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کے فرقے اپنی اپنی پسند کے الفاظ آذان سے پہلے یا بعد میں پڑھنے لگیں گے جیسا کہ شیعوں نے آذان میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا

ہے۔ ۔(مخالف رسول کون؟)

الجواب اضافہ کی دوصورتیں ہیں ایک آذان کے اندر کلمات زائد کرنا جیسا کہ شیعوں نے کیا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آذان سے پہلے یا بعد کلمات زائد پڑھے جائیں پہلی صورت میں تغیر آذان لازم آتی ہے۔ اس لئے یہ صورت شرعاً مذموم ہے۔ لیکن آذان سے پہلے یا بعد اذکار متبرکہ یا صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے تغیر آذان لازم نہیں آتی لہذا یہ دوسری صورت شرعاً مذموم نہیں۔ اگر آذان سے پہلے کچھ پڑھنا شرعاً ممنوع ہوتا تو حضرت بلال آذان فجر میں دعائے مذکورہ بالا نہ پڑھتے۔ آذان سے پہلے ان کا ہر روز اس دعا کا پڑھنا اور رسول اللہ ﷺ کا منع نہ فرمانا اس بات کی دلیل قوی ہے کہ آذان سے پہلے دعا یا ذکر یا صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز ہے۔ حضرت بلال آذان فجر میں اپنی پسند کی یہ دعا باقاعدگی سے بآواز بلند پڑھا کرتے تھے جبکہ دوسرے مؤذنین یہ دعا نہیں پڑھا کرتے تھے تو اس سے مؤذن کو شرعاً اس بات کی اجازت حاصل ہوگئی کہ وہ آذان سے پہلے اپنی پسند کے کلمات پڑھ سکتا ہے اگرچہ دوسرے موءذنین وہ کلمات نہ پڑھتے ہوں اور آذان سے پہلے اپنی پسند کے کلمات پڑھنے سے جو اختلاف حکیم صاحب نے ذکر کیا ہے وہ مسلمانوں کے افتراق کا نشان نہیں بنتا۔ ذرا غور کریں کہ حضرت بلال کی آذان کے کلمات کی تعداد اور حضرت ابومحذورہ کی آذان کے کلمات کی تعداد میں فرق تھا مگر ان کی آذانوں کے اس اختلاف کو کسی نے افتراق ملت کا نشان قرار نہیں دیا تو حکیم صاحب صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو افتراق ملت کا نشان کیوں قرار دے رہے ہیں؟ صرف صلوٰۃ وسلام سے دشمنی کا مظاہرہ مقصود ہے (والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ)

پھر آذان سے مقصود اعلام بدخول وقت الصلوٰۃ ہے۔ اور یہ مقصود صلوٰۃ وسلام پڑھ کر آذان دی جائے یا اس کے بغیر دی جائے ہر طرح حاصل ہو جاتا ہے۔ ہر فرقہ کو ایک آذان پر متحد کرنا حکیم صاحب کی ہٹ دھرمی ہے۔ جس علاقہ میں حنفی بھی ہوں اور شافعی بھی

ہوں وہاں اتحاد ملت کا نشان بنانے کے لئے حکیم صاحب حنفیوں کی آذان پر سب کو مجبور کریں گے یا شافعیوں کی آذان پر۔ ظاہر ہے کہ ہر گروہ کو اس کی اپنی مخصوص آذان دینے کی اجازت ہوگی اور آذان کے اختلاف سے فروعی اختلاف کا ضرور مظاہرہ ہوگا جو شرعا مذموم نہیں قرار دیا جاسکتا۔

پانچواں اعتراض

اور یہی شخص لکھتا ہے:

عام مسلمان صلوٰۃ وسلام کو آذان ہی سمجھیں گے اور آذان کے احکام اس سے وابسطہ کردیں گے جیسا کہ میں اس سلسلے میں پہلے پمفلٹ میں لکھ چکا ہوں کہ ۷ اگست ۱۹۸۷ء کو رمضان المبارک کا پہلا روزہ تھا۔ مغرب کی آذان سے پہلے ایک مسجد میں صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا۔ راہگیروں نے سمجھا کہ آذان ہورہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے پہلے ہی روزہ افطار کرلیا۔ (مخالف رسول کون؟)

الجواب

صلوٰۃ وسلام اور آذان کے کلمات میں واضح فرق موجود ہے۔ پھر صلوٰۃ وسلام و آذان کے لب ولہجہ میں بھی نہیں پڑھا جاتا اس لئے صلوٰۃ وسلام کو کوئی آذان نہیں سمجھ سکتا اور نہ کوئی اس کے احکام صلوٰۃ وسلام سے وابستہ کرسکتا ہے۔ عام مسلمان بھی جانتے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام اور آذان میں مغائرت ہے۔ بالفرض اگر کوئی شخص ایسا ہو بھی تو وہ جاہل کالعدم ہے۔ اسے سمجھا دینا چاہئے نہ یہ کہ صلوٰۃ وسلام جیسی محبوب عبادت ہی کو بند کرادیا جائے۔ حکیم صاحب نے جو واقعہ لکھا وہ بے حقیقت من گھڑت ہے۔ کیونکہ اہل سنت کی ہر مسجد میں مغرب کا وقت داخل ہوجانے کے بعد آذان مغرب کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے۔ لہذا اس سے روزہ ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چھٹا اعتراض

اور یہی شخص لکھتا ہے:

''رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کے مسئلے کو لیجئے اس کی کتنی فضیلت اور اہمیت ہے۔ لیکن اگر اس صلوٰۃ وسلام کو ان عبادت کے طریقے سے ملا دیا جائے جن کے آداب والفاظ شریعت نے خود سکھائے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ نکلے گا کہ لوگ صلوٰۃ وسلام کو بھی اس مخصوص عبادت کا جزء سمجھ لیں گے اور اس طرح دین کے احکام میں اضافے کا ایک نیا سلسلہ چل پڑے گا جس کی وجہ سے کئی سنتیں چھوٹ جائیں گی''۔ (مخالف رسول کون؟)

الجواب

صلوٰۃ وسلام کو دوسری عبادت سے ملانے کی دو صورتیں ہیں حقیقی اتصال اور صوری اتصال

حقیقی اتصال تو یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام کو دوسری عبادت کا جزء بنا کر پڑھا جائے یہ شرعاً ممنوع ہے۔ مثلاً کوئی شخص آذان اللہ اکبر سے شروع کرے اور لا الہ الا اللہ پر ختم کرے اور درمیان میں صلوٰۃ وسلام پڑھے۔

اتصال صوری یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام کو دوسری عبادت کا جزء بنائے بغیر دوسری عبادت کو شروع کرنے سے پہلے پڑھا جائے تو یہ شرعاً جائز ہے اگر کسی شخص نے یہ معمول بنا لیا ہو کہ وہ ہر نماز سے پہلے تلاوت قرآن مجید کرتا ہے پھر نماز ادا کرتا ہے تو کیا اس صوری اتصال کی وجہ سے تلاوت قرآن مجید شرعاً ممنوع قرار دے دی جائے گی؟ بہر حال ہم اہل سنت صلوٰۃ وسلام اور آذان میں صوری اتصال پیدا کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع نہیں۔ اگر کوئی شخص نماز فجر کی سنتیں پڑھ کر فوراً بعد فرض فجر ادا کرے تو کیا اس صورت میں یہ اتصال جائز نہیں ہوگا؟

ساتواں اعتراض

اور یہی شخص لکھتا ہے۔

''بغیر صلوٰۃ وسلام کی آذان کو ادھوری سمجھنے والوں سے جب یہ سوال کیا جاتا ہے

کہ کیا آپ کے بزرگ آذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے تو جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔ اس پر جب یہ کہا جاتا ہے کہ کیا ادھوری آذان پڑھنے کے باوجود وہ حق پر تھے تو کہتے ہیں کہ ہاں وہ حق پر تھے تو اگر آپ سے کوئی یہ کہتا ہے کہ آپ بھی اسی طریقہ پر رہیں جس طریقے پر آپ کے بزرگ تھے تو آپ ایسا کہنے والوں کو درود کا منکر اور گستاخ رسول اور نہ جانے کیا کیا قرار دیتے ہیں پھر یہی فیصلہ آپ اپنے بزرگوں کے بارے میں کیوں نہیں کرتے؟ (مخالف رسول کون؟)

الجواب

آذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا مستحب ہے اگر کوئی شخص آذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کے استحباب کا قائل ہو اور صلوٰۃ وسلام نہ پڑھے تو اس سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں کہ تارک مستحب کو شرع کی طرف سے کوئی گرفت نہیں مگر جو شخص صلوٰۃ وسلام قبل الآذان کو بدعت وغیر مشروع کہے اس سے ہمارا جھگڑا ضرور ہے۔ ہمارے بزرگ اگر آذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام نہیں پڑھتے تھے تو وہ اسے بدعت وغیر مشروع بھی تو نہیں سمجھتے تھے۔ تم ہمارے اسلاف کی راہ پر نہیں ہو۔ وہ صلوٰۃ وسلام نہ پڑھنے کے باوجود حق پر تھے اور تم باطل پر ہو۔ ہاں اگر تم بھی صلوٰۃ وسلام قبل الآذان کو مستحب قرار دے دو تو ہمارے تمہارے درمیان اختلاف دور ہو جائے گا۔

آٹھواں اعتراض

''تو اب غیر مقلدانہ عمل کرنا دراصل ثابت کرنا ہے کہ امام اعظم اور صحابہ کرام عشق کی اس منزل سے آشنا نہ تھے جس سے آج کل کا جاہل عاشق سرشار ہے''۔ (اشتہار محمد شفیع جوش)

الجواب

اہل سنت آذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام عشق مصطفے ﷺ کی وجہ سے پڑھتے

ہیں۔ امام اعظم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سے زیادہ عشق رسول رکھتے تھے اسی وجہ سے وہ اٹھتے بیٹھتے ہر وقت صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہتے تھے۔ ہم دنیا دار ہیں۔ اس لئے ہر وقت تو نہیں پڑھ سکتے چند مخصوص مواقع میں پڑھ لیتے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام بآواز بلند پڑھ کر ہم منکرین صلوٰۃ وسلام پر اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں۔ سلف صالحین کے دور میں منکرین صلوٰۃ وسلام کی کثرت نہ تھی اس لئے اس دور میں بلند آواز سے پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر آج منکرین کی کثرت کے پیش نظر اس کے پڑھنے کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ آج دیوبند کے مدرسوں میں علوم صرف ونحو پڑھائے جاتے ہیں۔ حالانکہ فقہائے احناف نے ان کے بدعت ہونے کی تصریحات کی ہیں۔ اگر آج یہ علوم بدعت وغیر مشروع نہیں سمجھے جاتے تو پھر آذان کے ہمراہ صلوٰۃ وسلام کو کیوں بدعت اور غیر مشروع سمجھا جا رہا ہے۔؟

نوواں اعتراض

دراصل یہ زوائد وہابیوں، دیوبندیوں کی ضد سے یا نعت خواں قسم کے مؤذنین نے پیدا کئے ہیں۔ ازمنہ سابقہ میں سب قارئین جانتے ہیں کہ آذان ان زوائد سے خالی ہوتی تھی اگر ہمارے علماء عوام کی تائید میں کہ اب وہ اس راستہ پر چل پڑے ہیں غور وفکر سے اس کو جائز ثابت کر بھی دیں تو صرف جائز ہی ہوگا مستحب یا مندوب یا افضل نہیں ہوگا۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ اس پر ثواب بھی ہوگا یہ بات تب ہو کہ وہ مستحب ہو۔ (اشتہار محمد شفیع جوش)

الجواب

بالفرض اگر آذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کو نعت خوان قسم کے مؤذنین نے پیدا کیا یا دیوبندیوں وہابیوں کی ضد میں اسے پیدا کیا گیا تو اس سے اس میں کوئی قباحت پیدا نہیں ہوگئی۔ حجاج بن یوسف نے اعراب قرآن جاری کیئے تھے اگر اس کی پیدا کردہ یہ بدعت

قابل عمل ہوسکتی ہے تو عوام کی پیدا کردہ بدعت کیوں نا قابل عمل ٹھہرائی جارہی ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی فرماتے ہیں، وللہ الحمد یہاں تک جواز کا بیان تھا۔ رہا استحباب وہ فعل جبکہ فی نفسہٖ خود ہی نیک ہے۔ مسلمان نے اسے نیت حسن محمود سے کیا تو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے داخل سنت ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے۔

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم شئ جو شخص اسلام میں اچھی رسم نکالے سو اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور اس کے لئے اس رسم پر عمل کرنے والوں کے ثواب جتنا ثواب ہے بغیر اس کے کہ ان کے ثواب سے کوئی شئے کم کی جائے۔ (فتاویٰ افریقیہ)

الحمدللہ! اعلیٰ حضرت کی اس تصریح سے ثابت ہوگیا ہے کہ آذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے اور یہ عمل داخل سنت ہے۔ بدعت ممنوعہ نہیں۔ والحمدللہ علیٰ ذالک۔

دسواں اعتراض

ملتان کا ابوالخیر اسدی نامی ایک شخص لکھتا ہے''

آج کل نعرۂ رسالت ایک مذہبی شعار بن چکا ہے اگر کوئی اس سے روکتا ہے تو فوراً عوام میں مشہور کر دیتے ہیں کہ دیکھئے فلاں رسول اللہ ﷺ کا دشمن ہے کہ وہ یا رسول اللہ کا نعرہ نہیں لگاتا اور یا رسول اللہ کہنا بدعت سمجھتا ہے۔ لوگ جب ایسی بات سنتے ہیں تو وہ جوش میں آجاتے ہیں۔ حالانکہ صاف دھوکہ ہے۔ کوئی مسلمان بھی آپ کے نام سے نہیں جلتا۔ جھگڑا اور انکار صرف یا کے حرف کا ہے۔ لیکن یہ لوگ رسول اللہ کی آڑ لے کر بدنام کر رہے ہیں۔ اسی طرح تسلیم بعد الآذان کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں کہ دیکھئے یہ آذان کے بعد درود شریف سے منع کرتے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آذان کے بعد

درود شریف پڑھنا چاہئے۔ (تحریف الآذان ص ۲۷ مؤلفہ ابوالخیر اسدی دیوبندی)

الجواب

اگر نعرۂ رسالت میں کوئی جھگڑا نہیں تو نعرۂ رسالت لگا کر اس کا جواب ''رسول اللہ زندہ باد'' ہی سے دے دیا کرو۔ تم جو سرے سے نعرۂ رسالت ہی ہضم کر جاتے ہو یہ تمہاری رسول دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح آذان کے بعد اہل سنت صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اس کے متعلق بھی اگر تمہارا جھگڑا اور انکار صرف یا ہی میں ہے تو پھر آذان کے بعد درود ابراہیمی ہی پڑھ لیا کرو۔ تا کہ تمہاری رسول دشمنی کا داغ تم سے دھل جائے۔ اہل سنت آذان سے پہلے یا بعد ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' اس وجہ سے پڑھتے ہیں کہ مساجد اہل سنت سے منکرین یارسول اللہ بھاگ جائیں اور جو باہر ہیں وہ ان میں داخل نہ ہوں۔

گیارہواں اعتراض

''آذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی وجہ ہوسکتی ہے۔ مگر آذان کے اول کوئی وجہ وجیہہ بلانکیر نہیں ہے''۔ (اشتہار محمد شفیع جوش)

الجواب

آذان سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی وجہ وجیہہ یہ ہے کہ آج کل سستی اور غفلت کا دور ہے۔ لوگ دنیوی کاموں میں بے حد مصروف ہوتے ہیں۔ اجابت آذان قولی مستحب ہے۔ اور اجابت آذان فعلی واجب ہے۔ دنیاداروں سے دنیوی کام چھڑانے اور انہیں اجابت آذان پر آمادہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ آذان فوراً شروع نہ کر دی جائے بلکہ آذان سے پہلے چند بار صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے، اس سے یہ مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور صلوٰۃ وسلام پڑھنے اور سننے کا ثواب بھی مل جاتا ہے۔

"وهذا آخر ما اردنا ايراده فی هذه المقالة النافعة تقبلها الله تعالیٰ بفضله العظیم ورسوله الکریم صلی الله علیه وعلیٰ آله واصحابه وبارک وسلم .... وانا الفقیر ابو الکرم احمد حسین قاسم الحیدری الرضوی غفر الله تعالیٰ لی خادم التدریس والافتاء والتصنیف بالجامعة الحیدریة فضل المدارس ببلدة سهنسه من مضافات آزاد کشمیر "

(۳۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۶ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیرہواں مقالہ

صلوٰۃ وسلام بعد از آذان کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمیعن اما بعد

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس بارہ میں کہ ایک شخص نے کہا ہے کہ آجکل آذان کے فوراً بعد جو درود وسلام پڑھا جاتا ہے اس کا شرع میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس سے آذان ستر گز لمبی ہو جاتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا آذان کے بعد صلوۃ وسلام پڑھنے کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (پیش کردہ مولوی محمد شریف متعلم جامعہ عثمانیہ سیکٹر ایف۔ ون میرپور آزاد کشمیر)

الجواب بتوفیق الملک الوھاب عزوجل

آذان کے فوراً بعد درود شریف پڑھ کر دعائے وسیلہ پڑھنا مؤذن اور سامع دونوں کیلئے مستحب وکار ثواب ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اور فقہاء امت نے اس درود وسلام کو بھی مواضع درود وسلام میں گنا ہے۔ ولہذا جو شخص آذان کے بعد درود وسلام پڑھنے سے روکتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اس سے آذان ستر گز لمبی ہو جاتی ہے احکام شرع شریف سے جاہل اور بے خبر ہے۔ مسئلہ کی وضاحت کے لئے تفصیلاً عرض کیا جاتا ہے۔

احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علی فانہ من صلّی علیّ صلوۃ صلے اللہ علیہ بھاعشرا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون انا ھو فمن سأل لی الوسیلۃ حلت علیہ شفاعتی۔

(ترجمہ) جب تم مؤذن کو سنو تو تم اس کے قول کی طرح کہو پھر مجھ پر درود پڑھو۔ سو جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالی اس پر دس رحمتیں اس درود کی وجہ سے نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو سو وہ جنت میں ایک درجہ ہے۔ جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک ہی بندہ کے شایان شان ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ بندہ ہوں سو جو شخص میرے لئے وسیلہ مانگے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔

اس حدیث کی تخریج

امام مسلم نے صحیح مسلم شریف ج اص ۱۸۶ میں' امام ابو داؤد نے سنن ابی داؤد کی ج اص ۷۷ میں' امام نسائی نے سنن نسائی ج اص ۱۱۰ میں' امام ترمذی نے جامع ترمذی میں' مفسر عماد الدین ابن کثیر نے تفسیر القران کی جلد سوم کے صفحہ ۵۹ میں' امام شہاب الدین خفاجی نے نسیم الریاض کی ج ۳ ص ۴۶۱ میں اور امام ظفر الدین بیہاری نے اپنی صحیح کے صفحہ ۲۹۹ میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

یہ حدیث صحیح ہے

امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل امام مسلم امام داؤد امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت عبد اللہ بن عمر و العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع صغیر ج اص ۲۹)

منکرین کے گھر کی شہادت

یہ حدیث آذان کے بعد صلوۃ وسلام سے روکنے والوں کے نزدیک بھی صحیح ہے۔ چنانچہ ایک غیر مقلد مولوی ابو الخیر اسدی نامی شیخ علی محفوظ کا یہ قول نقل کرتا ہے۔ فنقول لا کلام فی ان الصلوۃ والسلام علی النبی ﷺ عقب الآذان مطلوبان

لورود الاحادیث الصحیحة بطلبهما من کل من سمع الآذان لا فرق بین المؤذن وغیره کما فی صحیح مسلم عن عبد الله بن عمرو بن العاص انه سمع النبی ﷺ یقول اذآ سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی الی آخره ۔ (تحریف الآذان ص ۳۸)

(ترجمہ) سو ہم کہتے ہیں کہ اس بارہ میں کوئی کلام نہیں کہ آذان کے بعد صلوٰۃ وسلام دونوں شرعاً مطلوب ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کے بارے میں مؤذن اور سامع کے لئے مطلوب ہونے میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ جیسا کہ (۱) مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ جب تم مؤذن کو سنو تو اس کے قول کی طرح کہو پھر مجھ پر درود پڑھو۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اذا سمعتم المؤذن فقولوا کما یقول ثم صلوا علی جب تم مؤذن کو سنو تو اس کے کلام کی طرح کہو اور مجھ پر درود پڑھو۔ رواہ ابن ابی شیبۃ وابوالشیخ فی الاذان۔ (صحیح البہاری ص ۲۹۹)

(۳) حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ صلوا علی فان صلاتکم علی زکاۃ لکم وسلوا اللہ لی الوسیلة تم مجھ پر آذان کے بعد درود شریف پڑھو۔ کیونکہ تمھارا مجھ پر درود پڑھنا تمھارے لئے پاکی ہے۔ اور میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو۔ (رواہ الامام عماد الدین بن کثیر فی تفسیرہ ص ۵۱۳ ج ۳)

(۴) حضرت رویفع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا من صلی علی محمد اللھم انزله المقعد المقرب عندک یوم القیامة وجبت له شفاعتی جو شخص محمد ﷺ پر آذان کے بعد درود بھیجے۔ پھر یہ دعا پڑھے۔ اللھم انزله المقعد المقرب عندک یوم القیامة. اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو

جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۲ ج ۳)

آذان کا مابعد درود وسلام کا محل ہے

مندرجہ بالا احادیث صحیحہ کی بناء پر ہمارے فقہاء کرام نے آذان کے مابعد کو بھی صلوۃ وسلام کا محل قرار دیا ہے۔ اور اسے مواضع استحباب میں گنا ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں (۱) مفسر عماد الدین بن کثیر لکھتے ہیں۔

قد ورد الامر بالصلوٰۃ علیه فی اوقات کثیرۃ فمنها واجب ومنها مستحب علی ما نبینه فمنه بعد النداء للصلوۃ للحدیث الذی رواہ احمد الی آخرہ.

ترجمہ: بہت سے اوقات میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر درود پڑھنے کا حکم وارد ہوا ہے۔ ان اوقات متعددہ میں سے بعض اوقات میں درود بھیجنا واجب ہے۔ اور بعض اوقات میں مستحب ہے۔ سو آذان کے بعد کا وقت مستحب میں سے ہے۔ بوجہ اس حدیث کے جس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے آخر تک۔ (تفسیر ابن کثیر ص۵۱۲ ج ۳)

(۲) اور قاضی عیاض لکھتے ہیں ومن مواطن الصلوۃ علیه صلے اللہ علیه وسلم عند ذکرہ وسماع اسمه او کتابه او عند الآذان. نبی کریم ﷺ پر درود شریف بھیجنا جن چند جگہوں میں ہے۔ ان میں سے ایک آپ کا ذکر کرنے یا سننے یا لکھنے کا وقت ہے۔ یا آذان کا وقت ہے۔ (شفاء شریف ص۵۲ ج ۲)

(۳) اور امام شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں (قوله او عند الآذان) ای بعدہ وھو مستحب للمؤذن والسامع۔ آذان کے بعد درود پڑھنا مؤذن اور سامع دونوں کے لئے مستحب ہے۔ (نسیم الریاض ص۴۶۱ ج ۲)

(۴) علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں۔ ونص العلماء علی استحبابها

فی مواضع یوم الجمعة و لیلتها الی ان قال وعقب اجابة المؤ ذن الی آخره کذا فی شرح الفاسی علی دلائل الخیرات وغالبها منصوص علیه فی کتبنا.

اور علماء نے چند جگہوں میں درود شریف پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ مثلاً جمعہ کا دن اور اس کی رات اور مؤذن کی اجابت کے بعد جیسا کہ علامہ فاسی نے شرح دلائل الخیرات (مطالع المسرات) میں ذکر فرمایا ہے۔ ان میں سے اکثر مواضع درود وسلام ہماری کتب فقہ حنفی میں بھی مذکور ہیں۔ (ردالمحتار ص ۳۸۳ ج ۱)

(۵) امام حسن شرنبلالی لکھتے ہیں۔ ثم دعا المجیب والمؤذن بالوسیلة بعد صلوته علی النبی ﷺ عقب الاجابة وعن ابن عمرو رضی الله عنهما عن النبی ﷺ اذا سمعتم المؤ ذن الی آخر الحدیث.

پھر آذان کا جواب دینے والا شخص اور مؤذن دونوں نبی ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد وسیلہ کی دعا پڑھیں اور حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم مؤذن کو آذان دیتے ہوئے سنو تو اس کے قول کی طرح کہو اور مجھ پر درود بھیجو۔ (مراقی الفلاح ص ۱۱۰)

دیوبندیوں کے گھر کی شہادت

مواضع درود وسلام میں عقب الآذان کو خود دیوبندیوں نے شمار کیا ہے۔ چنانچہ دیوبندی مولوی زکریا کی کتاب فضائل درود شریف میں ہے۔ علامہ سخاوی نے قول بدیع میں مستقل ایک باب ان درودوں کے بارہ میں تحریر فرمایا ہے۔ جو اوقات مخصوصہ میں پڑھے جاتے ہیں اور اس میں یہ مواقع گنوائے ہیں۔ الی ان قال اور آذان کے جواب کے بعد۔ (فضائل درود شریف ص ۶۷)

اور دیوبندی مولوی ریاض احمد اشرفی نے لکھا ہے کہ بالکل اسی طرح آذان سے

قبل یا بعد صلوۃ وسلام نعتیہ اشعار عشق ومحبت اور تذکیر آخرت کے مضمون کے اشعار پڑھنے کا مقام ہے۔ (روزنامہ جنگ راولپنڈی ۵ نومبر ۱۹۸۰)

فقہا کے نزدیک درود وسلام عندالآذان بدعت حسنہ ہے:

الحمد للہ یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آذان کے فوراً بعد دعائے وسیلہ سے پہلے درود شریف پڑھنے کا حکم خود شارع علیہ السلام نے دیا ہے۔ اور فقہاء امت نے آذان کے بعد کے وقت کو مواضع درود وسلام میں شمار فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی خلیفہ المتوکل علی اللہ ابوعبداللہ کے دور حکومت میں شعبان ۷۹۱ھ میں محتسب نجم الدین طنبذی کے حکم سے آذان کے فوراً بعد بآواز بلند صلوۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ جاری ہوا اور اس وقت کے مقتدر فقہائے امت سے اس طریقہ کا شرعی حکم پوچھا گیا تو انہوں نے اسے بدعت حسنہ اور کار ثواب قرار دیا چنانچہ امام طحطاوی لکھتے ہیں۔

واول ما زیدت الصلوۃ علی النبی ﷺ بعد الآذان علی المنار فی زمن حاجی بن الاشرف شعبان بن حسین بن محمد بن قلا دون بامر المحتسب نجم الدین الطنبذی وذلک فی شعبان سنة احدی وتسعین وسبع مائة کذا فی الاوائل للسیوطی والصواب من الا قوال انها بدعة حسنة.

یعنی حاجی ابن الاشرف شعبان بن حسین بن محمد بن قلادون کے زمانہ حکومت میں شعبان ۷۹۱ھ میں محتسب نجم الدین طنبذی کے حکم سے مینارہ پر آذان کے بعد نبی ﷺ پر بآواز بلند درود شریف بھیجنے کی رسم جاری ہوئی جیسا کہ امام سیوطی کی کتاب الاوائل میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس درود شریف کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ یہ طریقہ بدعت حسنہ ہے۔ (حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۰۴)

اور امام علاء الدین حصکفی لکھتے ہے۔ **التسلیم بعد الآذان حدث فی ربیع الآخر سنة سبع مائة واحدی وثمانین فی عشاء لیلة الاثنین ثم یوم الجمعة**

ثم بعد عشر سنين حدث فی الکل الا المغرب ثم مرتین وھو بدعۃ حسنۃ

یعنی آذان کے بعد درود وسلام پڑھنے کے رواج کی ابتداء ربیع الاخر ۷۸۱ھ میں سوموار کی رات نماز عشاء کی آذان کے بعد ہوئی۔ پھر دس سال کے بعد مغرب کے سوا سب نمازوں کی آذانوں کے بعد پھر نماز مغرب کی آذان میں دو مرتبہ صلوۃ وسلام پڑھنے کی ابتداء ہوئی اور یہ عمل بدعت حسنہ ہے۔ (درمختار ص ۲۸۷ ج ۱)

اور علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں۔ (قولہ وھو بدعۃ حسنۃ) قال فی النھر عن القول البدیع والصواب من الاقوال انھا بدعۃ حسنۃ. نھر الفائق میں امام سخاوی کی کتاب القول البدیع سے منقول ہے کہ مختلف اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ آذان کے بعد صلوۃ وسلام پڑھنا بدعت حسنہ ہے۔ (ردالمحتار ص ۲۸۷ ج ۱)

مقام غور ہے۔ کہ امام احمد طحطاوی، امام علاء الدین حصکفی' علامہ شامی' امام صاحب نھر الفائق اور امام سخاوی رحمۃ اللہ علیھم جیسے جلیل القدر فقہائے کرام نے آذان کے بعد بآواز بلند صلوۃ وسلام کے بارہ میں یہ شرعی حکم بتادیا ہے کہ یہ درود وسلام بدعت حسنہ اور کار ثواب ہے۔ تو پھر کسی حنفی سنی کہلانے والے کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ اس درود وسلام پر بدعت سیئہ وامر منکر وغیر مشروع ہونے کا ناپاک فتویٰ جڑے اور اس بابرکت عمل کی وجہ سے آذان کے ستر گز لمبا ہونے کا بول بولے۔ مسلمان فقہائے عظام کے اس فتویٰ کو پیش نظر رکھیں اور منکرین کے غلط فتوی کو نظر انداز کردیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

دیوبندیوں کے گھر کی ایک اور شہادت

دیوبندی الخیال حافظ ریاض احمد اشرفی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی صاحب ذوق وشوق عشق اور محبت خدا ورسول میں صلوٰۃ پڑھتا ہے۔ اور یہ نیت کر کے پڑھتا ہے کہ مردہ دل اور سوئے ہوئے بیدار ہو کر اپنے مالک ومولا کی یاد میں چند گھڑیاں گزارنے کی سعادت

حاصل کرلیں تو اس میں حرمت یا ممانعت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اور اس کی اجازت میں اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم دین اور توحید میں بہت ہی سخت مزاج مجاہد شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں۔ ینهی المؤذن ان ینشد الابیات التی من جنس النیاحة والمراثی وکذلک ما کان من جنس الغزل فان فی ذلک مفاسد کثیرة ولیس منها الآیات والاخبار والتوبة والاستغفار واللہ اعلم۔ (الرسالۃ الثالثۃ عشر فی السماع والرقص مطبوعہ مصر ۳۲۹)

(ترجمہ) جو اشعار نوحہ اور مرثیہ کہ جنس سے ہیں ان کے پڑھنے سے مؤذن کو منع کیا جائے گا اور اسی طرح غزل کی قسم سے جو اشعار ہیں ان سے بھی روکا جائے گا کیونکہ اس قسم کے اشعار میں بہت سے مفاسد پائے جاتے ہیں اور اس حکم میں وہ اشعار نہیں جو ذکر الٰہی کی قسم سے مؤذن کے لئے جائز ہیں اور جن شعروں کے اندر آیات قرآنیہ یا احادیث مبارکہ یا توبہ واستغفار کے مضامین ہوں ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ حافظ ابن تیمیہ جو بدعت کے قلع قمع کرنے والوں میں امام مانے جاتے ہیں بھی ایسے اشعار پڑھنے کی مؤذنین کو اجازت دے رہے ہیں۔ جو دلوں کو نرم کریں' ذوق وشوق پیدا کریں' توبہ واستغفار اور ذکر الٰہی کے مضامین پر مشتمل ہوں۔ ممانعت صرف غیر مشروع مضامین کی ہے۔ اور اسی طرح آذان سے قبل یا بعد درود شریف، ذکر مذکر، آخرت کے اشعار یا محض ذکر مجرد یا نفی اثبات کرنے کو حرام اور بدعت قرار دینا بھی غیر مشروع ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ حافظ ابن تیمیہ یقیناً بریلوی یا دیوبندی نہیں تھے۔ ان کے ہاں بھی اس معاملے میں اتنا تشدد نہیں جتنا آج کل کے دور میں جانبین نے اختیار کر رکھا ہے۔ حالانکہ بعض جائز مندوب اور مباح بلکہ مستحب کے انکار پر ان کا تشدد ان کی مؤلفات سے ظاہر ہے۔ (روزنامہ جنگ راولپنڈی بابت ۵ نومبر ۱۹۸۰)

منکرین صلوٰۃ وسلام کا تشدد

الحمد للہ ! یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ اس سے آذان کے فوراً بعد بآواز بلند صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا استحباب اپنے ذروہ ثبوت کو پہنچا۔ منکرین صلوٰۃ وسلام بلا دلیل آذان کے بعد صلوٰۃ وسلام سے منع کرتے ہیں۔ بلکہ پڑھنے والوں پر بے جا تشدد کرتے ہیں۔ امام الوھابیہ نے بارھویں صدی ھجری میں آذان کے بعد پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام کی بندش میں سخت رویہ اختیار کیا تھا اور یہی حال آج کل کے اس کے متبعین کا بھی ہے۔

امام سید احمد بن زینی دحلان لکھتے ہیں ۔ ویمنعون من الصلوٰۃ علیہ صلے اللہ علیہ وسلم علی المنابر بعد الآذان حتی ان رجلا صالحا کان اعمی وکان مؤذناً وصلی علی النبی ﷺ بعد الآذان بعد ان کان المنع منھم فاتوابہ الیٰ ابن عبد الوھاب فامر بہ ان یقتل فقتل ۔

(ترجمہ) وہابی لوگ میناروں پر آذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک نیکوکار نابینا مؤذن نے وہابیوں کے منع کرنے کے بعد آذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھا تو اسے امام الوھابیہ ابن عبدالوھاب نجدی کے پاس لایا گیا پھر اس نے اسے قتل کر دینے کا حکم دیا تو وہ قتل کر دیا گیا (الدولۃ العثمانیہ ص ۲۴۰ ج ۲ 'فتنۃ الوھابیہ ص ۷۷)

اور یہی امام دوسرے مقام پر لکھتے ہے۔ وکان ینھی عن الصلوۃ علی النبی ﷺ ویتاذی من سماعھا وینھی عن الاتیان بھا لیلۃ الجمعۃ وعن الجھر بھا علی المنابر ویؤذی من یفعل ذلک ویعاقب اشد العقاب حتی انہ قتل رجلا اعمی کان مؤذناً صالحا ذا صوت حسن نھاہ عن الصلوٰۃ علی النبی ﷺ فی المنارۃ بعد الآذان فلم ینتہ واتی بالصلوٰۃ

علی النبی ﷺ فامر بقتله فقتل ثم قال ان الربابة فی بیت الخاطئة یعنی الزانیة اقل اثما مما ینادی بالصلوٰۃ علی النبی ﷺ فی المنایر ویلبس علی اصحابه بان ذلک کله محافظة علی التوحید فما افظع وما اشنع فعله . (ترجمہ) اورامام الوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی درود شریف سے روکتا اوراس کے سننے سے بہت اذیت پاتا تھا اوروہ جمعہ کی رات میں درود شریف پڑھنے سے اورآذان کے بعد میناروں میں بآواز بلند درود شریف پڑھنے سے روکتا تھا اور جو اس طرح درود شریف پڑھتے تھے۔ان کو اذیت پہنچاتا تھا اور سخت سزائیں دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک نیکوکار خوش آواز نابینامؤذن نے وہابیوں کے منع کرنے کے بعد جب آذان کے بعد منارہ میں درود شریف پڑھا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اور وہ کہتا تھا یعنی ابن عبدالوھاب کہ زانی زانیہ کے گھر اتنا گنہگار نہیں ہوتا جتنا منارہ میں درود شریف پڑھنے والا گنہگار ہوتا ہے۔اوراپنے ساتھیوں کو اس شبہ میں رکھتا تھا کہ وہ سب کچھ توحید کی محافظت کے لئے کرتا ہے۔سو اس کا یہ قول کتنا برا ہے۔اوراس کا یہ فعل کتنا قبیح ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ (الدررالسنیہ ص ۴۵) (التوسل بالنبی وجھلۃ الوھابیین ص ۲۴۴)

اور دیو بندی مولوی حسین احمد مدنی نے بھی لکھا ہے کہ وہابیہ خبیثہ یہ صورت نہیں نکالتے اور جملہ انواع کو منع کرتے ہیں۔چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا ہے کہ وہ الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ سے منع کرتے ہیں۔(شہاب ثاقب ص ۶۵)

الحمدللہ امام زینی وحلان کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ۷۸۱ھ میں رائج ہونے والے آذان کے بعد صلوٰۃ وسلام کو سب سے پہلے امام الوھابیہ ابن عبدالوھاب نجدی نے ناپسند کیا اوراس کی بندش میں بہت شدت اختیار کی۔لہذا اب جو شخص سنی حنفی بننے اور کہلوانے کے باوجود آذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو بدعت سیئہ دغیر مشروع بتاتا ہے۔ اوراس سے بزور روکتا ہے وہ حقیقۃً سنی حنفی نہیں ہے۔ بلکہ پکا نجدی وہابی عقیدہ

والا امام الوھابیہ ابن عبد الوھاب نجدی کا سچا پیروکار ہے۔ اللہ تعالی حق کو سمجھنے کی توفیق بخشے آمین۔

وھذا آخر ما اردنا ایراده فی ھذه المقالة المبارکة تقبلها الله تعالی بمنه العظیم ورسوله الکریم ﷺ وانا الفقیر ابو الکرم احمد حسین قاسم الحیدری الرضوی غفر الله تعالی لی المدرس بالجامعة الحیدریة فضل المدراس بهیانی من مضافات سهنسه آزاد کشمیر

(۲۷ مارچ ۱۹۸۶ء بمطابق ۱۶ رجب ۱۴۰۶ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چودھواں مقالہ

تنویر العین بتقبیل الابہامین

آذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خیر الانبیاء والمرسلین وعلیھم وعلی آلھم وصحبھم اجمعین ۔ اما بعد!

یہ مقالہ نبی اکرم سید کونین ﷺ کا اسم گرامی آذان میں سننے کے وقت دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانے کے مسئلہ پر لکھا گیا ہے۔ میں نے اس کا نام تنویرالعین بتقبیل الابہامین یعنی انگوٹھے چومنے کا بیان رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احسان عظیم اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوات والتسلیمات والتحیات الی ابدالآبدین کے وسیلہ جلیلہ سے اسے شرف قبولیت بخشے آمین ثم آمین

استفتاء: کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ آذان میں کلمہ مبارکہ اشھد ان محمدا رسول اللہ سنتے وقت اپنے دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا اور قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا از روئے شرع شریف کیسا ہے؟ (المستفتی مولوی غلام رسول عارف القادری سمور علاقہ ٹھارہ ضلع میرپور آزاد کشمیر)

الجواب وھوالموافق للصدق والصواب

آذان میں شہادت رسالت سنتے وقت اپنے دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا اور صلی اللہ علیک یا رسول اللہ قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا شرعاً مستحب' باعث اجر عظیم وموجب فوز وفلاح دارین ہے۔ متعدد کتب فقہ حنفی میں اس کے استحباب کی تصریح موجود اور اس کے فضائل عظیمہ وفوائد جلیلہ ومنافع وقیعہ مذکور ومسطور۔ ہم یہاں بحمد اللہ تعالیٰ چند کتب معتبرہ کی عبارات باترجمہ پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ہمارے عام پڑھے لکھے سنی احباب کا ایمان تازہ ہو اور بد مذہبوں پر اتمام حجت ہو جائے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔

(۱) امام ابن عابدین شامی کا ارشاد

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادہ صلی اللہ علیک

يا رسول الله وعند الثانيه منها قرت عيني بك يارسول الله ثم يقول اللهم متعني با لسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامين على العينين فانه عليه السلام يكون قائدا له الى الجنة كذا فی كنز العبادا ه قهستاني ونحوه فی الفتاوی الصوفیه .

آذان کی پہلی شہادت رسالت سنتے وقت صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت رسالت سنتے وقت قرت عینی بک یارسول اللہ کہنا اور اس کے بعد آنکھوں پر انگوٹھوں کے ناخن رکھ کر اللھم متعنی بالسمع والبصر کہنا مستحب ہے۔ سو بلاشبہ نبی کریم ﷺ ایسا کرنے والے کو جنت کی طرف اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اسے امام قہستانی نے کتاب کنز العباد سے نقل فرمایا اور اسی طرح فتاوی صوفیہ میں بھی مذکور ہوا۔ پھر فرماتے ہیں۔

وفی كتاب الفردوس من قبل ظفری ابهاميه عندسماع اشهد ان محمدا رسول الله فی اذان انا قائده ومد خله فی صفوف الجنة وتمامه فی حواشی البحر عن المقاصد الحسنة للسخاوی ذكر ذالک الجراحی واطال ثم قال ولم يصح فی المرفوع من كل شیء هذا .

اور کتاب مسند الفردوس میں ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جو شخص آذان میں اشھد ان محمدا رسول اللہ سنتے وقت انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے۔ میں اس کا قائد اور اسے جنتیوں کی صف میں داخل کرنے والا ہوں گا۔ امام رملی نے حواشی بحرالرائق میں اس کی پوری بحث امام سخاوی کی کتاب المقاصد الحسنہ سے نقل فرمائی اور امام جراحی نے اسے طوالت سے ذکر کرنے کے بعد فرمایا اس مسئلہ میں کوئی مرفوع حدیث صحت کے درجہ کو نہیں پہنچی۔ (ردالمحتار علی الدر المختار باب الاذان عند قولہ ویدعو عند فراغہ)

(۲) امام طحطاوی کا ارشاد

امام احمد طحطاوی فرماتے ہیں۔ ذكر القهستانی عن كنز العباد انه

يستحب ان يقول عند سماع الاولى من الشهادتين للنبى ﷺ صلى عليك يا رسول الله وعند سماع الثانية قرت عينى بك يا رسول الله اللهم متعنى با لسمع والبصر بعد وضع ابهاميه على عينيه فانه ﷺ يكون قائد اله فى الجنة وذكر الديلمى فى الفردوس من حديث ابى بكر رضى الله تعالى عنه مرفوعا من مسح العين بباطن انملة السبابتين بعد تقبليهما عند قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله وقال اشهد ان محمدا عبده ورسوله رضيت با الله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد نبيا حلت له شفاعتى اھ وكذا روى عن الخضر عليه السلام وبمثله يعمل فى الفضائل .

امام قہستانی نے کتاب کنز العباد سے نقل فرمایا کہا آذان میں پہلی شہادت رسالت سن کر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہنا اور دوسری شہادت رسالت سنتے وقت آنکھوں پر انگوٹھے رکھ کر قرت عینی بک یا رسول اللہ اللھم متعنی بالسمع والبصر کہنا مستحب ہے۔ اور حضور ﷺ اسے جنت کی طرف لے جائیں گے۔ اور محدث دیلمی نے کتاب مسند الفردوس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص مؤذن کے قول اشھد ان محمداً رسول الله کے وقت اپنی انگلیوں کے پوروں کے باطنی حصے کو چوم کر اپنی آنکھوں پر ملے اور اشھد ان محمدا عبده ورسوله رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمدنبيا ً کہے۔ تو اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی اور ایسا ہی حضرت خضر علیہ السلام سے بھی مروی ہے۔ اور اس قسم کی حدیث پر عمل کرنا فضائل میں جائز ہے۔ (حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۱۱)

(۳) امام شیخ زادہ کا ارشاد

امام شیخ زادہ حواشی بیضاوی شریف میں شیخ ابوالوفاء سے نقل فرماتے ہیں۔ قال رايت فى بعض الفتاوى ان ابا بكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنه سمع

الاذان فلما بلغ المؤذن الی کلمتی الشھادۃ با لرسالۃ لرسول اللہ ﷺ قبل ظفری ابھامیہ من یدیہ فمسح بھا عینیہ فقال ﷺ لما فعلت ھذا قال تبرکا باسمک الکریم یا رسول اللہ فقال ﷺ احسنت فمن یعمل بہ امن من الرمد ۔

میں نے بعض کتب فتاوی میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آذان سن رہے تھے۔ جب مؤذن اشھدان محمدا رسول اللہ پر پہنچا تو انہوں نے اپنے ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخنوں کو بوسہ دیا اور انھیں اپنی آنکھوں سے ملا۔ رسول مقبول ﷺ نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا آپ کے اسم کریم سے برکت حاصل کرنے کے لئے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا کیا۔ سو جو کوئی ایسا کرے گا اس کی آنکھیں دکھنے سے محفوظ رہیں گے۔ (اشد الجہاد ص ۴۰)

(۴) شیخ مسعود سمرقندی کا ارشاد

روی عن النبی ﷺ انہ قال من سمع اسمی فی الاذان ووضع ابھامیہ علی عینیہ فانا طالبہ یوم القیامۃ وقائدہ الی الجنۃ ۔

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص آذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھے اپنی آنکھوں پر رکھے گا میں اس کو قیامت کے روز تلاش کروں گا اور اسے اپنے پیچھے پیچھے جنت کی طرف لے جاؤں گا۔

(۵) ملا علی قاری کا ارشاد

قلت واذا ثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ عنہ فیکفی للعمل بہ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین ۔ میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث (تقبیل ابھامین کی حدیث) کا مرفوع ہونا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہو گیا تو اس پر عمل کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم پر میری سنت

اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔ (الموضوعات الکبیر ص ۱۰۸)

(۲) شیخ اسمعیل حقی کے ارشادات

وذکر تاج الشریعة ان اجابة المؤذن سنة وقال النووی مستحبة فیقول بمثل ما یقول المؤذن وضعف تقبیل ظفری ابهامیه مع مسبحتیه والمسح علی عینیه عند قوله محمدا رسول الله لانه لم یثبت فی الحدیث المرفوع لکن المحدثین اتفقو علی ان الحدیث الضعیف یجوز العمل به فی الترغیب والترهیب فقط .

امام تاج الشریعہ نے ذکر کیا ہے کہ مؤذن کی اجابت سنت ہے اور امام نووی نے فرمایا مستحب ہے۔ پس آذان سننے والا وہی کلمات کہے جو مؤذن کہہ رہا ہے اور مؤذن کے قول اشھد ان محمدا رسول اللہ کے وقت انگوٹھے کے ناخنوں کو شھادت کی انگلیوں کے ہمراہ چومنا اور انھیں آنکھوں سے ملنا ضعیف حدیثوں سے ثابت ہے۔ کیونکہ یہ عمل کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔ لیکن محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ ترغیب وترہیب کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔ (تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۲۱۰)

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

ثم للصلوات والتسلیمات مواطن فمنها ان یصلی عند سماع اسمه الشریف فی الاذان قال القهستانی فی شرحه الکبیر نقلا عن کنز العباد اعلم انه یقال عند سماع الاولی من الشهادة الثانیة قرت عینی بک یا رسول الله ﷺ اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامین علی عینیه فانه ﷺ یکون قائدا له الی الجنة .

صلوٰۃ وسلام کے مواضع استحباب میں سے ایک یہ ہے کہ آذان میں آپ ﷺ کا اسم شریف سن کر درود شریف پڑھے۔ امام قہستانی نے شرح کبیر میں کنز العباد سے نقل فرمایا

ہے کہ پہلی شہادت رسالت سنتے وقت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا اور دوسری شہادت رسالت سنتے وقت قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہنا پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھنے کے بعد اللھم متعنی بالسمع والبصر کہنا مستحب ہے۔ اور حضور ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ پھر فرمایا۔

قال بعضھم پشت ابھامین بر چشم مالیدہ ایں دعاء بخواند اللھم متعنی بالسمع والبصر و در صلوات نجمی فرمودہ کہ ناخن ھر دو ابھام را بر چشم نھد بطریق مد .

اور بعض علماء نے فرمایا کہ انگوٹھوں کی پشت آنکھوں پر ملنے کے بعد اللھم متعنی بالسمع والبصر کہے اور کتاب صلوات نجمی میں ہے کہ انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر نو کے عدد کے طریق پر رکھے پھر فرمایا۔ ودر محیط آوردہ کہ پیغمبر علیہ السلام بمسجد در آمد نزدیک ستون بنشست وصدیق رضی اللہ عنہ در برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نشستہ بود۔ بلال برخاست وبآذان اشتغال فرمود۔ چوں گفت اشھد ان محمدا رسول اللہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر دو ناخن ابہامین خود را بر ہر دو چشم خود نہادہ گفت قرت عینی بک یا رسول اللہ۔ چوں بلال فارغ شد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ یا ابا بکر ہر کہ بکند چنیں کہ تو کردی خدائے بیامرزد گناہان جدید وقدیم اور اگر بعمد بودہ باشد اگر بخطا۔ اور محیط میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے نزدیک بیٹھ گیے اور حضرت ابوبکر صدیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیٹھ گئے اور حضرت بلال اٹھے اور آذان دینے میں مشغول ہو گئے جب انہوں نے اشھد ان محمدا رسول اللہ کہا تو صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھ کر کہا قرۃ عینی بک یا رسول اللہ۔ جب وہ آذان سے فارغ ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر جو کوئی ایسا کرے جیسا آپ نے کیا تو خدا تعالیٰ اس کے نئے اور پرانے گناہ بخش دے گا خواہ اس نے جان بوجھ کر کئے تھے یا خطاءً پھر فرمایا۔

حضرت شیخ امام ابو طالب محمد بن علی مکی رفع اللہ درجتہ در قوت القلوب روایت کردہ اند از ابن عینیہ رحمہ اللہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام بمسجد در آمد در دہ محرم و بعد ازاں کہ نماز جمعہ ادا فرمودہ بود نزدیک استوانہ قرار گرفت و ابوبکر رضی اللہ عنہ بظہر ابہامین چشم خود را مسح نمود۔ حضرت رسول اللہ ﷺ فرمود کہ اے ابوبکر ہر کہ بگوید آنچہ تو گفتی از روے شوق بلقائے من و بکند آنچہ تو کردی خدائے درگزرد گناہان وی را آنچہ باشد نو و کہنہ خطا و عمد و نہاں آشکارا و من درخواست کنم جرائم وے را۔

اور حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی مکی (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) نے کتاب قوت القلوب میں حضرت ابن عینیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت بیان کی ہے۔ کہ عاشورہ کے دنوں میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام مسجد میں تشریف لائے اور نماز جمعہ ادا فرما کر ستون کے پاس بیٹھ گئے۔ آذان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انگوٹھوں کی پشت کو اپنی آنکھوں سے ملا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ اے ابوبکر جو شخص کہے۔ جو آپ نے کہا میری ملاقات کے شوق میں اور کرے جو کچھ آپ نے کیا تو خدا تعالیٰ اس کے نئے پرانے خطی عمدی چھپے اور ظاہر گناہ معاف فرمادے گا اور میں اس کے گناہوں کی مغفرت کی سفارش کروں گا۔

پھر فرمایا۔ در مضمرات بریں وجہ نقل کردہ وفی قصص الانبیاء وغیرھا ان آدم علیہ السلام اشتاق الی لقاء محمد ﷺ حین کان فی الجنة فاوحی اللہ تعالی الیہ ھو من صلبک ویظھر فی آخر الزمان فجعل اللہ النور المحمدی فی اصبعه المسبحة من یدہ الیمنی فسبح ذالک النور فلذلک سمیت ذالک الاصابع مسبحة کما فی الروض الفائق اواظھر اللہ تعالی جما ل جبینه فی صفاء ظفری ابھامیه مثل المرأة فقبل آدم ظفری ابھامیه ومسح علی عینیه فصار اصلاً لذریته فلما اخبر جبریل النبی ﷺ بھذہ القصة قا ل علیه الصلوۃ والسلام من

سمع اسمی فی الآذان فقبل ظفری ابهامیه ومسح علی عینیه لم یعم ابداً۔ فقال الامام السخاوی فی المقاصد المحسنة ان هذا الحدیث لم یصح فی المرفوع من الحدیث هو ما اخبر الاصحاب عن رسول الله علیه السلام۔

اور کتاب المضمرات میں منقول ہوا کہ قصص الانبیاء وغیرہا کتب میں مذکور ہے۔ کہ جب آدم علیہ السلام جنت میں حضرت محمد ﷺ کی زیارت کے مشتاق ہوئے تو اللہ تعالی نے انھیں وحی کی کہ محمد ﷺ تمہاری پشت میں ہیں۔ اور وہ آخری زمانے میں ظاہر ہوں گے۔ پھر جب انہوں نے ملاقات محمدی کا سوال کیا تو اللہ تعالی نے نور محمدی ان کے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی میں کر دیا پس وہ انگلی تسبیح پڑھنے لگی۔ اسی وجہ سے اس کا نام مسبحہ رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ کتاب الروض الفائق میں مذکور ہے۔ یا اللہ تعالی نے حضرت محمد ﷺ کی پیشانی کا جمال حضرت آدم علیہ السلام کے انگوٹھے کے ناخنوں کی چمک میں شیشے کی طرح ظاہر فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو بوسہ دیا اور انہیں اپنی آنکھوں پر ملا۔ اسی وجہ سے اولاد آدم کے لئے انگوٹھے چومنا اصل بن گیا۔ پھر جب جبرائیل علیہ السلام نے یہ قصہ نبی پاک سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا جو شخص آذان میں میرا نام سنے پھر وہ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو بوسہ دے اور انہیں اپنی آنکھوں سے ملے تو وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔ امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں فرمایا مرفوع ہونے میں یہ حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔

پھر فرمایا۔ وفی شرح الیمانی ویکره تقبیل الظفرین ووضعهما علی العینین لانه لم یر وفیه حدیث والذی فیه لیس بصحیح اه یقول الفقیر قدصح عن العلماء تجویز الاخذ بالحدیث الضعیف فی العملیات فکون الحدیث المذکور غیر مرفوع لا یستلزم ترک العمل بمفهومه وقد اصاب القهستانی فی القول با ستحبابه وکفانا کلام الامام المکی فی کتابه فانه شهد الشیخ السهر وروی فی عوارف المعارف بوفور علمه

وكثرة حفظه وقوة حاله وقبل جميع ما اورده في كتابه قوت القلوب ولله درارباب الحال في بيان الحق وترك الجدال .

اور شرح یمانی میں ہے۔ کہ ناخنوں کو بوسہ دینا اور آنکھوں پر رکھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کے بارہ میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی۔ اور جو وارد ہوئی ہے وہ درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ اس کے جواب میں یہ فقیر (شیخ اسمعیل حقی) کہتا ہے کہ اعمال میں ضعیف حدیث سے تمسک کرنا علماء کے نزدیک صحیح ہے۔ سو اس حدیث کا غیر مرفوع ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ اس کے مضمون پر عمل کرنا چھوڑ دیا جائے اور امام قہستانی نے انگوٹھے چومنے کے مستحب ہونے کا جو قول کیا ہے اس میں وہ درستی پر ہیں۔ اور ہمارے امام حضرت ابو طالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وہ عبارت جو انہوں نے کتاب قوت القلوب میں لکھی ہے ہمارے لئے کافی ہے۔ کیونکہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب عوارف المعارف میں شیخ ابو طالب مکی کے وفور علم کثرت حفظ اور قوت حال کی شہادت دی ہے اور انہوں نے شیخ ابو طالب مکی کی کتاب قوت القلوب کے جملہ مندرجات کو قبول فرمایا ہے۔ (تفسیر روح البیان جلد ہفتم ص ۲۲۸)

(۷) محشی جلالین کا ارشاد

محشی جلالین شیخ اسمعیل حقی کے ان ارشادات کو التقاطاً نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

ولقد فصلنا الكلام واطنبنا لان بعض الناس ينازع فيه لقلة علمه اهـ

ہم نے اس بارہ میں کلام مفصل وطویل کیا ہے۔ کیونکہ بعض لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے انگوٹھے چومنے کے مسئلہ میں جھگڑا کرتے ہیں۔ الحمد للہ ان کتب مبارکہ کی ان عبارات جلیلہ سے آذان کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنے اور قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہنے کا استحباب بدرجہ کمال ثابت ہوا اور یہ ہم مقلدین احناف کیلئے کافی ووافی ہے۔ غیر مقلدین وہابیہ زمانہ کیلئے تو دفتر بے کار ہے۔

والله لا يهدى القوم الظالمين وهذا ما عندى والعلم التام عند الله العلام وانا الفقير ابو الكرم احمد حسين قاسم الحيدرى الرضوى غفر الله تعالى لى خادم التدريس بالجامعة الحيدرية فضل المدارس ببلدة سهنسه من مضافات آزاد كشمير .

(٢٤ ذوالحجہ ١٤٠٥ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہواں مقالہ

اقامت میں حی علی الفلاح پر اٹھنے کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد :

بعض احباب سے سنا ہے کہ بعض جگہوں کے امام مسجد اقامت سے پہلے سب نمازیوں کو صفوں میں کھڑا ہونے کو کہتے ہیں جب صفیں درست ہو جاتی ہیں تو اقامت کہی جاتی ہے اور سب مقتدی اقامت میں کھڑے رہتے ہیں چونکہ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے۔ اسلئے اس مسئلہ کی وضاحت میں یہ مختصر رسالہ ''اقامت میں حی علی الفلاح پر اٹھنے کا بیان'' لکھنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے۔ اللہ تعالی اسے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین

امام صدر الشریعۃ فرماتے ہیں

اقامت کے وقت کوئی شخص آیا تو اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ بلکہ بیٹھ جائے۔ جب حی علی الفلاح پر پہنچے۔ اس وقت کھڑا ہو۔ یونہی جو لوگ مسجد میں موجود ہیں وہ بیٹھے رہیں۔ اس وقت اٹھیں جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے یہی حکم امام کیلئے بھی ہے۔ (عالمگیری) آجکل اکثر جگہ رواج پڑ گیا ہے کہ وقت اقامت سب لوگ کھڑے رہتے ہیں۔ بلکہ اکثر جگہ تو یہاں تک ہے۔ جب تک امام مصلے پر کھڑا نہ ہو اس وقت تک اقامت نہیں کہی جاتی۔ یہ خلاف سنت ہے۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص ۳۴۔ آذان کا بیان)

امام علاء الدین حصفکی لکھتے ہیں۔ دخل المسجد والمؤذن یقیم قعد الی قیام الامام فی مصلاہ ۔ جب کوئی شخص مسجد میں اس حال میں داخل ہو کہ مؤذن اقامت کہہ رہا ہے۔ تو بیٹھ جائے۔ پھر جب امام حی علی الفلاح پر اپنے مصلے میں کھڑا ہوگا تو یہ بھی کھڑا ہو جائے۔ (درمختار ج اول ص ۲۹۵)

علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔ (قولہ قعد) ویکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن الی حی علی الفلاح اھ

هندیه عن المضمرات ۔ (ص ۵۷ ج ا عالمگیری)

فتاوی عالمگیری میں مضمرات سے منقول ہے کہ مسجد میں آنے والے کیلئے مکروہ ہے کہ وہ کھڑا رہ کر انتظار کرے بلکہ بیٹھ جائے ۔ پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑا ہو جائے ۔

اور امام حصکفی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ۔ والقیام للامام والمؤتم حین قیل حی علی الفلاح خلافا لزفر فعنده عند حی علی الصلوة ابن کمال . ابن کمال نے کہا کہ نماز کیلئے مستحب ہے ۔ وہ امام ہو یا مقتدی اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن اقامت میں حی علی الفلاح کہے ۔ امام زفر کا اس میں اختلاف ہے ۔ ان کے نزدیک حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہو (درمختار جلد اول ص ۳۵۴)

علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں ۔ (قوله حین قیل حی علی الفلاح) کذا فی الکنز ونور الایضاح والاصلاح والظهیریة والبدائع وغیرها ۔ کنز الدقائق نور الایضاح اصلاح فتاوی ظہیریہ اور بدائع الصنائع وغیرہ کتب فقہ حنفی میں یہی لکھا ہے کہ حی علی الفلاح پر اٹھے پھر ابن الکمال سے یہ نقل فرماتے ہیں ۔ قال فی الذخیره یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثة والصحیح قول علماء نا الثلاثه . ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن اقامت میں حی علی الفلاح کہے ۔ اور یہی قول صحیح ہے ۔

امام شلبی حاشیہ تبیین الحقائق میں لکھتے ہیں ۔ والسنة ان یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ومثله فی المبتغی یعنی سنت یہ ہے کہ امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن اقامت میں حی علی الفلاح کہے اور کتاب المبتغی میں بھی اسی کی مثل مذکور ہوا ہے ۔ (حاشیہ تبیین ص ۱۰۸ ج ۱)

امام کاشانی فرماتے ہیں

والجملة فيه ان المؤذن اذا قال حي على الفلاح فان كان الامام معهم في المسجد يستحب للقوم ان يقوم في الصف ولنا ان قوله حي على الفلاح دعاء الى ما به فلا حهم وامر بالمسارعة فلا بد من الاجابة الى ذلك ولن تحصل الاجابة الا بالفعل وهو القيام

اور حاصل کلام اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب مؤذن اقامت میں حی علی الفلاح کہے تو اگر امام قوم کے ہمراہ مسجد میں ہو تو قوم کیلئے مستحب ہے۔ کہ وہ صف میں اٹھ کھڑے ہو جائیں اور ہماری دلیل اس مسئلے میں یہ ہے کہ مؤذن کا حی علی الفلاح کہنا فلاح کی طرف بلانا ہے۔ اور اس کی طرف جلدی چلا آنا ہے۔ پس ضروری ہوا کہ اس وقت نماز کیلئے اٹھا جائے۔ جب فلاح کی طرف بلایا جائے۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۰۰)

اعلیٰ حضرت کا فتویٰ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دعوی کرتا ہے کہ جب تک سب مقتدی کھڑے نہ ہولیں اور صف سیدھی نہ ہو اور امام اپنی جائے نماز پر کھڑا نہ ہو تب تک اقامت نہ کہی جائے۔ اور عمرو دعوی کرتا ہے۔ کہ مقتدی اور امام کو پہلے ہی سے کھڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ اقامت شروع کی جائے۔ اور مؤذن حی علی الفلاح تک پہنچ جائے۔ اس وقت امام ومقتدی کھڑے ہو جائیں اور جس وقت قد قامت الصلوۃ کہے تب امام تکبیر کہے۔ اب ان دونوں میں کون حق پر ہے۔

الجواب عمرو حق پر ہے۔ کھڑے ہو کر تکبیر سننا مکروہ ہے۔ یہاں تک کہ علماء حکم فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں آیا اور تکبیر ہو رہی ہو وہ اس کے تمام تک کھڑا نہ رہے۔ بلکہ بیٹھ جائے یہاں تک کہ مکبر حی علی الفلاح تک پہنچے اس وقت کھڑا ہو۔ وقایہ میں ہے

يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح ويشرع عند قد

قامت الصلوة ۔امام اورقوم اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے اورنماز شروع کردیں جب وہ قد قامت الصلوۃ کہےمحیط وہندیہ میں ہے۔ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمآء نا الثلاثة وھو الصحیح . (امام اورقوم اس وقت اٹھیں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اور یہ ہمارے تینوں اماموں کےنزدیک ہے۔اور یہی صحیح قول ہے)

جامع المضمرات وعالمگیر یہ وردالمحتار میں ہے۔ اذا بلغ الرجل عند الاقامة یکرہ لہ الانتظار ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح. جب کوئی شخص اقامت ہوتے وقت مسجد میں پہنچےتو اس کے لئے کھڑے رہ کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہےتو اٹھے اسی طرح بہت کتب میں ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ امام بھی وقت تکبیر مسجد میں ہواور اگر حاضر نہیں تو مؤذن جب تک اسے آتا نہ دیکھے تکبیر نہ کہے۔ نہ اس وقت تک کوئی کھڑا ہولقولہ ﷺ لاتقوموا حتی ترونی (جب تک مجھے نہ دیکھو کھڑے نہ ہو) پھر جب امام آئے۔ اور تکبیر شروع ہواس وقت دوصورتیں ہیں، اگر امام صفوں کی طرف سے داخل مسجد ہوتو جس صف سے گزرتا جائے۔ وہی صف کھڑی ہوتی جائے۔اور اگر سامنے سے آئے تو اسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں۔اور اگر خود امام ہی تکبیر کہے۔تو جب تک پوری تکبیر سے فارغ نہ ہولے مقتدی اصلا نہ کھڑے ہوں بلکہ اگر اس نے تکبیر مسجد سے باہر کہی تو فراغ پر بھی نہ کھڑے ہوں جب وہ مسجد میں قدم رکھے اس وقت قیام کریں جیسا کہ ہندیہ میں مذکور ہے۔ (فتاوی رضویہ جلد۲ص۳۹۱)

حضرت محدث اعظم پاکستان کا فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تکبیر کہتے وقت مقتدی وامام کو بیٹھنا چاہیئے کہ نہیں اور یہ حوالہ کن کتب فقہ میں آیا ہے۔ بینوا توا جروا

الجواب بہار شریعت میں عالمگیری کے حوالہ سے تحریر ہے۔ فرمایا اقامت کے وقت کوئی شخص آیا تو اسے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ بلکہ بیٹھ جائے۔ جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے اسوقت کھڑا ہو یہی حکم امام کیلئے ہے۔۔تنویرالابصار میں ہے۔ والقیام للامام والمؤتم حین قیل حی علی الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب اورمستحب ہے امام اورقوم کیلئے اٹھنااس وقت جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔ بشرطیکہ امام محراب کے قریب (یعنی مسجد کے اندر) موجود ہو۔

ردالمحتار میں ہے۔ کذا فی الکنز ونورالایضاح والاصلاح والظھریہ والبدائع وغیرھا قال فی الذخیرۃ یقوم الامام والمؤتم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح شامی علی الدرالمختار عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایہ فتاوی رضویہ جلد۲ بہارشریعت وغیرہ کتب فقہ میں تکبیر ہوتے وقت کھڑے ہوکر انتظار کرنے کومکروہ لکھا ہے۔ واللہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم (انوارشریعت حصہ شش دہم ص ۴۹۸)

صاحب کنز فرماتے ہیں

والقیام حین قیل حی علی الفلاح اورنماز کے مستحبات میں سےایک یہ ہے۔ کہ جب مؤذن اقامت میں حی علی الفلاح کہے۔تو اٹھا جائے۔ (کنزالدقائق باب صفۃ الصلوۃ ص ۴۵)

صاحب وقایہ فرماتے ہیں

ویقوم الامام والقوم عندحی علی الفلاح امام اورقوم حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں۔ (شرح وقایہ ص ۱۵۵ ج ۱)

شرنبلالی فرماتے ہیں

ومن الادب القیام ای قیام القوم و الامام ان کان حاضرا بقرب

المحراب حين قيل اى وقت قول المقيم حي على الفلاح لانه امر به فيجاب (مراقی مدنی ص ۱۸۵)

الحمد للہ فقہ حنفی کی معتبر کتب مبارکہ کے ان حوالہ جات سے مسئلہ پورے طور پر واضح ہو گیا ہے۔ وللہ الحمد۔

ایک شبہ کا ازالہ

مفتی نور اللہ نعیمی کے فتاوی میں ہے۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کے ایسا نمازی جو اقامت نماز کے دوران مسجد میں آیا جبکہ امام بھی آچکا ہو تو کیا اس کا بیٹھ جانا ضروری ہے۔ کہ حی علی الفلاح پر اٹھے۔

الجواب: اللهم اجعل لى النور والصواب حضور پرنور سید عالم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جب کوئی تمہارا مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے اور یوں بھی آیا ہے۔ کہ دو رکعتوں کے پڑھنے تک نہ بیٹھے (متفق علیہ) اس حکم کی بناء پر ہمارے آئمہ کرام اور جمہور کے نزدیک نماز تحیۃ المسجد مستحب مؤکد ہے۔ بلکہ ہمارے مشائخ کرام نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ سنت ہے۔ جو کسی بھی سنت یا فرض نماز سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔ جس سے پہلے تاکیدی مستحب بلکہ سنت کا خلاف اور غیر اولی ہے۔ لہذا ایسا داخل ہونے والا جس کے متعلق سوال ہے۔ اداء نماز سے قبل نہ بیٹھے اور چونکہ امام حاضر ہے۔ لہذا حدیث لا تقوموا حتى ترونى کا تقاضا بھی نہیں کہ قیام کرے اور یہیں سے واضح ہوا کہ مضمرات شرح قدوری میں مولانا صوفی یوسف بن عمر کا دوری کا ایسے داخل مسجد کیلئے قعود کا حکم دینا اور قیام مکروہ بتانا بے دلیل ہے۔ اور صحیح نہیں اس میں حضور پر نور روحی فداہ محمد مصطفےٰ ﷺ کے حکم مذکور کی صریح خلاف ورزی ہے۔ جو ہمارے کسی بھی امام کا ہرگز ہرگز قول نہیں ہو سکتا۔ لہذا مقبول نہیں۔ اور ہندیہ اور درر وغیرہ کا مضمرات سے نقل کرنا بھی صحیح نہیں بنا سکتا کہ غیر صحیح نقل کر دینے سے صحیح نہیں بن جاتا۔ تعجب ہے کہ امام کی

موجودگی کی صورت میں تکبیر سے پہلے حاضرین کیلئے قیام عندالفلاح ہمارے آئمہ کرام کے نزدیک مستحب تو ہے۔مگر مستحب کا خلاف دلیل خاص کے بغیر مکروہ نہیں بن سکتا تو وقت پر آنے والوں کیلئے کیوں مکروہ ہوا؟ (فتاوی نوریہ حصہ اول ص ۲۰۱) نعیمی صاحب کے اس فتوی کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ مسجد میں امام کی موجودگی کے وقت عندحی علی الفلاح قیام کے استحباب کی دلیل قد قامت الصلوۃ کے الفاظ ہیں۔کیونکہ قد قامت ماضی قریب کا صیغہ ہے۔اس لئے ان الفاظ کے کہے جانے کے زیادہ سے زیادہ قریبی وقت میں نماز کیلئے امام اور قوم کا قیام شرط ہے۔ ورنہ یہ کلام صادق ثابت نہیں ہوگا کما لایخفی

اور امام مسجد میں موجود نہ ہو اور اقامت کہی جائے تو اس وقت اٹھا جائے۔جب امام کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے لوگ دیکھیں بوجہ اس حدیث کے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لاتقوموحتی ترونی جب تک مجھے مسجد میں داخل ہوتے نہ دیکھو قیام نہ کرو۔باقی جس حدیث سے مفتی صاحب نے استدلال کیا ہے۔یہ حدیث اس حالت کے بارے میں ہے کہ کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت میں آئے کہ نفل نماز (تحیۃ المسجد) ادا کرنے میں کوئی مانع نہ ہو یعنی وقت مکروہ بھی نہ ہو اور اقامت برائے ادائیگی فرض بھی نہ ہو رہی ہو لہذا اس حدیث سے استدلال کرنا اور مضمرات کے قول اور اس کے ناقلین کی صحت کا انکار کرنا ہرگز صحیح نہیں۔اللہ تعالی حق سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق بخشے آمین

لطیفہ:

ماہنامہ انوارالصوفیہ قصور بابت فروری ۱۹۶۲ء کے صفحہ نمبر ۱۷ پر پیر سید اختر حسین شاہ صاحب جماعتی علی پوری کے چند استفسارات شائع ہوئے ہیں۔قارئین کی لطافت طبع کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔چنانچہ حضرت پیر صاحب لکھتے ہیں۔اقامت کے متعلق رسالہ انوار الصوفیہ میں مابین عبدالعزیز صاحب مزنگوی اور مولانا مولوی غلام رسول صاحب ایڈیٹر انوار الصوفیہ گرماگرمی سے اور کتب کے حوالہ جات وعبارات کی بھرمار ست بحث ہو رہی ہے۔ذوق شوق والے حضرات دلی شوق کے ساتھ دونوں مضامین کو پڑھ

کر بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ ایک بات حضرت مولانا عبد العزیز صاحب مزنگ لاہور سے بوجہ ان کی علمی قابلیت اور فتویٰ نویسی کی خاص مہارت کی بناء پر دریافت کروں تاکہ میرے شکوک وشبہات پورے طور پر رفع ہو جائیں۔ میں امید واثق وخیال راسخ رکھتا ہوں کہ مولانا صاحب مفصل اور واضح جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عطا فرمائیں گے۔ بر کریما کارہا دشوار نیست۔

اقامت کے وقت امام اور مقتدی کا بیٹھ جانا کیا فرض ہے؟ اگر فرض ہے تو کیوں؟ یا سنت ہے تو کیوں؟ یا واجب ہے تو کیوں؟ یا مستحب ہے تو کیوں؟ یا افضل ہے تو کیوں؟ یا حرام ہے تو کیوں؟ یا مکروہ تحریمی ہے تو کیوں؟ یا مکروہ تنزیہی ہے تو کیوں؟ یا مشکوک ہے تو کیوں؟ یا خلاف اولی ہے تو کیوں؟ امام ومقتدی اگر نہیں بیٹھتے تو کیا عذاب کے مستحق ہوں گے یا ثواب کے؟ یا عظیم عذاب ہوگا یا معمولی سزا؟ اگر ثواب کا مستحق ہے تو کس قسم کا؟ صرف سرزنش ہوگی یا جھڑک ملے گی؟ یا نبی اکرم ﷺ کی ناراضگی کا باعث؟ یا یہ شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے یا صغیرہ کا؟ یا لغزش کا؟ مہربانی فرما کر مندرجہ بالا جزئیات کا جواب معتبر کتب کے حوالہ جات صفحات وعبارات سے تحریر فرما کر مستفید فرمائیں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ (سید اختر حسین شاہ جماعتی) اھ بلفظہ اختصاراً۔

حضرت مولانا عبد العزیز مزنگی رحمۃ اللہ علیہ نے قبلہ پیر صاحب کے ان استفسارات کا جواب دیا تھا یا کہ نہیں یہ ہمیں معلوم نہیں۔ لیکن یہ استفسارات باعث تعجب ضرور ہیں۔ کیونکہ ہماری فقہ حنفی کی معتبر کتب متون وشروح وحواشی وفتاوی سب میں موجود کہ مسجد میں امام کی موجودگی کے وقت حی علی الفلاح پر اٹھنا آداب نماز سے ہے۔ اور جو شےء نماز کا ادب ہو وہ کم از کم مستحب ضرور ہوتی ہے۔ تو صاف صاف معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح پر اٹھنے میں مستحب کی ادائیگی کا ثواب ہے اور پہلے سے کھڑے ہو جانے میں اس ثواب سے محرومی ہے۔ پھر مضمرات اور اس سے ناقلین نے کھڑے اقامت سننے کو مکروہ لکھا تو اگر

اس سے مکروہ تنزیہی ہی مراد ہے۔تو پھر بھی اس سے اجتناب ہی شرع شریف کو پسند۔اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق بخشے۔آمین۔

وهذا آخر ما اردنا ايراده في هذه الرسالة المختصرة تقبلها الله تعالى بمنه العظيم ورسوله الكريم ﷺ وانا الفقير الحقير ابو الكرم احمد حسين قاسم الحيدرى غفر الله تعالى لى المدرس بالجامعة الحيدرية فضل المدارس بهياني من مضافات سهنسه آزاد كشمير

(۲ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سولہواں مقالہ

ننگے سر نماز پڑھنے کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد!

استفتاء ۔ کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل بعض لوگ ننگے سر نماز پڑھتے ہیں۔ تو سمجھانے پر اپنی سینہ زوری سے کہہ دیتے ہیں۔ کہ ننگے سر سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ اس کا تفصیلی جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں (پیش کردہ حافظ ارشاد حقانی و حافظ شمشاد الحق کشمیری و حافظ صداقت علی حاکم ساکنان میلا دنگر (دھر بازار) ضلع پونچھ آزاد کشمیر)

الجواب بتوفیق الملک الوھاب عزوجل۔

نماز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ اس لئے نمازی کو باوقار لباس میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا چاہیے۔ میلے کچیلے کپڑوں میں یا بے وقار لباس میں نماز پڑھنا نماز میں کراہت پیدا کرتا ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ نماز پاک صاف تین کپڑوں تہبند یا شلوار قمیص اور عمامہ یا ٹوپی یا بڑے رومال میں پڑھی جائے چنانچہ بحر الرائق میں ہے۔ **والمستحب ان یصلی فی ثلاثۃ اثواب قمیص وازار وعمامۃ** اور مستحب یہ ہے کہ مرد تین کپڑوں قمیص تہبند اور پگڑی میں نماز پڑھے۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۲۵)

نماز با عمامہ کی فضیلت

عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت حدیثوں سے ثابت ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی فرماتے ہیں۔ فضل صلوۃ بالعمامہ میں احادیث مروی ہیں۔ وہ اگرچہ ضعاف ہیں مگر در بارۂ فضائل ضعاف مقبول اور عند التحقیق ان پر حکم بالوضع محل کلام۔

حدیث اول

اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال

رسول اللہ ﷺ ان اللہ عزوجل وملائکتہ یصلون علی اصحاب العمائم یوم الجمعہ ۔ یعنی بے شک اللہ عزوجل اور اس کے فرشتے جمعہ میں عمامے باندھے ہوؤں پر درود بھیجتے ہیں۔

حدیث دوم

ابن عساکر والدیلمی وابن النجار عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول صلوۃ تطوع او فریضۃ بعمامۃ تعدل خمسا وعشرین صلوۃ بلا عمامۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بلا عمامۃ ۔ یعنی ایک نماز نفل ہو یا فرض عمامہ کے ساتھ پچیس بے عمامہ نمازوں کے برابر ہے۔ اور ایک جمعہ عمامہ کے ساتھ ستر بے عمامہ جمعوں کے ہمسر ہے۔

حدیث سوم

الدیلمی عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ الصلوۃ فی العمامۃ تعدل بعشرۃ الاف حسنۃ ۔ یعنی عمامہ میں ایک نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۹۴)

حدیث چہارم

الدیلمی عن جابر رضی اللہ عنہ قال ق ل رسول اللہ ﷺ رکعتان بعمامۃ خیر من سبعین رکعۃ بلاعمامۃ ۔ یعنی عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھنا عمامہ کے بغیر ستر رکعتیں پڑھنے سے بہتر ہے (جامع الصغیر ج ۲ ص ۲۴)

نماز میں عمامہ کی شرعی حیثیت

اعلی حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ عمامہ مستحبات نماز سے ہے۔ اور ترک مستحب سے خلل تو در کنار کراہت بھی نہیں آتی ۔ وذلک لان التعمم من سنن

الـزوائد وسنن الزوائد حکمها حکم المستحب اوراس کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں عمامہ باندھنا سنن زوائد سے ہے۔ اورسنن زوائد کا حکم مستحب کا حکم ہوتا ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۴۷۲)

تنبیہ: دعوت اسلامی کے ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی صاحب کا یہ لکھنا کہ عمامہ سنت مؤکدہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ودیگر صالحین رحمۃ اللہ علیہم نے عمامہ شریف باندھنے کو افضل وسنت جانا اور اس کے ترک کو مکروہ اور روش غیر محمود تصور کیا۔ (کتاب سنت عمامہ مطبوعہ شبیر برادرز لاہور ص ۶)

درست نہیں ہے۔ کیونکہ نماز میں عمامہ سنت مؤکدہ نہیں۔ بلکہ سنت زائدہ ہے۔ اور اس کا ترک امام ومقتدی دونوں کیلئے مکروہ نہیں۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت کے فتویٰ میں گزرا

ٹوپی میں نماز بلا کراھت جائز ہے

ٹوپی میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ بعض صحابہ کرام بعض دفعہ اکیلی ٹوپی میں بھی نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ پیر کرم شاہ صاحب ضیاء النبی میں لکھتے ہیں۔ عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں۔ کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو میں نے مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ سروں پر اونچی اونچی ٹوپیاں اور چادریں اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور چادروں میں ان کے ہاتھ چھپے تھے۔ (ماہنامہ ضیائے حرم لاہور فروری ۲۰۰۲)

اور مفتی نوراللہ صاحب نعیمی بصیر پوری لکھتے ہیں۔ بہر حال محبوب مکرم ﷺ سے اکیلی ٹوپی کا پہننا بھی یقیناً ثابت ہے۔ اور چونکہ یہ سب روایات وعبارات (جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکیلی ٹوپی بھی پہنتے تھے) مطلق ہیں۔ یعنی ان میں یہ قید نہیں کہ آپ اکیلی ٹوپی کو نماز میں پہنا کرتے تھے یا نماز سے باہر تو معلوم ہوا کہ ٹوپی پہننا عام تھا تو نماز میں صرف ٹوپی پہننا بھی ثابت ہو گیا۔ محبوب کی تو ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ اور زینت تو لا

محالہ صرف ٹوپی پہننا بھی محبوب بنا اور زینت ہوا تو کراہت کا شبہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (فتاوی نوریہ ج۱ص ۳۷۶)

عمامے کے نیچے ٹوپی پہننا افضل ہے

حضرت مولانا صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ٹوپی پہننا خود حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔ (عالمگیری) حضور ﷺ عمامہ بھی باندھتے تھے یعنی عمامہ کے نیچے ٹوپی ہوتی اور یہ فرمایا کہ ہم میں اور ان میں فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے۔ یعنی ہم دونوں چیزیں رکھتے ہیں۔ اور وہ صرف عمامہ ہی باندھتے ہیں۔ تو اس کے نیچے ٹوپی نہیں پہنتے۔ بعض نے حدیث کا یہ مطلب بیان کیا کہ صرف ٹوپی پہننا مشرکین کا طریقہ ہے۔ مگر یہ قول صحیح نہیں۔ کیونکہ مشرکین عرب بھی عمامہ باندھا کرتے تھے۔ (بہار شریعت حصہ شانزدہم ص ۵۶)

اکیلے عمامے میں نماز مکروہ نہیں ہے

جس طرح اکیلی ٹوپی میں نماز مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح اکیلے عمامے میں بھی نماز مکروہ نہیں۔ کیونکہ پیچھے ''نماز با عمامہ کی فضیلت'' میں ہم نے جو چار حدیثیں نقل کی ہیں۔ ان میں عمامہ کا لفظ مطلق واقع ہوا ہے۔ لہذا ان حدیثوں میں عمامہ کی جو فضیلت بیان کی گئی وہ جس طرح عمامہ مع ٹوپی کیلئے ثابت ہے۔ اسی طرح ٹوپی کے بغیر عمامہ کیلئے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری حدیث فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس کے ماتحت لکھتے ہیں۔ وروی ابن عساکر عن ابن عمر مرفوعا صلوۃ تطوع او فریضۃ بعمامۃ تعدل خمسا وعشرین صلوۃ بلا عمامۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بلا عمامۃ فهذا کله یدل علی فضیلۃ العمامۃ مطلقا نعم الجمع بین الاحادیث انها مع القلنسوۃ افضل یعنی رسول اللہ ﷺ کا فرمانا کہ عمامہ کے ساتھ ایک نفل یا فرض نماز بے عمامہ پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ مطلق عمامہ کی فضیلت ثابت کرتا ہے۔ ہاں عمامہ کے ساتھ ٹوپی بھی پہنی جائے تو یہ افضل ہے۔ (مرقاۃ ج ہشتم ص ۲۵۰)

بڑا رومال عمامے کے قائم مقام ہوتا ہے

اعلیحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رومال اگر بڑا ہو کہ اتنے پیچ آسکیں جو سر کو چھپالیں تو وہ عمامہ ہی ہوگیا اور چھوٹا رومال جس سے ایک دو پیچ آسکیں لپیٹنا مکروہ ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۴۵۹)

تنبیہ: اعلیحضرت کی ان عبارات کی بناء پر پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب بن مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی دہلوی نے اپنے مضمون ''نصاری کے مذہبی اور قومی شعائر'' میں جو یہ لکھا ہے۔ کہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے رومال باندھ کر نماز پڑھانے کو منع فرمایا اور اس کو مکروہ لکھا ہے کہ اس کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ کہیں عمامے کی سنت نہ مٹ جائے اور صرف رومال رہ جائے۔ امام احمد رضا کا یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا اور اب عمامے کی جگہ رومال نے لے لی ہے۔ حالت یہ ہوگئی ہے کہ ٹوپی اوڑھ کر نماز پڑھانے میں کوئی قباحت نہیں۔ مگر نمازی رومال باندھ کر نماز پڑھانے پر امام کو مجبور کرتے ہیں۔ گویا وہ بھی اس کو عمامہ کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔ (ماہنامہ ضیائے حرم لاہور مارچ ۱۹۹۷ء ص ۷۹)

یہ اعلی حضرت کی عبارت کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اعلیحضرت نے مطلق رومال کو مکروہ نہیں لکھا بلکہ اسکی دو قسمیں بتائی ہیں: (۱) بڑا رومال جو سارے سر کو ڈھانپ لے (۲) چھوٹا رومال جو سارے سر کو ڈھانپ نہ سکے پہلی قسم کے رومال کے متعلق آپ نے فرمایا وہ عمامہ ہی ہوگیا تو اس کے لئے آپ نے عمامہ کا اجر و ثواب اور فضیلت ثابت فرمائی اور دوسری قسم کے رومال کے بارے میں فرمایا لپیٹنا مکروہ ہے۔ پھر دوسری قسم کے رومال کی کراہت کی یہ وجہ نہیں کہ لوگ اسکو عمامے کے قائم مقام سمجھ لیں گے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لپیٹنے سے اعتجار (یعنی سر کا حصہ ننگا رہ جانا) پیدا ہوتا ہے۔ جو مکروہ ہے۔ اور اعلی حضرت کی دوسری عبارت کے آخری حصہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑا رومال عمامہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اللہ تعالی حق سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے آمین۔

نماز کم از کم ٹوپی یا بڑے رومال یا عمامے میں پڑھی جائے

الحمد للہ! یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز کم از کم عمامے یا ٹوپی یا بڑے رومال میں پڑھی جائے اور ننگے سر نہ پڑھی جائے۔ مفتی نور اللہ نعیمی صاحب لکھتے ہیں۔ امام حقانی قطب ربانی حضرت سیدی عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کان رسول اللہ یا مر بستر الرأس بالعمامۃ او القلنسوۃ وینھی عن کشف الرأس فی الصلوٰۃ'' یعنی حضور پرنور ﷺ نماز میں عمامہ یا ٹوپی سے ستر سر (سر چھپانے) کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور نماز میں سر ننگا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (کشف الغمہ جلد اول ص ۸۵)

یہ حدیث شریف کئی وجوہ سے دلیل ہے۔۔ ستر سر کا حکم دینا اور سر ننگا کرنے سے منع فرمانا مکرر پتہ دیتا ہے کہ اکیلی ٹوپی بھی (نماز میں) کافی ہے پھر'' عمامہ یا ٹوپی'' فرمانا بھی اس کی دلیل ہے۔ (فتاویٰ نوریہ جلد اول ص ۳۷۶)

ننگے سر نماز پڑھنا منع ہے

امام عبد الوہاب شعرانی کی کتاب کشف الغمہ کی مندرجہ بالا حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ نماز میں سر ننگا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے تو پھر نماز میں سر ننگا کرنا شرعاً ممنوع ہی ہوگا۔

ننگے سر نماز کی شرعی حیثیت

ننگے سر نماز کے بارہ میں ہمارے حنفی علماء نے لکھا ہے کہ

(۱) وکرہ صلاتہ حاسراً ای کاشفاً رأسہ للتکاسل ولاباس بہ للتذلل۔ اور ننگے سر سستی سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور انکساری کے لئے ایسا کرنے میں حرج نہیں۔ (درمختار جلد اول ص ۴۷۴)

(۲) وکذا مکشوف الرأس للتهاون والتکاسل لا للخشوع .
اور اسی طرح سستی اور لاپرواہی سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور انکساری کے لئے ایسا کرنا مکروہ نہیں۔ (بحرالرائق جلد دوم ص ۲۵)

(۳) وکرہ وھو مکشوف الرأس تکاسلاً لترک الوقار لا للتذلل والتضرع وقال فی التجنیس ویستحب ذلک .
اور سستی سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں وقار کا ترک پایا جاتا ہے۔ اور عاجزی وانکساری کی نیت سے ایسا کرنا مکروہ نہیں۔ اور کتاب التجنیس میں فرمایا کہ یہ دوسری قسم کا عمل مستحب ہے۔ (مراقی الفلاح مطبوعہ نور محمد ص ۱۹۷)

(۴) اور خضوع وخشوع کے لئے سر برہنہ نماز پڑھی تو مستحب ہے۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۶۷)

یعنی ننگے سر نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ سستی اور لاپرواہی سے سر پر کچھ پہنے بغیر نماز پڑھنا یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد کراہت تنزیہہ ہے۔ مولوی عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں۔ والظاھر ان الکراھۃ ھھنا تنزیھیۃ۔ اور ظاہر یہی ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں کراہت سے مراد کراہت تنزیہیہ ہی ہے۔ (عمدۃ الرعایہ جلد اول ۱۹۷)

اور دوسری صورت یہ کہ خضوع وخشوع انکساری وعاجزی کے قصد سے سر برہنہ نماز پڑھی جائے اس کے بارہ میں ہمارے فقہاء حنفیہ کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ایسا کرنا بلاکراہت جائز ہے۔ لیکن مستحب نہیں۔ یعنی مباح ہے۔ درمختار اور بحرالرائق وغیرہما کی مندرجہ بالا عبارات کا یہی مفاد ہے۔ کیونکہ ان حضرات نے صرف کراہت کی نفی فرمائی ہے۔ اس سے استحباب ثابت نہیں ہوتا۔

اور دوسرا قول یہ ہے۔ کہ ایسا کرنا مستحسن ومستحب ہے۔ بہار شریعت، کتاب التجنیس اور ردالمحتار میں اسی کو اختیار فرمایا گیا ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں بھی ہے۔

ولاباس بہ اذا فعلہ تذللا و خشوعا بل ھو حسن کذا فی الذخیرہ ۔اور جب تذلل وخشوع کی نیت سے سر برہنہ نماز پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ یہ مستحسن ہے۔جیسا کہ فتاویٰ ذخیرہ میں فرمایا۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰۶ جلد اول)

مستحب کہنے والے فقہاء دو قسم کے ہیں:

خضوع وخشوع کی نیت سے ننگے سر نماز کو جن فقہائے حنفیہ نے مستحب قرار دیا ہے۔ وہ دو قسم کے ہیں۔ایک قسم کے وہ فقہاء ہیں۔ جو اس عمل کو اولیٰ سمجھتے ہیں۔ یعنی خشوع کی نیت سے ننگے سر نماز کو سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے سے اولیٰ سمجھتے ہیں۔اور دوسرے وہ ہیں جو اس عمل کو خلاف اولیٰ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔ **وھل الاولی ترک کشف الرأس للتذلل اوفعلہ فیہ قولان** ''اور کیا خشوع کی نیت سے سر نہ ڈھانپنا اولیٰ ہے۔ یا سر ڈھانپنا؟ اس بارہ میں دو قول ہیں۔ (عمدۃ الرعایۃ جلد اول ص ۱۹۷)

ہر حال میں سر ڈھانپ کر نماز پڑھی جائے

اگر فقہاء حنفیہ کی عبارات میں گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں نماز سر ڈھانپ کر پڑھی جائے کیونکہ خشوع کی نیت سے سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا راجح اور سر برہنہ پڑھنا مرجوح معلوم ہوتا ہے۔اس کے چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) ننگے سر نماز پڑھنے سے نبی علیہ السلام منع فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ آپ کی یہ ممانعت مطلق واقع ہوئی ہے۔اس لئے خشوع کی نیت سے بھی ننگے سر نماز نہ پڑھی جائے۔

(۲) سر ڈھانپنا باوقار طریقہ ہے اور سر ننگا رکھنا مروت کے خلاف اس لئے مناسب حال یہی ہے کہ نماز کسی بھی حال میں ننگے سر نہ پڑھی جائے۔

(۳) سر پر ٹوپی یا عمامہ زینت ہے۔اور نماز میں زینت پکڑنے کا حکم۔ خذوا زینتکم عند کل مسجد۔(ہر نماز میں زینت پکڑو) اس لئے بہتر یہی ہے کہ کسی بھی حال میں ننگے نماز نہ پڑھی جائے۔

(۴) معتبر فقہاء نے خشوع کی حالت میں ننگے سر نماز کو صرف مباح قرار دیا ہے۔ اس لئے ایک مباح عمل کے لئے نماز کے باوقار طریقہ کو ترک کرنا مناسب نہیں۔

(۵) اکثر فقہاء نے خشوع کے ارادہ سے برہنہ سر نماز کو "لاباس بہ" قرار دیا ہے۔ جو اس کے ترک کے اولیٰ ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ علامہ نابلسی لکھتے ہیں۔ (ولا بأس بالاكل متكئا) على احد جنبيه (اومكشوف الرأس) من غير كراهة وان كان الاولىٰ تركه كما هو مقتضى قوله لابأس ۔ ماتن نے جو یہ فرمایا کہ ایک پہلو پر ٹیک لگا کر یا ننگے سر کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس میں صرف کراہت کی نفی کی گئی ہے۔ مگر لاباس کے الفاظ کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس عمل کو چھوڑنا اولیٰ ہے۔ (الحدیقۃ الندیہ جلد دوم ص ۴۸۲)

اور امام ابن عابدین شامی لکھتے ہیں۔ (قولہ لاباس بہ للتذلل) قال فی شرح المنیۃ فیہ اشارۃ الی ان الاولیٰ ان لایفعلہ وان یتذلل ویخشع بقلبہ فانہما من اعمال القلب۔ اور فقہاء کا خشوع کی حالت میں ننگے سر نماز کو لاباس بہ لکھنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کا ترک اولیٰ ہے۔ اور خضوع وخشوع صرف قلب سے کافی ہے۔ کیونکہ یہ قلب کے افعال سے ہیں۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۴۷۴)

(۶) خشوع کے مفہوم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔ واختلف في ان الخشوع من افعال القلب كالخوف او من افعال الجوارح كالسكون او مجموعهما ۔ اور فقہاء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا خوف کی طرح خشوع صرف قلب کا عمل ہے یا سکون کی طرح صرف اعضاء کا عمل یا یہ قلب واعضاء دونوں کا عمل ہے۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۴۷۴ ج ۱)

اس لئے بہتر یہ ہے کہ ننگے سر نماز خشوع کے ارادہ سے بھی نہ پڑھی جائے۔

(۷) خشوع کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ اور راجح یہ ہے کہ خشوع قلب ہی کا فعل ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال في الحلية والاول اشبه . اور کتاب الحلیہ میں

فرمایا ہے کہ یہی قول راجح ہے کہ خشوع قلب کا فعل ہے۔اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ خشوع کے ارادہ سے بھی ننگے سر نماز نہ پڑھی جائے۔

(۸) عارفین کا اجماع ہے کہ خشوع قلب کا فعل ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں۔ وقد حکی اجماع العارفین علیہ۔اور اس بات پر عارفین کا اجماع نقل کیا گیا ہے کہ خشوع قلب ہی کا فعل ہے۔اس لئے مناسب یہی ہے کہ ننگے سر نماز نہ پڑھی جائے۔

(۹) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے۔الخشوع فی القلب۔خشوع دل میں ہوتا ہے۔(مراقی الفلاح ص ۱۹۷) اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ نماز میں خشوع قلبی پر ہی اکتفا کیا جائے اور سر ڈھانپ کر نماز پڑھی جائے۔

(۱۰) حاکم وقت کی کچہری میں حاضری کے لئے سر برہنہ ہونا خلاف ادب سمجھا جاتا ہے۔اس لئے احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حاضری دینی ہو تو سر پر ٹوپی پہن لی جائے۔

(۱۱) سر برہنہ نماز کو عامۃ المسلمین اچھا نہیں سمجھتے اس لئے اس عمل سے بچنے ہی میں اپنی عزت بچانی چاہیے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

حاصل کلام

الحمدللہ! یہاں تک جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس سے روز روشن سے زیادہ روشن ہوا کہ نماز کسی بھی حالت میں ننگے سر نہ پڑھی جائے۔اگر عمامہ نہ باندھ سکیں تو کم از کم ٹوپی یا بڑے رومال ہی سے اپنے سر کو ڈھانپ کر باوقار طریقہ سے نماز کی ادائیگی کریں۔قابل افسوس بات تو یہ ہے۔کہ آج کل اکثر مسلمان ننگے سر مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتے ہیں۔اگر مسجد میں کوئی پھٹی پرانی ٹوپی مل جائے تو اسی سے سر ڈھانپ کر نماز پڑھتے ہیں۔حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ جس طرح باقی کپڑے گھر سے پہن کر مسجد میں آتے ہیں۔اسی طرح اپنے سر کو بھی ڈھانپ کر مسجد میں آئیں۔اس سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ بعض مساجد میں اچھی قسم کی ٹوپیاں موجود ہوتی ہیں۔لیکن بعض نازک طبع لوگ پھر بھی ننگے

سرنماز پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ایسے مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔

چندفتویٰ جات

مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے چندفتویٰ جات بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ و باللہ التوفیق.

اعلیٰ حضرت کا فتویٰ

سوال :۔ آج کل دیار بنگال کے بعض بعض شہروں میں بعض لوگوں نے فرض جماعت میں سر ننگا کر کے نماز پڑھنا اختیار کیا ہے۔ اگر کسی نے کہا کہ جماعت کی اہانت ہوتی ہے تو اس کے جواب میں یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ عاجزی وانکساری کی وجہ سے پڑھتا ہوں۔ اسی طرح عاجزی کے بہانے سے بعض لوگوں نے علاوہ نماز کے بھی سر پر ٹوپی رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ تو کیا ننگے سر فرض جماعت میں نماز پڑھنے سے نماز جائز ہوگی یا مکروہ ہوگی؟ اگر جائز ہوگی تو حضور سرور کائنات یا حضرت مولائے کائنات یا حضرات امامین مطہرین یا حضرات صحابہ کرام یا اولیاء عظام نے کبھی فرض جماعت میں ننگے سر نماز پڑھی یا نہیں؟ اور علاوہ نماز کے بھی ان حضرات نے کبھی کبھی سر کو ننگا رکھا ہے یا نہیں؟ اور صوفیائے عظام کی کتابوں میں ننگے سر رہنا تہذیب اور آداب کے خلاف آیا ہے یا نہیں؟ اور احادیث شریفہ وفقہ میں اس کی کراہت ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب : حضور اقدس ﷺ کی سنت کریمہ نماز مع کلاہ وعمامہ (یعنی ٹوپی اور پگڑی کے ساتھ) ہے۔ اور فقہائے کرام نے ننگے سر نماز پڑھنے کو تین قسم کیا ہے۔ اگر بہ نیت تواضع وعاجزی ہو تو جائز اور بوجہ کسل ہو تو مکروہ اور معاذ اللہ نماز کو بے قدر اور ہلکا سمجھ کر ہو تو کفر ہے۔ جب وہ (دیار بنگال کے) مسلمان اپنی نیت تواضع بتاتے ہیں۔ تو اسے نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔ ننگے سر رکھنے کا احرام میں حکم ہے۔ اور اس حالت میں شب وروز برابر برہنہ رہنا حضور اقدس ﷺ وصحابہ کرام سب سے

ثابت ہے۔ بغیر اس کے ننگے سر کی عادت ڈالنا کوچہ و بازار میں اسی طرح پھرنا نہ ہرگز ثابت ہے۔ اور نہ شرعاً محمود۔ بلکہ وہ من جملہ اسباب شہرت سے ہے۔ اور ایسی وضع جس پر انگلیاں اٹھیں۔ شرعاً مکروہ مجمع البحار وغیرہ میں ہے۔ الخروج عن عادۃ البلد شہرۃ ومکروۃ۔ صوفیہ کرام کا اس بارے میں کوئی قول اس وقت ذہن میں نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۶۹)

حافظ ریاض احمد اشرفی کا فتویٰ

سوال:۔ کیا ننگے سر نماز ہو جاتی ہے۔ اور ننگے سر نماز پڑھتے ہوئے شخص کے سر پر ٹوپی رکھنا ثواب ہے۔ یا ٹوپی نہیں رکھنی چاہئے؟

الجواب:۔ بلا ضرورت ننگے سر نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ لیکن اگر بہ نیت عاجزی ننگے سر پڑھے تو احیاناً جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ **وتکرہ الصلوٰۃ حاسراً اذا کان یجدا لعمامۃ وقد فعل ذالک تکاسلا او تھاونا بالصلوٰۃ ولا بأس بہ اذا فعلہ تذللاللہ وخشوعا بل ھو حسن** ۔ بعض لوگ بالوں کے کنڈلوں اور پفز کو بچا کر رکھنے کے لئے یا صرف آداب صلوٰۃ میں احناف کرام کی مخالفت کے جذبہ کو مطمئن کرنے کے لئے نماز ننگے سر پڑھنے کو بہت بڑی عبادت سمجھتے ہیں۔ ان کے لئے یقیناً ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (روزنامہ جنگ راولپنڈی بابت ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء)

وھذا آخر ما اردنا ایرادہ فی ھذہ المقالۃ المفیدۃ تقبلھا اللہ تعالیٰ بمنہ العظیم ورسولہ الکریم ﷺ وانا الفقیر ابو الکرم احمد حسین قاسم الحیدری الرضوی غفر اللہ تعالیٰ لی المدرس بالجامعۃ الحیدریۃ فضل المدارس بھیائی من مضافات سھنسہ آزاد کشمیر ۔ (۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سترہواں مقالہ

امام کعبہ کی اقتداء کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد

والہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد۔

راقم الحروف فقیر حیدری رضوی کان اللہ ورسولہ لہ ۱۹۹۱ء کے اوائل میں جب حج بیت اللہ وزیارت حرمین شریفین کی تیاری کر رہا تھا تو اس وقت راقم کی نظر میں سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ حرمین شریفین میں موجودہ وقت کے اماموں اور خطیبوں کی اقتداء میں نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ کی ادائیگی کا مسئلہ تھا اپنی اس پریشانی کے ازالہ کے لیے درج ذیل استفتاء علماے اھل سنت کی خدمت میں بھیجا۔

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ اس سال حج کرنے والے سنی بریلوی حنفی اشخاص کے لئے حرمین شریفین کے اماموں اور خطیبوں کی اقتداء میں نماز پنجگانہ ونماز جمعہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ انوار البشارۃ کے صفحہ نمبر۹ میں لکھتے ہیں۔ اہل عرب کے افعال پر اعتراض نہ کرے۔ نہ دل میں کدورت لائے اس میں دونوں جہانوں کی سعادت ہے۔

اور اس کے صفحہ نمبر ۳۸۔ میں لکھتے ہیں۔ دوپہر ڈھلتے ہی بلکہ اس سے پہلے کہ امام کے قریب جگہ ملے۔ مسجد نمرہ جاؤ۔ سنتیں پڑھ کر خطبہ سن کر امام کے ساتھ ظہر پڑھو۔

اور اس کے صفحہ نمبر ۴۷ میں لکھتے ہیں۔ ترک جماعت بلا عذر گناہ ہے۔ اور کئی بار ہو تو سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور یہاں تو گناہ کے علاوہ کیسی سخت محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ۔ صحیح حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے میری مسجد میں چالیس نمازیں فوت نہ ہوں اس کے لیے دوزخ ونفاق سے آزادیاں لکھی جائیں

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ان ارشادات کی ہمارے علماء کے نزدیک کیا تاویل ہے یا عام اجازت ہے؟ بعض بزرگوں کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہ

وہاں نمازیں باجماعت پڑھتے ہیں پھر اپنی نمازیں دہرا لیتے ہیں۔ ولہذا جو صورت صحیح ہو اس کی وضاحت کی جائے۔ بینوا توجروا

الحمد للہ اس استفتاء کے جواب میں متعدد مفتیان اہل سنت نے فتوے لکھ کر بھیجے ہیں اس مختصر رسالہ میں عامۃ المسلمین کے افادہ کے لیے چیدہ چیدہ اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فیض احمد اویسی مہتمم جامعہ اویسیہ بہاولپور لکھتے ہیں۔ انوارالبشارۃ شریف ائمہ نجدی دور سے پہلے کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں جو کچھ لکھا ہے حق ہے۔ آج ائمہ وہابی عقیدہ کے مقرر ہیں اس لیے ان کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں اہل حق اپنی نماز باجماعت پڑھتے ہیں اور اگر کسی نے ان کے پیچھے پڑھ لی تو اعادہ ضروری ہے

(۲) استاذی المکرم حضرت مولانا مفتی مختار احمد صاحب جامعہ قادریہ فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں ترکوں کی حکومت تھی اور وہاں کے سب علماء صحیح العقیدہ سنی تھے لہذا یہ سب احکام جو آپ نے تحریر فرمائے اس زمانے کے تھے۔ اب چونکہ نجدیوں کی حکومت ہے ان کے علماء کے عقائد غلط اور فاسد ہیں۔ اس لئے ان کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔ وہابیہ قطعاً بے دین اور بے دین کے پیچھے نماز محض ناجائز۔ نیز اسی میں ہے وہابی کے پیچھے کوئی نماز خواہ فرض خواہ نفل کسی کی نہیں ہوسکتی اور اسی میں ہے وہابی کے پیچھے نماز جائز نہیں اگرچہ اپنا استاد ہو۔ بلکہ اس کو استاد بنانا زہر قاتل سے بدتر ہے کہ صحبت بد آدمی کو بد بنا دیتی ہے۔ نہ کہ بد کی تعلیم۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم۔ ان سے بھاگو اور ان کو اپنے سے دور کرو۔ کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں۔ اور کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں

مسجد نمرہ میں جانا اور خطبہ سننا اور امام کے ساتھ نماز پڑھنا نہ ارکان حج سے ہے نہ واجبات سے اس لیے عرفات کے میدان میں اپنے مقام میں رہے اور وہاں ظہر و عصر اپنے

وقت میں پڑھے۔ ترک جماعت کی وعید اس وقت ہے جب امام سنی اور پابند شرع ہو اگر امام کا عقیدہ غلط و فاسد ہو تو ترک جماعت کی وعید لازم نہیں آئے گی۔ جب امام کے فاسد عقیدہ کی وجہ سے خود امام کی نماز نہ ہوئی تو اس کے پیچھے پڑھنے والے مقتدی کی نماز کیسے درست ہو گی۔ جو لوگ وہاں نمازیں با جماعت اس وقت پڑھتے ہیں اور بعد میں دہرا لیتے ہیں وہ سب برا کرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اس لیے اب حکم یہ ہے کہ ان کے پیچھے پڑھ کر اپنی نماز خراب نہ کریں۔ جماعت چھوڑنے کا چونکہ عذر صحیح ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ نماز با جماعت ہی کا ثواب ملے گا

(۳) اور حضرت مولانا مفتی عبد القیوم ہزاروی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور سے لکھتے ہیں۔ اعلیٰحضرت کے زمانے میں حرمین طیبین میں حکومت اور امامت اہل سنت و جماعت کی تھی لہذا اعلیٰ حضرت نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ بالکل حق ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جماعت کا حکم ہر جماعت پر ہو گا۔ مرزائی۔ شیعہ اور امامیہ سب لوگ جماعت کرتے اور کراتے ہیں تو کیا جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے ان جماعتوں اور اماموں کے ساتھ نماز پڑھیں گے؟

نماز اعلیٰ عبادت ہے اور دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے اس کو غیر معتبر لوگوں کی اقتداء میں ضائع کرنا عقل کے خلاف ہے۔ اگر دنیاوی مال کے لین دین میں آپ کو انتخاب کرنا پڑتا ہے تو دینی دولت کی ادائیگی ہر ایک کو کیسے ممکن ہے۔ وہابی لوگ اہل سنت کو کافر اور مشرک کہہ کر خود مشرک و کافر ہو گئے ہیں جبکہ کسی کافر و مشرک کی عبادت عبادت ہی نہیں۔ جب امام کی اپنی نماز نہ ہوئی تو اقتداء میں دوسرے کی کیسے ہو سکے گی۔

(۴) اور حضرت مولانا مفتی ابو حماد احمد میاں برکاتی دار العلوم احسن البرکات حیدر آباد سندھ سے لکھتے ہیں۔ حرمین شریفین میں نجدی ائمہ کی اقتداء نہ کریں بلکہ اپنی نماز پڑھیں، انشاء اللہ جماعت کا ثواب پائیں گے اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں وہاں اصلی عرب اہل سنت رہتے تھے۔ نجدیوں کا تسلط نہ تھا اور اب اہل عرب نہیں بلکہ اہل نجد قابض ہیں جن

کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ نجد سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔ اب ترک جماعت کا بہت بڑا عذر موجود ہے کہ امام بدعقیدہ اور گمراہ ہے بلکہ گستاخ بھی جس کی گستاخی کفر کو پہنچی ہوئی ہے

نمازیں دہرانے میں اگر کسی اذیت یا تکلیف کا خطرہ نہ ہو تو اسی وقت دہرائے ورنہ بعد میں کسی موقع پر دہرائے بہتر ہے کہ جماعت میں شریک ہی نہ ہو

(۵) اور حضرت مولانا مفتی محمد اسلم رضوی۔ جامعہ رضویہ مظہر اسلام جھنگ بازار فیصل آباد سے لکھتے ہیں۔ سعودیہ نجدیہ بعد میں حجاز مقدس پر قابض ہوئے ہیں۔ سرکار اعلیٰ حضرت کا فرمان اس وقت کے متعلق ہے۔ جبکہ ترکوں کے ہاتھوں میں حکومت اور حرمین طیبین کے امام اہل سنت تھے۔ مسجد نبوی میں اگرچہ تنہا پڑھے چالیس نمازیں پڑھنے پر مذکور ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

(۶) اور حضرت مولانا مفتی وقارالدین صاحب جامعہ امجدیہ کراچی سے لکھتے ہیں اعلیٰ حضرت نے انوار البشارۃ میں جس زمانے کے متعلق لکھا ہے اس وقت حرم پاک میں چاروں ائمہ کے مسلک کے مطابق علیحدہ علیحدہ مصلے تھے۔ ہر ایک مسلک کا امام اس مسلک کے شرائط اور وقت کے مطابق نماز پڑھاتا تھا۔ اور حنفی مصلی تو خانہ کعبہ کے دروازے کے سامنے تھا۔

نماز کی صحت کی جہاں بہت سی شرائط ہیں وہاں امام کی اہلیت اور عقیدہ بھی شرط ہے۔ ہماری تمام کتب فقہ میں اس شخص کی امامت کو مکروہ تحریمی لکھا ہے جس کے عقیدہ میں کچھ خرابی ہو اور اگر عقیدہ کی خرابی اس درجہ کو پہنچی ہو کہ جس سے ضروریات دین کا انکار لازم آتا ہو تو اس کی اقتداء باطل ہے۔

حضور ﷺ نے بے شک فرمایا۔ احبوا العرب لثلاث لانی عربی والقرآن عربی ولسان اہل الجنۃ عربی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا جس کو بخاری نے روایت کیا۔ ہناک الزلازل والفتن ویطلع بہا قرن الشیطان۔ یہ ارشاد نجد کے بارے میں ہے۔ (مشکوۃ

شریف ص ۵۸۲) ان سے محبت یا عداوت کرنے کا حکم مسلمان خود سمجھ لے۔

(۷) اور حضرت مولانا مفتی عبداللہ قصوری جامعہ حنفیہ قصور سے لکھتے ہیں اب مسجد نبوی میں چونکہ بدعقیدہ امام ہے۔ گستاخ رسول ﷺ امام ہے۔ ترک جماعت بلا عذر نہ ہوئی بالعذر ہوئی۔ جو شرعاً قابل قبول ہے لہذا دریں صورت جبکہ عذر شرعی کی بنا پر جماعت کا ترک ہوا تو انفرادی طور پر چالیس نمازیں پڑھی گئیں تو سرکار کی بشارت عظیمہ کی مصداق ہوئیں۔ جب ان کی (حرمین شریفین کے اماموں کی) نماز مسجد نبوی اور مسجد حرام میں ہو جائے تو بعد میں انفرادی طور پر نماز ادا کرے۔ اگر وہ الگ جماعت کرنے نہیں دیتے تو نہ کرنے دیں۔ انفرادی طور پر مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نماز کا ثواب ملا۔ ان کے پیچھے پڑھی تو ایک نماز کا ثواب بھی نہ ملا۔ کیونکہ ان کی اقتداء میں تو نماز سرے سے ہی باطل ہے، نجدی ھناک الزلازل والفتن ویطلع بہا قرن الشیطان کا مصداق ہے۔

ان کے پیچھے کھڑے ہونے کی ضرورت ہی نہیں کہ پھر نماز کا اعادہ کرتا پھرے دہراتا پھرے۔ سیدھی بات ہے کہ جب ان کی جماعت ہو جائے گی تو انفرادی طور پر نماز ادا کرلے۔ جب ان کی اقتداء میں ہماری نمازیں باطل ہیں تو جماعت ہم پر کہاں واجب رہی۔ اس عذر شرعی کی بنا پر یہاں جماعت کا ترک واجب ہے۔ لہذا اپنی جماعت ہو سکتی ہو تو ان کی جماعت کے بعد کریں ورنہ الگ الگ نماز پڑھیں جیسا کہ زاہرین روضہ مقدسہ اور حاجی صاحبان بعد میں انفرادی طور پر مسجد نبوی اور مسجد حرام میں پڑھتے ہی ہیں۔

(۸) اور حضرت مولانا مفتی ریاض الدین جامعہ غوثیہ معینیہ رضویہ ریاض الاسلام اٹک سے لکھتے ہیں۔ ترک جماعت بلا عذر بلا شبہ ہر جگہ گناہ ہے اور پھر حجاز مقدس میں بالخصوص حرمین طیبین میں تو نہایت سخت ترین محرومی ہے بشرطیکہ امام صحیح العقیدہ متشرع مسلمان ہو اور اگر امام بدعقیدہ یا داڑھی کترا فاسق فاجر ہو تو اس کے پیچھے حنفی مذہب کے مطابق نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ گو وہ حرمین طیبین کا امام ہی کیوں نہ ہو۔ اور جس امام یا مدعی اسلام کا عقیدہ باطل اور دولت ایمان سے اس کا دامن خالی ہے۔ وہ گو

مسجد حرام میں کعبۃ اللہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہو یا عرب شریف کی پاک دھرتی پر ہی کسی دوسری جگہ مکین ہو از روئے حدیث نبوی خود محروم قابل اخراج بلکہ واجب القتل ہے۔ چہ جائے کہ اس پر اعتراض نہ کیا جائے، یا اس کے متعلق کدورت نہ رکھی جائے۔ ایسا آدمی اہل اسلام کی سب سے معظم جگہ پر ہونے کے باوجود نہ تو قابل تکریم اہل عرب کہلانے کا مستحق اور نہ ہی اہل سعادت میں داخل ہے۔ کیونکہ جب وہ دولت ایمان سے خالی ہے تو پھر خواہ وہ کسی ایک حرم طیب کا خادم ہو یا تعمیر کنندہ یا تنخواہ دار امام یا آب زمزم پلانے والا کوئی بھی ہو وہ اجرت وصول کرنے والا تنخواہ دار تو ہو سکتا ہے۔ لیکن قابل تکریم اہل عرب نہیں ہو سکتا۔

عقائد سے بھی قطع نظر حجاز مقدس کی اکثر مساجد کے امام بمع حرمین شریفین کے اماموں کے داڑھی کترے فاسق ہونے کی وجہ سے نفس منصب امامت کے بھی ازروئے شریعت قابل نہیں۔ حرمین شریفین کی امامت تو بہت ہی ارفع واعلیٰ مناصب ہیں۔ اس کے قابل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ فاسقوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو فقہائے شریعت اور علمائے ملت نے مکروہ تحریمی واجب الاعادہ قرار دیا ہے

نیز احناف کی اکثر نمازیں تو ان کے مذہب کے مطابق اس لیے ان کے پیچھے نہیں ہوتیں کہ فقہ حنفی کے مطابق وہ کئی نمازیں وقت سے پہلے ادا کرتے ہیں۔

کوتاہ قصہ۔ حاصل جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات وروایات وشواہد کے پیش نظر سنی مسلمانوں کی نماز غیر متشرع بدعقیدہ لوگوں کے پیچھے نہیں ہوتی اور اس کے باوجود جو ان کے پیچھے پڑھے وہ اپنے متعلق خود فیصلہ کرلے کہ وہ کس راہ پر گامزن ہے اھ ملتقطا واللہ تعالیٰ۔

الحمدللہ۔ مفتیان اہل سنت سے حاصل کردہ فتاوئی مبارکہ کے مذکورہ بالا چیدہ چیدہ اقتباسات سے روز روشن سے زیادہ روشن ہوا کہ سنی بریلوی مسلمان دوران حج وعمرہ اپنی

نمازیں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں انفرادی طور پر ہی ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب عذر شرعی ہونے کی وجہ سے اپنے فضل و کرم سے عطا فرمادے گا۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

آمین بجاه النبی الامین ﷺ وهذا آخر ما اردنا ایراده فی هذه المقالة المبارکة تقبلها الله تعالیٰ بمنه العظیم ورسوله الکریم ﷺ۔

وانا الفقیر ابو الکرم احمد حسین قاسم الحیدری الرضوی غفر الله تعالیٰ لی المدرس با لجامعة الحیدریة فضل المدارس بهیانی من مضافات سهنسه آزاد کشمیر (۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٹھارہواں مقالہ

نابالغ امام اور تراویح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین ۔

امابعد ! آج کل بعض مساجد میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں نابالغ حفاظ نماز تراویح بلکہ نماز فرض و وتر پڑھاتے ہیں ۔ حالانکہ یہ شرعاً ناجائز ہے ۔ اس سے بالغوں کی نمازیں اصلاً باطل ہوتی ہیں ۔ اور فرائض و واجبات وسنن مؤکدہ ان کے ذمہ پر باقی رہ جاتے ہیں ۔ لہذا اس مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر ہم نے یہ مختصر مقالہ'' نابالغ امام اور نماز تراویح'' لکھا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسے ذریعہ ہدایت بنائے ۔ (آمین)

نابالغ کے پیچھے بالغ مردوں کی کوئی نماز نہیں ہوتی فرض ہو یا وتر نماز جنازہ ہو یا نماز عیدین نماز تراویح ہو یا نماز کسوف نماز استسقاء ہو یا اور کوئی نفل نماز سب میں نابالغ کی اقتداء اصلا جائز نہیں ہے ۔ کیونکہ نابالغ بالغ کی امامت کا اہل نہیں ہے ۔ لہذا بالغوں نے جو نماز نابالغ کے پیچھے پڑھی ہو اس کا اعادہ ان کے ذمہ پر واجب ہوتا ہے ۔ اگر چہ وہ نابالغ امام حافظ قران ہو یا جید عالم دین یہ اس طرح ہے ۔ جس طرح کسی حافظہ یا عالمہ خاتون کی اقتداء میں مردوں کی نماز اصلاً فاسد ہے ۔ کہ وہ ان کی امامت کی اہل نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائے تاکہ وہ اپنی نمازیں برباد کرنے سے بچیں ۔ (آمین)

اگر کسی جگہ میں بالغ صحیح خواں حافظ قرآن نہ ملتا ہو تو وہاں عالم دین کی اقتداء میں دس سورتوں کے ساتھ نماز تراویح پڑھی جائے اگر چہ رمضان کی تراویح میں ختم قرآن سنت مؤکدہ ہے ۔ (بہار شریعت ج ۲ ص ۳۳) لیکن اگر بالغ حافظ نہ ملے اور دس سورتوں کے ساتھ امام تراویح پڑھائے تو اس سے بھی ختم قرآن کی سنت ادا ہو جاتی ہے ۔ تفصیل ملاحظہ ہو

امام زین الدین کا ارشاد

امام زین الدین حنفی کنز کی شرح میں لکھتے ہیں ۔ اور محیط کتاب میں مذکور ہے کہ افضل یہ ہے کہ امام تراویح میں اتنا قرآن پڑھے جس سے قوم میں تنفر پیدا نہ ہو کیونکہ

جماعت کی کثرت قراءت کی طوالت سے بہتر ہے۔ اور مجتبیٰ کتاب میں ہے کہ ہمارے زمانہ میں متاخرین علماء یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ تراویح کی رکعتوں میں تین چھوٹی آیتیں یا ایک لمبی آیت پر اکتفاء کیا جائے تاکہ لوگوں پر بوجھ نہ ہو اور جماعت میں کمی نہ آئے اور یہ قول اچھا ہے۔ اور رہا امام حسن نے امام اعظم ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ اگر فرض نماز میں امام فاتحہ کے بعد صرف تین آیتیں ہی پڑھے تو بہتر ہے۔ اور اس میں کوئی اساءت نہیں ہے۔ جب فرضوں کے بارہ میں امام صاحب کا یہ قول ہے تو پھر نفلوں کے بارے میں تیرا کیا خیال ہوگا؟ اور کتاب تجنیس میں ہے۔ بعض علماء کی عادت ہے کہ وہ تراویح کی ہر رکعت میں صرف سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں۔ اور بعض علماء نے یہ عمل اختیار کیا ہے کہ وہ قرآن مجید کی آخری دس سورتوں سے تراویح پڑھاتے ہیں۔ یہ اچھا ہے۔ کیونکہ اس سے تراویح کی رکعات کی گنتی میں شبہ نہیں پڑتا اور امام کا دل آیات قرآنی میں غور وفکر کرنے کی فرصت پاتا ہے۔ اور مختارات النوازل میں مذکور ہے کہ امام تراویح کی ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھے اور یہ قول صحیح ہے۔ کیونکہ اس سے ختم قرآن کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رمضان کے پورے مہینہ کی تراویح کی تعداد چھ سو ہے۔ اور قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد چھ ہزار ہے۔

پھر آگے حاصل کلام بدیں الفاظ لکھتے ہیں:

فالحاصل ان المصحح فی المذهب ان الختم سنة لكن لايلزم منه تركه اذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصاً فی زماننا فالظاهر اختيار الاخف على القوم كما هو ظاهر الخلاصة وغيرها

یعنی اس ساری کلام کا حاصل یہ ہوا کہ حنفی مذہب میں صحیح قرار دیا ہوا قول یہ ہے کہ تراویح میں اگرچہ ختم قرآن سنت ہے۔ لیکن اگر اس سے قوم میں تنفر پیدا ہو اور ہمارے اس زمانے میں اکثر مساجد کی ویرانی لازم آتی ہو تو اسے ترک کر دینے سے سنت کا ترک لازم نہیں آتا۔ سو حنفیہ کا ظاہر قول یہ ہے کہ تراویح کی ہر رکعت میں اتنا ہی قرآن پڑھا جائے جتنا قوم پر زیادہ ہلکا ہو جیسا کہ خلاصہ وغیرہ کتب کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ (بحرالرائق

ج ۲ ص ۶۸)

الحمدللہ! جب اسلام میں اتنی بڑی آسانی موجود ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ نابالغ حفاظ کے پیچھے مسلمانوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ تک کھڑا کرا کر ان کی نمازیں برباد کرائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین متین سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے آمین

فقہائے حنفیہ کے اقوال نابالغ کی امامت کے بارہ میں

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے ہم فقہ حنفی کی معتبر کتب سے اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

صاحب ہدایہ کا ارشاد

شیخ الاسلام امام برہان الدین فرغانی لکھتے ہیں۔

والمختار انه لا یجوز (للرجال ان یقتدوا بامرأة او صبی) فی الصلوات کلها لان نفل الصبی دون نفل البالغ حیث لایلزمه القضاء بالافساد بالاجماع ولا یبنی القوی علی الضعیف

اور مختار مذہب یہ ہے کہ بالغ مردوں کے لئے عورت یا بچے کی اقتداء سب نمازوں میں ناجائز ہے کیونکہ بالغ کے نفل نابالغ کے نفل سے قوی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر نابالغ نفل توڑ دے تو بالاجماع اس پر ان کی قضا لازم نہیں (حالانکہ بالغ پر ان کی قضاء لازم ہے) اور قوی کو ضعیف پر مبنی نہیں کیا جاتا۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۲۳)

صاحب کنز کا ارشاد

اور امام ابوالبرکات نسفی لکھتے ہیں: ''**وفسد اقتداء رجل بامرأة**'' مرد کی اقتداء عورت اور بچے دونوں کے پیچھے فاسد ہے۔ (کنز الدقائق)

صاحب وقایہ کا ارشاد

اور صاحب متن وقایہ لکھتے ہیں: ''لا رجل بامرأة وصبی'' عورت اور بچے کی اقتداء مرد کے حق میں جائز نہیں۔ (شرح وقایہ ج ۱ ص ۱۷۶)

امام حدادی کا ارشاد

اور امام حدادی قدوری کی شرح میں لکھتے ہیں۔ بچے کی امامت بالغوں کے لئے جائز نہیں کیونکر وہ (فرض نماز میں بھی) نفل پڑھنے والا ہوتا ہے۔ اور بلخ کے مشائخ نے تراویح میں بچے کی امامت کو جائز کہا ہے۔ اور یونہی انہوں نے اس کی امامت کو عیدین اور کسوف کی نمازوں میں بھی جائز کہا ہے۔ مگر مختار مذہب میں اس کی امامت سب نمازوں میں ناجائز ہے۔ (جوہرہ نیرہ ج ۱ ص ۱۷)

شیخ طائی کا ارشاد

اور شیخ مصطفےٰ طائی حنفی لکھتے ہیں: ''عورت اور خنثی اور بچے تینوں کے پیچھے بالغ مرد کی اقتداء مطلقاً فاسد ہے۔ اگر چہ وہ جنازہ اور نفل کی نمازوں میں امام ہو اور یہی مختار مذہب ہے''۔ (شرح کنز ص ۳۹)

امام بدرالدین عینی کا ارشاد

اور امام بدرالدین عینی لکھتے ہیں۔ اور مرد کی اقتداء عورت اور بچے دونوں کے پیچھے فاسد ہے۔ کیونکہ (فرض نماز میں بھی) بچہ نفل پڑھنے والا ہوتا ہے۔ سو اس کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء جائز نہیں اور بلخ کے مشائخ نے تراویح اور سنن مؤکدہ میں بچے کی امامت کو صحیح کہا ہے۔ مگر مختار مذہب میں تمام نمازوں میں اس کی امامت درست نہیں۔ (رمز الحقائق ص ۳۹)

امام احمد طحطاوی کا ارشاد

اور امام احمد طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں: والمختار عدم الصحة بلاخلاف بين اصحابنا نقله السيد عن العلامة مسكين اور مختار مذہب یہ ہے کہ نابالغ کی امامت صحیح نہیں۔ اور اس مسئلہ میں ہمارے اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں یہ بات سید سعود نے ملا مسکین سے نقل کی ہے۔ (حاشیہ مراقی ص ۱۵۷)

امام حسن شرنبلالی کا ارشاد

اور امام ابوالاخلاص حسن شرنبلالی لکھتے ہیں تندرست مردوں کی امامت کی صحت کی چھ شرطیں ہیں۔ مسلمان ہونا۔ بالغ ہونا کیونکہ بچے کی فرض نماز نفل ہوتی ہے۔ اور اس کی نماز نفل توڑ دینے سے اس کی قضاء لازم نہیں ہوتی ......الخ (مراقی الفلاح ص ۱۵۶)

امام علاءالدین حصکفی کا ارشاد

اور امام علاءالدین حصکفی لکھتے ہیں: ''ولا يصح اقتداء رجل بامرأة وخنثى وصبي مطلقاً ولو في جنازة ونفل على الاصح'' زیادہ صحیح روایت پر مرد کی اقتداء عورت خنثی اور بچہ تینوں کے پیچھے ہر حال میں نادرست ہے۔ اگر چہ یہ نماز جنازہ یا نفل نماز میں ہو۔

امام ابن عابدین شامی کا ارشاد

اور علامہ شامی درمختار کی مذکورہ بالا عبارت کے ماتحت لکھتے ہیں۔ امام استروشنی نے کہا ہے کہ بچہ جب نماز جنازہ میں امامت کرائے تو چاہئے کہ یہ ناجائز ہو اور ظاہر مذہب یہی ہے کیونکہ جنازہ فرض علی الکفایہ ہے۔ اور بچہ فرض کی ادائیگی کا اہل نہیں۔ (ردالمحتار ج۱ ص ۴۲۷)

امام فخر الدین زیلعی کا ارشاد

اور امام فخر الدین زیلعی لکھتے ہیں مرد کی اقتداء عورت اور بچے دونوں کے پیچھے فاسد ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابی رسول ﷺ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''لا یؤم الغلام الذی لا تجب علیہ الحدود 'وہ بچہ امامت نہ کرائے جس پر حدیں جاری نہ ہوتی ہوں اور یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: لا یؤم الغلام حتی یحتلم بچہ بالغ ہونے تک امامت نہ کرائے اور بلخ کے مشائخ نے نفلوں میں بچے کی امامت کو جائز کہا ہے۔ اور ضرورت کی بناء پر اس قول کو امام محمد بن مقاتل نے اختیار کیا ہے۔ لیکن مشائخ بخاری نے نفلوں میں بھی بچے کی امامت کو ناجائز کہا ہے۔ اور یہی مختار مذہب ہے۔ کیونکہ بچہ کے نفل بالغ کے نفل سے کمزور ہوتے ہیں کہ اگر بچہ نفل توڑ دے تو اس پر ان کی قضاء لازم نہیں ہوتی ولہذا اقوی کی بناء ضعیف پر لازم آتی ہے۔ اور یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ (تبیین الحقائق ج ا ص ١٤٠)

فتاویٰ عالمگیری کا فیصلہ

اور فقہ حنفی کے مشہور و معروف فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔ المختار انہ لا یجوز فی الصلوات کلھا کذا فی الھدایۃ وھو الاصح ھکذا فی المحیط وھو قول العامۃ وھو ظاھر الروایۃ ھکذا فی البحر الرائق مختار مذہب میں بچے کے پیچھے بالغوں کی اقتداء تمام نمازوں میں ناجائز ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اور یہی قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ یہ محیط میں مذکور ہے۔ اور یہی عام حنفی علماء کا قول اور ظاہر روایت ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ ج ا ص ٨٥)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا فتویٰ

اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان

بریلوی قدس سرہ العزیز نے لکھا۔ نابالغ کے پیچھے بالغ کی کوئی نماز نہیں ہوسکتی اگرچہ تراویح یا نفل محض ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احکام شریعت ص ۱۷۰)

امام صدر الشریعۃ کا ارشاد

اور خلیفہ اعلیٰ حضرت بریلوی امام صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں نابالغ کے پیچھے بالغین کی تراویح نہ ہوگی۔ یہی صحیح ہے۔ (عالمگیری، بہار شریعت صفحہ ۳۵ جلد ۴)

حکیم الامت کا ارشاد

اور حضرت مولانا حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب کے فتاویٰ میں ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ بچہ کے پیچھے بالغ لوگ تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ اگر عشاء کے فرض اور وتر بالغ پڑھادے اور تراویح نابالغ تو جائز ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نابالغ بچہ کے پیچھے کوئی نماز جائز نہیں فرض ہو یا وتر تراویح ہو یا نماز عید نماز خسوف ہو یا کسوف یا استسقاء غرضیکہ فرض واجب نفل ہر نماز نابالغ کے پیچھے ناجائز ہے۔ بالغوں کی امامت بالغ ہی کرا سکتا ہے۔ ہاں بچہ بچوں کی امامت کر سکتا ہے۔ صرف علمائے بلخ نے تراویح و دیگر نوافل میں بچوں کی امامت جائز قرار دی ہے۔ مگر یہ قول مرجوح اور ناقابل قبول اور غیر مفتی بہ ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ ناجائز ہے یہی صحیح ہے۔ اس پر فتوی و اعتماد ہے عالمگیری میں ہے:

على قول ائمة بلخ يصح الاقتداء بالصبيان في التراويح والسنن المطلقة كذا في فتاوىٰ قاضي خان والمختار انه لايجوز في الصلوات كلها كذا في الهداية وهو الاصح هكذا في المحيط

اسی طرح درمختار میں ہے: ولا يصح اقتداء رجل بامراة وخنثى وصبي

مطلقا ولو جنازة ونفل علی الاصح

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بچہ امامت کے حق میں مثل عورت وخنثی ہے کہ جیسے عورت وخنثی کسی نماز میں مرد کی امامت کے قابل نہیں ایسے ہی نابالغ بچہ بھی۔

اسی کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں: **قال فی الهداية وفی التراويح والسنن المطلقة جوّزه مشائخ بلخ ولم يجوزه مشائخنا والمختار انه لايجوز فی الصلوات كلها...... الخ** شامی نے تصریح فرمادی کہ نفل وفرض سنت وواجب کسی نماز میں نابالغ بچہ بالغوں کی جماعت نہیں کرسکتا۔

عقل کا بھی تقاضا یہی ہے کہ یہ امامت ناجائز ہو۔ اولاً اس لئے کہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ کوئی نماز ضعیف کے پیچھے نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ضمن میں ہوتی ہے۔ اورظاہر ہے کہ قوی ضعیف کو اپنے دامن میں لے سکتا ہے۔ نہ کہ ضعیف قوی کو اسی لئے فرض والے کی نماز نفل والے کے پیچھے نہیں ہوسکتی بالغ کی نفل شروع کرتے ہی واجب بن جاتی ہے۔ اورتوڑ دے تو قضا کرنی پڑے مگر نابالغ کا یہ حال نہیں اگر وہ نماز شروع کر کے توڑ دے تو قضاء واجب نہیں۔ اگر بالغ نابالغ کے پیچھے پڑھے تو گویا واجب والا نفل والے کے پیچھے ادا کر رہا ہے۔ اور یہ شرعی قاعدہ کے خلاف ہے۔ نیز جماعت میں بچوں کو بالغوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے مردوں کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے اولاً مرد صف باندھیں پھر بچے پھر خنثی پھر عورتیں۔ جب بچوں کو مردوں کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ تو انہیں امام بن کر آگے کھڑا ہونا کیونکر جائز ہوگا۔ حدیث شریف میں عورتوں کے بارہ میں ارشاد ہوا:

''اخروهن من حيث اخرهن الله''

چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیچھے رکھا ہے تم بھی انہیں پیچھے رکھو کہ نماز میں نہ تو مردوں کے برابر کھڑا ہونے دو اور نہ امام بنا کر آگے کھڑا کر دو۔ علمائے بلخ کا یہ قول قواعد شرعیہ

کے بالکل خلاف ہے۔ ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ اگر امام بھول کر پانچویں رکعت میں کھڑا ہو جائے اور اس رکعت میں اگر کوئی جماعت سے ملے تو بالاتفاق یہ شخص جماعت میں شریک ہو گیا، حالانکہ امام کی یہ رکعت نفل ہے۔ اور اس مقتدی کی فرض اسی کو صلوٰۃ مظنونہ کہتے ہیں۔ جب اس رکعت میں فرض والا نفل والے کی اقتداء کر سکتا ہے تو بچہ کے پیچھے بھی بالغ کی نماز ہو سکتی ہے۔ مگر اس دلیل پر دو طرح جرح ہے۔ ایک یہ کہ امام زفر کے نزدیک یہ رکعت مظنونہ واجب الاداء ہو جاتی ہے۔ اس کے توڑنے پر قضاء واجب لہذا اس کے نفل ہونے پر اجماع نہ رہا بخلاف بچہ کے کہ اس کی نماز کے غیر واجب ہونے پر اجماع ہے۔ دیکھو ہدایہ باب امامت لہذا بچہ کی نماز اس پر قیاس کرنا غلط ہے۔

اختلاف مجتہدین سے مسئلہ میں وسعت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ پھر تو مشائخ بلخ کو چاہئے کہ بچہ کے پیچھے بالغ کی فرض نماز بھی جائز کہیں، کیونکہ رکعت مظنونہ میں فرض والے کی نفل والے کے پیچھے درست ہے۔ عجیب بات ہے کہ مقیس علیہ میں فرض کی اقتداء ہو رہی ہے۔ اور مقیس میں آپ نفل کی قید لگاتے ہیں۔ بہر حال بقاعدہ حنفیہ نابالغ بچہ کے پیچھے بالغ کی کوئی نماز جائز نہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (فتاویٰ نعیمیہ صفحہ ۱۳۰)

الحمد للہ! ان سولہ عبارات متبرکہ سے روزِ روشن کی طرح روشن ہوا کہ حنفی مذہب مہذب کی ظاہر روایت مختار مذہب اور اصح قول میں نابالغ کے پیچھے بالغین کی کوئی نماز جائز اور درست نہیں۔ بلکہ یہ اقتداء سرے سے ہی فاسد اور کالعدم ہے۔ یہی ہمارے عام حنفی فقہاء وائمہ کا بھی قول ہے۔ لہذا جو شخص حنفی کہلوانے کے باوجود حافظ بچوں کے پیچھے تراویح بلکہ فرض و وتر پڑھتا ہے۔ وہ اپنی نمازوں کو سرے سے ہی ضائع کرنے والا ہے۔ اے کاش ہمارے بھولے بھالے حنفی سنی مسلمان اس نازک مسئلہ کو سمجھیں اور نابالغ بچوں کو امامت پر لگانے سے گریز کریں تو کتنا اچھا ہو۔

وهـذا آخـر مـا اردنـا ايـراده فـى هـذه المقالة النافعة تقبلها الله تـعـالىٰ بـمـنـه العظيم ورسوله الكريم صلى الله تعالىٰ عليه و آله واصحابه وبارک وسلم وانا الفقير ابو الكرم احمد حسين قاسم الحيدری الرضوی غفر الله تعالىٰ لى خادم التدريس والتصنيف بالجامعة الحيدرية فضل المدارس ببلدة سهنسه من مضافات آزاد کشمير

(٢٩/ رمضان المبارک ١٤٠٩ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انیسواں مقالہ

مسئلہ صلوٰۃ وسلام

بعد از نماز جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی النبی الکریم الامین وعلی الہ واصحابہ اجمعین . امابعد!

آج کل اہل سنت کی مساجد میں نماز جمعہ کے بعد کھڑے ہوکر دست بستہ بآواز بلند مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام اور یا نبی سلام علیک وغیرہ الفاظ میں صلوۃ وسلام پڑھا جاتا ہے۔ وہابی دیوبندی اور مودودی لوگ اس صلوٰۃ وسلام کو خلاف سنت قرار دیتے ہیں۔ اور قابل ترک بتاتے ہیں۔ اور اس پر طرح طرح کے بے بنیاد اعتراضات عائد کرتے ہیں۔ ہم نے اس مختصر مقالہ میں اس صلوۃ وسلام کا ثبوت اور مخالفین کے اعتراضات کا مدلل جواب پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف مقبولیت بخشے اور اسے اہل ایمان کی زیادتیٔ ایمان کا ذریعہ بنائے۔ (آمین بجاہ النبی الامین ﷺ)

بروز جمعہ بکثرت درودوسلام پڑھنے کا حکم ہے

اگر چہ نبیٔ اکرم ﷺ پر جس گھڑی جس جگہ سے اور جس بھی حالت میں درود شریف پڑھا جائے شرعاً جائز، باعث اجر عظیم اور موجب خوشنودیٔ حق تعالیٰ ہے۔ مگر جمعہ کے روز وشب میں آپ پر درود وسلام بکثرت پڑھنے کا حکم متعدد احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے۔ ہم یہاں بعض روایات مبارکہ تبرکاً نقل کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

پہلی حدیث:

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے بہترین دنوں میں سے ایک دن جمعہ کا دن ہے۔ اس دن آدم پیدا کئے گئے۔ اور اس دن ان کو وفات دی گئی اور اس دن نفخہ ہوگا اور اس دن صعقہ ہوگا۔

فاکثروا علی من الصلوۃ فیہ فان صلوٰتکم فیہ معروضة علی سوتم

اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیوں کہ اس دن تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے

عرض کیا گیا یا رسول اللہ ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں گے جب کہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے؟ فرمایا۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاَ کل اجساد الانبیاء بلاشبہ اللہ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ (مطالع المسرات ص ۳۲، نسائی شریف ص ۲۰۳ ج ۱، ابوداؤد شریف ص ۱۵۰ ج ۱، شفا شریف ص ۵۲ ج ۲، ابن ماجہ ص ۷۶ ج ۱، اور امام نووی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں رواہ ابوداؤد باسناد صحیح (ریاض الصالحین ص ۱۹۱) اور امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی وابن حبان وابن ماجہ والحاکم وھذا حدیث حسن (وجامع صغیر ص ۹۹ ج ۱) اور خطیب بغدادی فرماتے ہیں رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی الدعوات الکبیر مشکوٰۃ ص ۱۱۰ ج ۱)

دوسری حدیث

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

اکثروا الصلوۃ علی یوم الجمعۃ فانہ مشھود یشھدہ الملائکۃ وان احداً لم یصل علی الا عرضت علی صلاتہ حتی یفرغ منھا

جمعہ کے روز مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو کیونکہ یہ حاضری کا دن ہے۔ اس دن فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ اور جو شخص (اس روز) مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ اس کا درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔۔ یہاں تک کہ وہ درود بھیجنے سے فراغت پائے۔ میں نے عرض کیا وفات کے بعد بھی۔ فرمایا۔ بلاشبہ اللہ نے زمین پر نبیوں کے اجسام کھانا حرام کیا ہے۔ ''فنبی اللہ حی یرزق'' سو اللہ کا نبی زندہ ہے۔ اس حال میں کہ وہ رزق دیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۱۱ ج ۱، ابن ماجہ ص ۷۶ ج ۱)

تیسری حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا الصلوۃ

علی نور علی الصراط فمن صلی علی یوم الجمعۃ ثمانین مرۃ غفرت لہ

ذنوب ثمانین عاما . مجھ پر درود بھیجنا پل صراط پر نور ہے۔ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسی مرتبہ درود بھیجے اس کے اسی سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (رواہ الازدی فی الضعفآء والدار قطنی فی الافراد عنہ وھذا حدیث حسن جامع صغیر ص ۵۱ ج ۲)

چوتھی حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ و السلام نے فرمایا

اکثروا الصلوۃ علی فی یوم الجمعۃ و لیلۃ الجمعۃ فمن فعل ذلک کنت له شهیدا او شفیعا یوم القیامة جمعہ کے روز و شب میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ سو جو شخص ایسا کرے میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہ یا سفارشی ہوں گا۔ (رواہ البیهقی فی الشعب ، خصائص کبری ص ۲۶۰ ج ۲)

تنبیہ: امام شیخ ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ جمعہ کے شب و روز میں بکثرت درود بھیجنے کی کم از کم مقدار تین سو مرتبہ ہے۔ (المطالع ص ۳۳)

پانچویں حدیث

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا

اکثروا الصلوۃ علی فی یوم الجمعة فانه لیس یصلی علی احد یوم الجمعة الا عرضت علی صلاته. جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیوں کہ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر درود بھیجے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۸۲)

چھٹی حدیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

ان اقربکم منی یوم القیامة فی کل موطن اکثرکم علی صلوۃ فی الدنیا فمن صلی علی یوم الجمعة و لیلة الجمعة قضی الله له مائة حاجة

سبعین من حوائج الآخرة و ثلاثین من حوائج الدنیا ثم یؤ کل اللہ بذلک ملکایدخل فی قبری کما تدخل علیکم الھدایا یخبر من صلی علی باسمہ ونسبہ الی عشیرتہ فاثبتہ عندی فی صحیفة بیضاء

بلا شبہ قیامت کے دن ہر جگہ میں میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے گا۔ سو جو شخص مجھ پر جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں درود بھیجے۔ اللہ اس کی ایک سو حاجتیں ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی پوری کرے گا۔ پھر اللہ اس درود پر فرشتہ مقرر کرے گا تو وہ اسے میری قبر میں داخل کرے گا جس طرح تم پر ہدیے پیش کئے جاتے ہیں۔ درآں حالیکہ وہ مجھے درود بھیجنے والے کے نام اوراس کے قبیلے کی خبر دے گا تو میں اس درود کو اپنے سفید صحیفے میں رکھ لوں گا۔ (شفاء السقام ص ۱۸۲، جذب القلوب ص ۱۸۸)

ساتویں حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یزید بن وھب سے فرمایا۔ جمعہ کے روز ایک ہزار بار درود شریف پڑھنا ترک نہ کرو۔ کہو اللھم صل علی محمد النبی الامی۔ (شفاء السقام ص ۱۸۲، جذب القلوب ص ۱۸۸)

آٹھویں حدیث

دمیری نے شرح منہاج میں نقل کیا ہے کہ حدیث حسن میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز پیغمبر علیہ السلام پر اللھم صل علی محمد عبدک و رسولک النبی الامی وعلی آلہ و اصحابہ وسلم تسلیما کے الفاظ سے درود شریف بھیجے اس کے اسی سال کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (جذب القلوب ص ۱۸۹)

نویں حدیث

کتاب مفاخر الاسلام میں مذکور ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز نماز عصر کے بعد جائے نماز سے اٹھنے سے پہلے پہلے اسی بار پیغمبر علیہ السلام پر درود شریف بھیجے اس کے اسی سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (جذب القلوب ص ۱۸۹)

دسویں حدیث

روایت میں آیا ہے کہ حضرت خالد بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے پہلے ان کے سر کے نیچے ایک کاغذ کا ٹکڑا پایا گیا جس پر لکھا تھا۔ براءۃ من النار لخالد بن کثیر۔ خالد بن کثیر کے لئے دوزخ سے آزادی ہے۔ ان کے گھر والوں سے دریافت کیا گیا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں یہ کرامت ملی؟ تو انہوں نے کہا ان کا عمل یہ تھا کہ وہ ہر جمعہ کو سید المرسلین ﷺ پر ایک ہزار مرتبہ درود شریف بھیجا کرتے تھے۔ (جذب القلوب ص ۱۸۹)

وتلک عشرۃ کاملۃ

ان دس احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے شب و روز میں سرور کائنات ﷺ پر بکثرت درود شریف بھیجنے کا حکم خود شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے دیا اور اس میں بڑا اجر و ثواب اور فضیلت ہے۔ وھذا ھو المقصود والحمد للہ علی ذلک۔

جمعہ کے دن بکثرت درود شریف اور سلام پڑھنے کی حکمت

امام فاسی جمعہ کے دن بکثرت درود وسلام پڑھنے کی حکمت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ ''جمعہ کے دن کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر بکثرت درود وسلام بھیجنے کے ساتھ

اس کی فضیلت کی وجہ سے خاص کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس دن فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ اور اس روز حضورﷺ پر درود پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس دن میں مقبولیت کی ایک گھڑی ہے۔ اور ان کے علاوہ اور وہ فضائل بھی ہیں جو اس دن کے متعلق ذکر کیے گئے ہیں۔ اور ابن القیم نے کہا ہے کہ جمعہ کے روز بکثرت صلوۃ وسلام پڑھنے میں یہ حکمت ہے کہ حضور سید الانام ہیں۔ اور جمعہ سید الایام ہے۔ سو اس دن صلوۃ وسلام پڑھنے میں ثواب کی زیادتی ہے۔ جو دوسرے دن کے صلوۃ وسلام میں نہیں۔ علاوہ ازیں اس میں حکمت یہ بھی ہے کہ حضورﷺ کی امت کو دنیا و آخرت میں جو نعمتیں ملی ہیں وہ حضورﷺ ہی کے ہاتھوں سے ملی ہیں۔ سو یہ دن امت محمدیہ کے لئے عید کا دن ہے۔ اور انہیں آخرت میں سب سے بڑی کرامت جمعہ کے روز حاصل ہوگی۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جمعہ کی رات اور دن کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ جمعہ کی رات حضور سرور کائنات کا نور حضرت آمنہ کے شکم مبارک میں داخل ہوا جس سے جمعہ کے شب و روز کو حضور کی ولادت سے نسبت حاصل ہو گئی ہے۔ اس لئے اسے عید منانا اور اس میں بکثرت صلوۃ وسلام پڑھنا اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری اور خوشی منانا اور تعظیم نبوی ہے۔ (مطالع المسرات ص ۳۳)

فقہائے کرام کا فتویٰ

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ معتبرہ کی بناء پر فقہائے کرام نے جمعہ کے شب و روز کو درود وسلام کے مواضع استحباب میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ امام ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔

ونص العلماء علی استحبابها فی مواضع یوم الجمعة ولیلته اور علماء نے چند مواضع میں درود وسلام ...... کے مستحب ہونے کی نص فرمائی ہے۔ ان مواضع استحباب میں سے ایک موضع جمعہ کے شب و روز ہیں۔ (درمختار ص ۳۸۳ ج ۱)

نماز جمعہ کے بعد صلوۃ وسلام مستحب ہے

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا ہے۔ اس سے روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ جمعہ کے

شب و روز میں درود و سلام کی کثرت مستحب ہے اور چونکہ نماز جمعہ کے بعد کا وقت بھی جمعہ کے دن کا حصہ ہے۔اس لئے اس میں پڑھا جانے والا درود و سلام بھی مستحب ہی ہے۔اسے ممنوع و بدعت کہنا اپنی جہالت اور بے دینی کا واضح ثبوت دینا ہے۔اللہ تعالی ہمارے مخالفین کو ہدایت نصیب کرے جو بات بات پر بدعت و ناجائز ہونے کا فتوی جڑ دیتے ہیں۔(والی اللہ المشتکی)

ازالہ شکوک وشبہات

اب ہم ان شکوک وشبہات کا ازالہ کرتے ہیں جو بعد از نماز جمعہ پڑھے جانے والے صلوۃ وسلام کے متعلق پیدا کئے جاتے ہیں۔ وبا للہ التوفیق.

پہلا اعتراض

مشہور و معروف دیوبندی مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب زاد السعید میں ہے در مختار میں ہے کہ درود شریف پڑھتے وقت اعضاء کو حرکت دینا اور بآواز بلند پڑھنا جہل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رسم ہے کہ نمازوں کے بعد حلقہ باندھ کر چلا چلا کر درود شریف پڑھتے ہیں۔قابل ترک ہے۔(زاد السعید بحوالہ فضائل درود مؤلفہ مولوی محمد زکریا دیوبندی ص ۸۷)

الجواب: در مختار کی عبارت اس طرح ہے۔

وازعاج الاعضاء برفع الصوت جهل وانما هي دعاء له والدعاء يكون بين الجهر والمخافتة كذا اعتمده الباجي في كنز العفاة

اور درود شریف بآواز بلند پڑھتے وقت اعضاء کو حرکت دینا جہل ہے۔اور سوائے اس کے نہیں کہ درود شریف حضور ﷺ کے لئے دعا ہے۔اور دعا جہر وخفاء کے مابین ہونی چاہیے۔ جیسا کہ اس پر امام باجی نے کتاب کنز العفاۃ میں اعتماد فرمایا۔(در مختار ص ۳۸۴ ج ۱)

اس عبارت میں بآواز بلند درود شریف پڑھتے وقت اعضاء گھمانے کو جہل فرمایا

نہ یہ کہ درود شریف پڑھتے وقت آواز بلند کرنے کو جہل کہا ہے۔ جیسا کہ تھانوی صاحب نے سمجھا ہے۔ بلکہ ایک عام عربی دان بھی جانتا ہے کہ اس عبارت میں ازعاج الاعضاء مبتداء اور جہل اس کی خبر ہے۔ اور برفع الصوت ازعاج کے متعلق ہے۔ نہ یہ کہ وہ اس پر معطوف ہے۔ ولہذا تھانوی صاحب نے عبارت کا ترجمہ غلط کر کے غلط معنی پیش کیا ہے۔ سچ ہے۔

گر همیں مکتب وهمیں ملاں　　کار طفلاں تمام خواهدشد

اگر دیوبندی حکیم الامت کا یہ حال ہے۔ تو پھر دیوبندی امت کا کیا حال ہوگا۔
ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم ۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ درمختار میں درود شریف بآواز بلند پڑھتے وقت اعضاء گھمانے کو جہل فرمایا گیا ہے۔ تو پھر دیوبندی بھلے مانسوں کو یہ کون بتائے کہ بریلوی اہل سنت نماز جمعہ کے بعد حلقہ باندھ کر جو صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ اس میں کوئی شخص اپنے اعضاء کو حرکت نہیں دیتا بلکہ ہر شخص دست بستہ ادب سے کھڑے ہو کر عقیدت ومحبت سے صلوۃ وسلام عرض کرتا ہے۔ اور بالخصوص اسی حالت کی عکاسی کے لئے یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

دست بستہ ہیں کھڑے حاضر غلام
اور پیش کرتے ہیں غلامانہ سلام

پھر ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ درمختار کا فتوی تو صلوۃ وسلام کے وقت اعضاء کو حرکت دینے والوں کے متعلق ہے۔ جسے کھینچ تان کر دیوبندی حکیم الامت نے ہم بریلوی اہل سنت پر چسپاں کر دیا ہے۔

اور درمختار نے تو درود وسلام کے ترک کا حکم دینے کی بجائے ہاتھوں کو لہرانے اور اعضاء کو حرکت دینے کو جہل بتایا مگر تھانوی صاحب نے سرے سے صلوۃ وسلام ہی کو قابل ترک بتادیا۔ ان کم فہموں سے یہ کون پوچھے کہ اگر کوئی شخص نماز مکروہ طریقہ سے ادا کرتا ہو

تو اسے یہ تو نہیں کہا جائے گا کہ تم نماز ہی چھوڑ دو بلکہ اسے صحیح طریقہ سے نماز ادا کرنے کو کہا جائے گا۔ اگر تھانوی صاحب صحیح سنی ہوتے تو یہ فتوی دیتے کہ نماز جمعہ کے بعد صلوۃ وسلام تو پڑھو مگر اعضاء کو حرکت نہ دو۔ مگر وہ اپنی وہابیت سے مجبور تھے۔ اس لئے قابل ترک کا حکم لگا دیا۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

ثانیاً اگر یہ تسلیم ہی کرلیا جائے کہ صاحب درمختار نے بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کو بھی جہل قرار دیا ہے تو ان کا یہ قول مذہب حنفی کے مختار قول (جواز ذکر بالجہر) کے خلاف ہونے کی وجہ سے اصلاً معتبر نہ ہوگا پھر اس نامعتبر قول کی وجہ سے نماز جمعہ کے بعد بآواز بلند پڑھے جانے والے صلوۃ وسلام کو قابل ترک کہنا کیوں کر صحیح ہوگا۔ **فافهم فانه من مزلات الاقدام واللہ ولی التوفیق۔**

دوسرا اعتراض

مولوی عبداللطیف جہلمی دیوبندی کی کتاب ''چند الزامات کا جواب'' میں ہے۔ درود شریف کو سب کا مل کر گیت کی صورت میں پڑھنا جو آج کل کا معمول ہے خلاف سنت ہے۔

الجواب: جمعہ کے شب و روز میں بکثرت درود شریف پڑھنے کا حکم بہت سی صحیح حدیثوں میں خود شارع علیہ السلام نے دیا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا ہے۔ مگر اس کی کوئی خاص ہیئت متعین نہ فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ اس صلوۃ وسلام کے متعلق کوئی خاص طریقہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے منقول نہ ہوا بلکہ سلف صالحین اپنے اپنے طریقہ سے صلوۃ وسلام بکثرت پڑھا کرتے تھے۔

بہر حال اس صلوۃ وسلام کے پڑھنے کا کوئی مسنون طریقہ نہیں کہ اس کی خلاف ورزی کو خلاف سنت قرار دیا جا سکے۔لہذا جہلمی صاحب کا آج کل کے مروجہ طریقہ صلوۃ و سلام کو خلاف سنت کہنا سراسر غلط ہے۔جہلمی صاحب ہی بتائیں کہ سلف صالحین جمعہ کے شب و روز میں بکثرت دورد وسلام پڑھا کرتے تھے یا نہیں اور اگر پڑھا کرتے تھے تو کیا ان سب کے پڑھنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا اور اگر ان سب کے پڑھنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا تو وہ کیا طریقہ تھا جسے جہلمی صاحب سنت قرار دے کر آج کل کے مروجہ طریقہ کو خلاف سنت قرار دے رہے ہیں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ۔

تیسرا اعتراض

ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ درود شریف ضرور پڑھو مگر کھڑے ہو کر پڑھنا جائز نہیں ۔(السلطان المفیض مؤلفہ مولانا محمد ایوب ہزاروی خطیب جہلم)

الجواب: حالتیں تین ہیں۔ قیام ،قعود اور رقود۔ قیام افضل ترین حالت ہے پھر قعود، پھر رقود۔ یہی وجہ ہے کہ نماز میں قیام فرض ہے۔اور خطبہ میں بھی لازم ہے۔نماز میں اگر قیام متعذر یا متعسر ہو تو قعود کی اجازت ہے۔اور اگر قعود بھی متعذر یا متعسر ہے تو رقود کی رخصت ثابت ہے۔ان تینوں حالتوں میں صلوۃ وسلام پڑھنا جائز ہے۔مگر افضل ترین حالت (قیام) میں پڑھا ہوا صلوۃ وسلام غیر افضل حالتوں (قعود و رقود) میں پڑھے ہوئے صلوۃ وسلام پر یقیناً فضیلت وفوقیت اور زیادتی اجر و ثواب رکھتا ہے۔دیکھئے جو نوافل قیام کے ساتھ پڑھے جائیں وہ بیٹھ کر پڑھے جانے والے نوافل پر دوگنا زیادہ اجر و ثواب رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اہل سنت کھڑے ہو کر دست بستہ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں، تا کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب حاصل ہو۔ وہابیہء زمانہ اپنی کم فہمی و بے علمی کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں اور قیام کی حالت میں صلوۃ وسلام پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ والی اللہ المشتکی ۔

چوتھا اعتراض

اہل سنت ہر جمعہ کو صلوۃ وسلام کیوں پڑھتے ہیں؟ بعض جمعہ کو ناغہ ہونا چاہیئے تا کہ لوگ اس کو فرض واجب نہ اعتقاد کریں۔ کما قال بعض المودودیة فی دیارنا ۔

الجواب: حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اکثروا من الصلوۃ علی فی کل یوم الجمعة فان صلاة امتی تعرض علی فی کل یوم جمعة فمن کان اکثرهم علی صلاة کان اقربهم منی منزلة رواه البیهقی فی شعب الایمان . ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے صلوٰۃ بھیجو کیونکہ ہر جمعہ کے روز مجھ پر میری امت کا درود پیش کیا جاتا ہے۔ سو جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ قریب درجہ والا ہوتا ہے۔ (جامع الصغیر للجلال السیوطی ص ۵۴ جلد اول)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر ہر جمعہ کے دن درود شریف بھیجنا چاہیے اور کسی جمعہ کو ناغہ کرنا اس حدیث کی خلاف ورزی ہے۔ اسی وجہ سے اہل سنت ہر جمعہ کو پابندی سے صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں۔

پانچواں اعتراض

اہل سنت جمعہ کی نماز کے بعد کیوں صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں؟ حالانکہ یہ وقت شرعاً صلوۃ وسلام کے لئے مقرر نہیں ہے۔

الجواب: شیخ محقق علی الاطلاق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ شک نیست کہ صلوۃ نبوی در جمیع مواطن خیر ومجال برکت مستحسن ومستحب است ولیکن علماء چند مواضع کہ استحباب وایں فضیلت دراں جاموکد تر وفاضل تر است عدکردہ اند ومجموع آنچہ نظر آمدہ ایں چند مواضع ست کہ بیان کردہ می شود الی ان قال در روز جمعہ و شب جمعہ خصوصاً بعد از نماز جمعہ اھ بلفظہ ۔

اس میں شبہ نہیں کہ جملہ خیر و برکت کی جگہوں میں درود شریف پڑھنا مستحسن اور مستحب ہے۔لیکن علماء نے چند جگہیں گنی ہیں جن میں درود شریف کا استحباب اور ثواب زیادہ مؤکداور زیادہ فضیلت والا ہے۔اور وہ سب جگہیں جونظر سے گزری ہیں بیان کی جاتی ہیں پھر یہاں تک فرمایا اور جمعہ کے شب و روز میں خصوصاً نماز جمعہ کے بعد درود شریف پڑھنا زیادہ مؤکداور زیادہ فضیلت کا حامل ہے۔(جذب القلوب ص ۱۹۰)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جمعہ کے بعد درودوسلام پڑھنے میں زیادہ فضیلت وثواب ہے۔اسی لئے ہم اہل سنت اس وقت صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں۔والحمد للہ علی ذلک۔

چھٹا اعتراض

یا نبی سلام علیک اور مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام بناوٹی درودوسلام ہیں ان کو پڑھنے کی بجائے درود ابراہیمی وغیرہ درود ہائے ماثورہ کیوں نہیں پڑھے جاتے؟

الجواب: جمعہ کے روز و شب میں بکثرت درود شریف پڑھنے کا مطلق حکم دیا گیا ہے۔اس کا اطلاق درود ہائے ماثورہ وغیر ماثورہ سب کو شامل ہے۔تو غیر ماثورہ درودو سلام پڑھنے میں کون سی خرابی ہے۔دیوبندی مولویوں کی متفقہ معتبر کتاب المہند میں ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت ﷺ پر درود شریف کی کثرت مستحب اور نہایت موجب اجر وثواب طاعت ہے۔خواہ دلائل الخیرات پڑھ کر ہو یا درود شریف کے دیگر رسائل مؤلفہ کی تلاوت سے ہو۔لیکن افضل ہمارے نزدیک وہ درود شریف ہے جس کے لفظ بھی حضرت سے منقول ہیں۔گو غیر منقول کا پڑھنا بھی فضیلت سے خالی نہیں اور اس بشارت کا مستحق ہو ہی جائے گا کہ جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا حق تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجے گا۔(ماضی الشفرتین ص ۳۳)

اور مولوی محمد قاسم قاسمی دیوبندی نے لکھا ہے کہ "صلوۃ وسلام کے حکم کی تعمیل ہر اس صیغہ سے ہو سکتی ہے۔جس میں صلوۃ وسلام کے الفاظ ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ

الفاظ آنحضرت ﷺ سے بعینہ منقول بھی ہوں۔ بلکہ جس عبارت سے بھی صلوۃ وسلام کے الفاظ ادا کئے جائیں اس حکم کی تعمیل اور درود شریف کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔ (درود و سلام بر خیر الانام ص ۲۱)

دیو بندی مولویوں کی ان عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ اہل سنت جن الفاظ سے درود شریف پڑھتے ہیں۔ ان سے صلوۃ وسلام کے حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ اور ثواب بھی مل جاتا ہے۔ **والحمد للہ علی ذالک۔**

لاکھ مدعی پہ بھاری ہے گواہی تیری

ساتواں اعتراض

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر صلوۃ وسلام بھیجنے میں یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالی کو ہی کہا جاوے براہ راست آپ کو مخاطب بنانا روضہ رسول اطہر سے نزدیک ہونے کے علاوہ ناجائز و بدعت ہے۔ جس طرح بعض فریب خوردہ لوگ اپنے گھر بیٹھ کر یا نبی سلام علیک کہتے ہیں۔ یہ طریقہ من گھڑت ہے۔ کار ثواب تو کیسے ہو گا بلکہ یہ بدعت صریح ہے۔ (درود وسلام بر خیر الانام ص ۳۲)

الجواب: مسلمان حضور علیہ السلام کے زمانے سے آج تک خود حضور علیہ السلام کی تعلیم سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر براہ راست بصیغہ خطاب ہر نماز کے ہر التحیات میں درود وسلام۔ **السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**، کے الفاظ میں پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ لہذا دیو بندی مولویوں کا دور سے براہ راست سلام پیش کرنے کو ناجائز و بدعت کہنا بذات خود ناجائز و بدعت ہے۔ اگر التحیات میں روضہ اطہر سے دور براہ راست آپ ﷺ پر سلام پیش کرنا جائز ہے۔ تو نماز سے باہر آپ ﷺ پر سلام پیش کرنے کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اہل سنت **یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک یا حبیب سلام علیک صلوۃ اللہ علیک** کے الفاظ

میں جوصلوۃ وسلام پیش کرتے ہیں...... اگر بالفرض یہ من گھڑت ہی ہیں۔تو ان میں ثواب اور فضیلت موجود ہے۔جیسا کہ چھٹے اعتراض کے جواب میں ہم نے خود تمہاری اسی کتاب سے ثابت کیا ہے۔لہذا تمہارا اس صلوۃ وسلام سے روکنا کارثواب سے روکنا ہے۔

اعلیٰ حضرت خوب فرماتے ہیں

ذکر روکے ، فضل کاٹے ، نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

آٹھواں اعتراض

''خطیب صاحب نے کہا ہے کہ میں نے شریعت کی ہر کتاب پڑھی ہے۔ یہ (جمعہ کے بعد پڑھا جانے والا) صلوۃ وسلام نہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں پڑھا جاتا تھا اور نہ ہی صحابہ کرام کے دور میں پڑھا گیا۔ یہ صرف نعت خوانوں نے روپے بٹورنے کے لئے نکالا ہے۔'' (السلطان المفیض ص۳)

الجواب : اولاً مولوی صاحب نے شریعت کی ہر کتاب پڑھی ہوگی مگر سمجھی نہ ہوگی۔اگر وہ کتب اصول فقہ کو سمجھ کر پڑھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ نصوص شرع سے احکام شرع کے اثبات کے چار طریقے ہیں۔ عبارۃ النص ، اشارۃ النص ، دلالۃ النص اور اقتضاء النص ۔ جمعہ کی نماز کے بعد پڑھا جانے والا صلوۃ وسلام حدیث اکثروا الصلوۃ علی یوم الجمعۃ رواہ ابن ماجہ کی عبارت النص سے ثابت ہے۔ چونکہ مولوی صاحب پر وہابیت کا خمار چڑھ گیا ہے۔اس لئے وہ اس صلوۃ وسلام کو ناجائز و بدعت قرار دے رہے ہیں۔ثانیاً بالفرض اگر یہ صلوۃ وسلام قرون خیر میں موجودہ ہیئت کے ساتھ نہیں پڑھا گیا تو یہ بات اس کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں۔ کیونکہ صدہا کام ان ادوار سعیدہ کے بعد شروع ہوئے اور فقہائے امت نے انہیں بدعت حسنہ کہہ کر جائز قرار دیا۔

جیسا کہ علوم صرف ونحو وغیرہ۔مولوی صاحب ہی بتائیں کہ آج جس ہیئت سے یہ

علوم پڑھائے جاتے ہیں۔کیا اسی ہیئت سے یہ علوم قرون خیر میں بھی پڑھائے جاتے تھے۔ اگر نہیں پڑھائے جاتے تھے تو یہ کیوں ناجائز و بدعت نہیں ہوئے۔اور صلوۃ وسلام ناجائز و بدعت ہوگیا۔واللہ لا یهدی کید الخائنین۔

نواں اعتراض

مولوی صاحب نے مثال دی کہ ہم چوہدری صاحب کو کہیں ''او چوہدری'' تو سب برا منائیں گے۔خود چوہدری بھی برا منائے گا۔یہ گستاخی کا کلمہ ہے۔یونہی یا نبی یا رسول کہنا بھی غلط ہے۔اور آپ کی گستاخی ہے۔ استغفر اللہ العظیم۔ (السلطان المفیض ۳)

الجواب

حضور ﷺ کو یا نبی یا رسول کے الفاظ سے مخاطب بنانا یقیناً جائز اور کوئی گستاخی نہیں۔صحابہ کرام ہمیشہ آپ کی خدمت میں یا رسول اللہ کہتے رہے،تو کیا صحابہ کرام گستاخی کرتے رہے۔گستاخی کا کلمہ وہ ہوتا ہے جس کو عرف عام میں گستاخی کا کلمہ سمجھا جائے۔یا نبی یا رسول کے کلمات کو آج تک کسی نے گستاخی کا کلمہ نہیں سمجھا اس لئے یہ کلمات گستاخی کے کلمات نہیں۔صرف مولوی صاحب کے عقل میں بگاڑ ہے۔اس لئے وہ ان میں گستاخی سمجھ رہے ہیں۔واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔اب ہم اس مسئلہ کے متعلق ایک فتوی نقل کرتے ہیں۔وباللہ التوفیق۔

ایک فتوی

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں کہ وعظ اور میلاد کی مجالس میں سب کا آواز ملا کر حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا جائز ہے یا

نہیں؟اور جمعہ کی دن بعد ختم نماز سب مصلی متفق ہو کر مسجد میں با واز بلند درود شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: محفل وعظ ہو یا مجلس میلاد پاک، قبل نماز ہو یا بعد نماز، مسجد ہو یا غیر مسجد رات ہو یا دن، بے وضو یا باوضو، کھڑے ہو یا بیٹھ کر صیغہء خطاب سے ہو یا غیر خطاب سے، بلند آواز سے ہو یا دھیمی آواز سے، سال کا کوئی مہینہ ہو، کوئی گھڑی ہو ہر حالت میں درود شریف پڑھنا قطعاً جائز ہے کہ آیت کریمہ کے اطلاق پر بے جا قیود کا اضافہ کرنا شریعت مطہرہ پر افترا کرنا ہے۔۔ جو شخص کسی صورت خاص کی ممانعت کرے ثبوت دے۔ علامہ محقق سیدی کمال الملۃ والدین محمد نے فتح القدیر میں تصریحا قاعدہ کلیہ بتایا ہے کہ **کل ما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا** جس بات کو حضور ﷺ کے ادب میں زیادہ دخل ہو وہ زیادہ اچھی ہے۔ ائمہ محققین نے زمانہ سلف سے آج تک جو نیا طریقہ حضور کی تعظیم وتکریم کا نکالا اس کو برا نہ بتایا بلکہ مستحسن ٹھہرایا۔ مثلا آٹھویں صدی کے آخر میں بعد آذان حضور پر صلوۃ وسلام عرض کرنا ایجاد کیا گیا اس کو در مختار میں لکھا ہے۔ **التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدی و ثمانین وھو بدعۃ حسنۃ**

بعد آذان حضور پر صلوۃ وسلام پڑھنا ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں ایجاد کیا گیا اور بدعت حسنہ ہے۔ حضور ﷺ پر سلام پڑھنے کا یہ نیا طریقہ نکالیکن اس سے حضور ﷺ کی شان اظہار ہوتا ہے۔ لہذا علماء نے اچھا جانا۔ ہرنئی چیز جو مستحسنات شرعیہ کے تحت میں داخل ہو محمود ہے۔ اور اگر مستقبحات میں شامل ہے۔ تو ممنوع ہے۔ اور اگر نہ مستحسنات سے ہے۔ نہ مستقبحات سے تو وہ مباح ہے۔ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ کما تقرر فی الاصول۔ (ماہنامہ سالک راولپنڈی بابت نومبر ۱۹۵۶ء ص ۴۶)

الحمد للہ ! یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔اس سے بعد از نماز جمعہ پڑھے جانے والے مروجہ صلوۃ وسلام کا استحسان واستحباب بکمال ثابت ہو گیا ہے۔سنی مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ اس کار خیر میں کوشش سے شامل ہوا کریں۔

وهذا آخر ما اردنا ايراده فى هذه المقالة النافعة تقبلها الله تعالى بمنه العظيم ورسوله الكريم ﷺ وانا ابو الكرم احمد حسين قاسم الحيدرى الرضوى خادم التدريس والتصنيف بالجامعه الحيدريه فضل المدارس ببلدة سهنسه من مضافات آزاد كشمير .

(۵ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیسواں مقالہ

میت کو دوبار غسل دینے کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین. امابعد۔

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ میت کو دوسرا غسل دینا جیسا کہ آج کل ہمارے علاقوں میں مروج ہے۔ از روئے شریعت بمطابق فقہ حنفی جائز ہے۔ یا نہیں؟ بعض لوگ پہلے غسل کو اور بعض دوسرے غسل کو فضول کہہ کر عوام کو دوسرے غسل سے روکتے ہیں۔ ان کا یہ فعل کیسا ہے۔؟ بینوا توجروا

(پیش کردہ جناب چمن پیر شاہ صاحب سہر منڈی)

الجواب: اسلام نظافت طہارت اور ستھرائی کو بے حد پسند کرتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ واللہ یحب المطھرین (پ۱۱ ع ۲) اور اللہ ستھرے لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وثیابک فطھر اور آپ اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں (پ ۲۹، ۱۵) اور حضور سید الطاہرین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ الطھور شطر الایمان. ستھرائی نصف ایمان ہے۔ (مشکوۃ ص ۳۵ ج ۱)

اور ارشاد فرماتے ہیں بلا شبہ اللہ جمیل ہے۔ اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے۔ سخی ہے سخاوت کو پسند فرماتا ہے۔ ستھرا ہے وہ ستھرائی کو پسند فرماتا ہے۔ (جامع صغیر ص ۶۹ ج ۲) اسلام کو ستھرائی اس درجہ محبوب ہے۔ کہ اگر کوئی شخص میل کچیل دور کرنے کے لئے ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے تو اسے شرع کی طرف سے اس کی اجازت ہے۔ سرکار مدینہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا ذرہ یہ تو بتاؤ اگر کسی شخص کے دروازے پر دریا بہتا ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ نہائے تو کیا اس کی کچھ میل باقی رہ جائے گی۔ انہوں نے عرض کیا اس کی میل میں سے کچھ بھی نہ باقی رہے گا۔ فرمایا یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے۔ یمحو اللہ بھن الخطایا۔ اللہ ان کے سبب سے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (مشکوۃ ص ۵۳ ج ۱) معمولی سی سمجھ رکھنے والا مسلمان سمجھ سکتا ہے۔ کہ جو اسلام زندہ مسلمانوں کو ہر روز پانچ

مرتبہ غسل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ وہی اسلام مردہ مسلمانوں کو دوسری بار نہلانے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ کیونکہ اسلام میت کے حق میں بھی نظافت و پاکیزگی کا خواہاں ہے۔ یہی وجہ کہ میت کو بیری کے پتوں والے پانی اور خطمی و صابون سے نہلانے کی ترغیب فقہائے کرام نے دی ہے۔ بہر حال میت کے لئے جس قدر نظافت وطہارت ہوگی وہ شرع کی نظر میں محبوب پسندیدہ ہوگی۔

غسل ثانی کا حدیث سے ثبوت

اگر مانعین احادیث مبارکہ میں غور کرتے تو انہیں غسل ثانی کا ثبوت ضرور مل جاتا مگر وہ اپنی کم علمی اور کوتاہ بینی کی وجہ سے اس سعادت سے محروم ہیں۔ اپنی نادانی کی وجہ سے آئے دن نئے نئے مسئلے اٹھا کر عوام المسلمین کو پریشانی میں ڈال رہے ہیں۔ اللہ تعالی سے ہدایت کا سوال ہے۔ اب ہم غسل ثانی کا ثبوت معتبر صحیح حدیثوں سے پیش کرتے ہیں۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ہم حضور ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا اغسلنها ثلاثا اوخمسا او اکثر من ذلک ان رائیتن ذلک بماء وسدر۔ انہیں پانی اور بیری سے تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا اگر تم مناسب سمجھو تو اس زیادہ مرتبہ غسل دو۔ (مشکوۃ شریف ص۱۳۰ ج ۱) اور دوسری روایت میں ہے۔ اغسلنها وترا ثلاثا اوخمسا اوسبعاً۔ انہیں طاق مرتبہ تین یا پانچ یا سات مرتبہ غسل دو (مشکوۃ ص۱۳۰ ج۱)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اس کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ پس گفت آنحضرت غسل دہید او را سہ غسل یا پنج غسل یا بیشتر ازاں کہ وتر باشد چنانکہ در روایات آمدہ۔ سو فرمایا آنحضرت ﷺ نے انہیں تین غسل یا پانچ غسل یا سات غسل دو جبکہ وہ طاق ہوں جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ۱۷۶ ج ۱)

مانعین اس حدیث میں غور کریں خود شارع علیہ السلام عند الحاجہ ایک سے زیادہ

مرتبہ میت کو نہلانے کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں۔ اگر دوسرا غسل ممنوع تھا جیسا کہ مانعین کا دعوی ہے۔ تو آپ سات مرتبہ غسل دینے کا حکم کیوں ارشاد فرماتے پھر آپ کا ارشاد ان رائتین ذلک سے بھی یہ ثابت ہوا کہ غسل دہرانے کا معاملہ نہلانے والوں کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ جتنی مرتبہ غسل دینا مناسب سمجھیں اتنی مرتبہ اسے غسل دیں۔ پر ظاہر ہے کہ آج کل لوگ دوسرے غسل کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اس لئے انہیں دوسرے غسل سے روکا نہیں جائے گا۔ ورنہ اس حدیث صحیح کی مخالفت لازم آئے گی۔ تعجب ہے کہ شرع شریف جس کام میں لوگوں کو اپنی رائے پر چلنے کی اجازت دیتی ہے۔ مانعین اپنی کم علمی کی وجہ سے اسی کام سے انہیں منع کر رہے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

شرع لوگوں کی رائے کو معتبر جانتی ہے

پھر ہر طالب علم پر بھی واضح کہ شرع شریف مسلمانوں کی رائے کو معتبر مانتی ہے۔ چنانچہ حضرت وائل سے مروی ہے کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ماراہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن و ماراہ المسلمون قبیحا فھو عنداللہ قبیح جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔ اور جس کام کو مسلمان برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ص ۳۶ ج ۵)

مانعین اس حدیث پر بھی غور کریں کہ مسلمان ہمیشہ دوسرے غسل کو اچھا سمجھتے آئے ہیں۔ تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ پھر مانعین عنداللہ اچھے کام سے منع کرنے کا وبال کیوں مول لے رہے ہیں؟

کتب فقہ میں غسل ثانی مذکور نہ ہونے کی وجہ

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دستور تھا کہ جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا تھا تو اسے مسنون طریقہ پر غسل دے کر کفن پہنا دیتے تھے پھر حتی الامکان جلدی سے قبر تیار کی جاتی تھی اور اسے دفن کر دیا جاتا تھا۔ خود رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا

اور میت کے بارے میں جلدی کرو کیونکہ مسلمان کی نعش کے مناسب نہیں کہ وہ اپنے گھر والوں میں روکی جائے۔ (مراقی الفلاح ص۱۸۲ ج۲)

اس مسئلہ کا تفصیلی بیان ہماری کتاب امانتی دفن کا مسئلہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان ارشادات عالیہ کی وجہ سے صحابہ کرام میت کی تجہیز وتدفین میں بہت جلدی کیا کرتے تھے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی شخص شام کو فوت ہو جاتا تو اسے رات کے دوران دفنا دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر نماز جنازہ کے وقت نبی اکرم ﷺ آرام فرما رہے ہوتے تو ان کی بیداری کا بھی انتظار نہ کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام خود ہی جنازہ پڑھ کر میت کو دفنا دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جس کی میت کو رات کے وقت دفنا دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے کب دفن کیا گیا ہے؟ عرض کیا گیا گذشتہ رات میں۔ آپ ﷺ نے پوچھا۔ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ کی۔ عرض کیا گیا۔ ہم نے اسے رات کے اندھیرے میں دفن کیا تو ہمیں یہ بات پسند نہ آئی کہ ہم آپ ﷺ کو جگائیں۔ سو آپ ﷺ کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صف بنائی پھر آپ ﷺ نے اس پر نماز پڑھی (بخاری شریف ص۱۷۸ ج۱)

اور مسلم شریف کی روایت میں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ بلاشبہ قبریں اہل قبور پر اندھیرے سے بھری ہوتی ہیں۔ اور بلاشبہ اللہ انہیں میری نماز کے سبب سے ان کے لئے روشن فرما دیتا ہے۔ (مسلم شریف ص۳۱۰ ج۱)

اور حضرت سہیل بن حنیف سے روایت ہے کہ مسکینہ نامی ایک عورت بیمار ہوئی تو رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کیلئے تشریف لائے اور گھر والوں سے باتیں دریافت کیں پھر فرمایا۔ جب یہ فوت ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا پھر جب رات کے وقت اس کا جنازہ نکلا تو انہوں نے آپ ﷺ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ صبح ہوئی تو انہوں نے آپ کو اس بارے میں خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں یہ حکم نہ دیا تھا کہ جب وہ فوت

ہو جائے تو مجھے اطلاع کرنا۔انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے رات کے وقت آپ ﷺ کو جگانا پسند نہ کیا۔سو آپ ﷺ نکلے یہاں تک کہ آپ ﷺ اسکی قبر کے پاس تشریف لائے اور لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے صف بنائی تو آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں۔(نسائی شریف ص ۲۷۰ ج ۱)

اور حضرت یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ جنت البقیع کی طرف نکلے۔ جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو آپ ﷺ نے ایک نئی قبر کے بارے میں دریافت فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا فلاں عورت کی قبر ہے۔فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی۔انہوں نے عرض کیا۔آپ ﷺ دوپہر کے وقت روزہ کی حالت میں قیلولہ کر رہے تھے اس لئے ہم نے آپ ﷺ کو اذیت دینا پسند نہ کیا۔فرمایا تم ایسا نہ کیا کرو جب تک میں تمہارے اندر موجود ہوں۔تم مجھے مرنے والے کے مرنے کی اطلاع ضرور دیا کرو کیونکہ میری دعا میت کے لئے رحمت ہوتی ہے۔ پھر آپ ﷺ اس قبر پر تشریف لے گئے اور ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صف بنائی تو آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں (ابن ماجہ ص ۱۱۰ ج ۱)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سیاہ فام انسان (مرد یا عورت) مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتا تھا وہ مر گیا تو رسول اللہ ﷺ کو اس کی موت کی خبر نہ دی گئی۔ایک دن نبی اکرم ﷺ نے اسے یاد کرتے ہوئے فرمایا فلاں انسان کو کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا۔یا رسول اللہ ﷺ وہ فوت ہو گیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی۔انہوں نے عرض کیا۔فلاں فلاں وجہ درپیش تھی اور انہوں نے کوئی قصہ ذکر کیا۔راوی کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس شخص کا معاملہ ہلکا جانتے ہوئے آپ ﷺ کو اس کی موت کی اطلاع نہ دی تھی۔آپ ﷺ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس پر نماز پڑھی (بخاری شریف ص ۱۷۸ ج ۱)

ان روایات صحیحہ معتبرہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام تجہیز و تکفین کے

بارے میں کتنی جلدی کیا کرتے تھے۔ قبر کی تیاری کے فوراً بعد نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفنا دیتے تھے۔ اور تو اور خود نبی اکرم ﷺ جنازہ کی تیاری کے وقت آرام فرما ہوتے تو آپ ﷺ کی بیداری اور شمولیت کا بھی انتظار نہ کیا جاتا تھا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ کی شرکت ودعا میت کی مغفرت کے لئے تیر بہدف ہوتی ہے۔ تجہیز وتدفین کی اس صورت حال میں دوسرے غسل کی ضرورت در پیش ہی نہ تھی۔ لہذا صحابہ کرام سے دوسرے غسل کی روایت کا نہ ملنا اسے ناجائز ثابت نہیں کرے گا۔ پھر سلف صالحین کے زمانے میں بھی تدفین میں اسی طرح کی جلدی کی جاتی تھی۔ اس وجہ سے اس وقت کے دستور کے پیش نظر فقہ حنفی کی کتب میں صرف ایک ہی غسل کا ذکر ملتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

دوسرا غسل ضرورت کی وجہ سے دیا جاتا ہے

جب زمانہ بدلا' سلف صالحین کا یہ دستور چھوٹا' دینی کاموں میں سستی وغفلت برتی جانے لگی' تجہیز وتدفین میں تاخیر کی جانے لگی' چھ چھ گھنٹے رونے دھونے میں ضائع ہونے لگے پھر کفن دفن کے مشوروں میں وقت صرف ہونے لگا قبر کی تیاری میں دیر کی جانے لگی دور دور کے رشتہ داروں کے پہنچنے اور میت کا منہ دیکھنے کا رواج ہونے لگا، اور بیس بائیس گھنٹوں تک میت کو گھر میں روکا جانے لگا۔ تو علمائے وقت نے حالات زمانہ کے پیش نظر میت کو دوسرا غسل دینے کا دستور نکالا کہ فقہ حنفی کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ تبدیلی زمانہ سے تبدیلی حکم شرع لازم آتی ہے۔ امام اعلی حضرت بریلوی قدس سرہ قول کی دو قسمیں قول صوری اور قول ضروری کی وضاحت کرنے کے بعد فرماتے ہیں وذلک لان استثناء الضرورات ودفع الحرج ومراعاة المصالح الدينية الخالية عن مضرة تربوا عليها ودراء المفاسد والاخذبالعرف والعمل بالتعامل كل ذلك قواعد كلية معلومة من الشرع ليس احد من الائمة الا مائلاالیها وقائلا بها ومعوّلا عليها فاذا كان في مسئلة نص للامام ثم حدث بعده تلك المغيرات علمنا قطعا ان لو حدث على عهده لكاٰن

قولہ علی مقتضاہ لا علی خلافہ وردہ۔ پھر اشباہ والنظائر سے نقل فرماتے ہیں۔ فھذہ کلھا قد تغیرت احکامھا لتغیر الزمان الخ ۔(اجلی الاعلام ص ۹ مطبوعہ استنبول)

الحمدللہ! امام اہل سنت کے اس ایک ہی ارشاد گرامی سے آج کل کے دور میں میت کے غسل کا حکم باحسن وجوہ ظاہر ہو گیا اور وہ یہ کہ سلف صالحین کے زمانے میں عدم ضرورت کی وجہ سے ناموجود تھا مگر آج حالات زمانہ کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب.

غسل ثانی کا پہلا فائدہ

غسل ثانی کا پہلا فائدہ تو یہ ہے کی میت کے جسم میں زیادہ نظافت وطہارت پیدا ہو جاتی ہے اور غسل اول کے بعد کفن پہنائے جانے سے پہلے اس کے جسم سے جو نجاست حقیقیہ نکلی ہوتی ہے۔ اس سے اس کا جسم یقیناً پاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کی نماز جنازہ کی ادائیگی یقیناً مبنی بر صحت و درستگی ہو جاتی ہے۔ اہل فہم پر روشن ہے کہ یہ جلیل فائدہ کوئی معمولی شئی نہیں جسے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائیگی۔ خدا مانعین کے دماغ درست فرمائے تاکہ وہ مسلمانوں کو فائدہ بخش کاموں سے روکنا چھوڑ دیں۔ آمین

غسل ثانی کا دوسرا فائدہ

غسل اول کے بعد میت کے جسم سے پلیدی نکلے تو اس صورت میں اختلاف آئمہ ہے۔ احناف کے نزدیک نہ دوسرا غسل فرض ہوتا ہے۔ اور نہ وضوء مگر امام شافعی کے نزدیک وضوء اور امام ابن سیریں اور حنبلی المذہب اصحاب کے نزدیک دوسرا غسل فرض ہو جاتا ہے۔ امام حدادیمنی جوہرہ نیرہ میں فرماتے ہیں۔ وقال ابن سیرین یعیدون غسلہ وقال الشافعی یعیدون وضوءہ. اگر میت کو نہلانے کے بعد اس کے جسم سے پلیدی خارج ہو تو امام ابن سیرین کا قول ہے کہ لوگ اس کا غسل دہرائیں اور امام

شافعی کا قول ہے کہ وضوء دہرائیں اور سیدی شیخ عبد القادر جیلانی حنبلی فرماتے ہیں۔
واقل ما یغسل المیت ثلاث مرات واکثره سبع مرات فاذالم ینق بثلاث زاد الی سبع ولا یقطع الا علی وتر ثلاث او خمس او سبع وان خرج منه شیء بعد ذلک اعید علیه الغسل الی سبع مرات الخ اور کم از کم میت کو تین بار غسل دینا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ سات بار پھر اگر وہ تین بار نہلانے سے پاک نہ ہوتو اسے سات بار غسل دیا جائے اور اگر غسل اول کے بعد اس کے جسم سے کوئی شے ء نکلے تو اس کو سات مرتبہ تک نہلایا جائے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۱۳۷ ج ۲)

اب جب کہ پہلے غسل کے بعد خروج نجاست کی صورت میں اعادہ غسل کی فرضیت میں اختلاف مجتہدین امت موجود ہے تو اس اختلاف سے نکلنے کیلئے دوسرا غسل احناف کے نزدیک بھی مستحب ہوگا تا کہ ادائیگی نماز جنازہ اتفاقی طہارت پر ہو۔ امام احمد طحطاوی حنفی فرماتے ہیں۔ وقد تقدم انه یستحب الوضوء للخروج من خلاف العلماء فان العبادة المتفق علیها خیر من العبادة المختلف فیها ۔اور یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ علماء کے اختلاف سے نکلنے کیلئے وضوء کرنا مستحب ہے۔ کیوں کہ اتفاقی عبادت اختلافی عبادت کی نسبت سے بہتر ہوتی ہے۔ (حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۵) یہاں مانعین کو غور کرنا چاہیے کہ دوسرے غسل میں جب اتنا بڑا فائدہ موجود اور وہ استحباب کے درجہ میں فائز تو پھر انہیں اس غسل سے روکنے کی جراءت کیوں ہو رہی ہے۔ اور بلا وجہ لوگوں میں اضطراب اور بے چینی کیوں ڈالتے ہیں۔ ہم مانعین سے صرف اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ میت کو دوسری بار نہلانے کی مخالفت میں ان کے پاس کون سی آیت یا حدیث یا فقہ کی عبارت موجود ہے۔ اگر اس قسم کی کوئی چیز ان کے پاس موجود ہے تو وہ اسے پیش کر کے منع کریں اور اگر ان کے پاس کوئی دلیل ممانعت ہی نہیں تو وہ کس بناء پر منع کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ کسی شاعر نے مانعین کی اس حالت کا نقشہ اپنے اس شعر میں کھینچا ہے

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا۔

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

غلبہء ظن یقین کے حکم میں ہوتا ہے

میت کو غسل اول کے بعد گھر میں بیس بیس گھنٹے رو کے رکھا جاتا ہے۔ اس سے غالب ظن یہی ہے کہ ضرور اس کے جسم سے پلیدی نکل آتی ہے۔ روح کے زوال سے قوت ماسکہ کا زوال لازمی امر ہے۔ اور غلبہء ظن یقین کا درجہ رکھتا ہے۔ تو آج کل کے حالات کے پیش نظر دوسرا غسل ضرور مستحب ہوگا۔

نجاست نہ نکلنے کی صورت میں بھی غسل ثانی ممنوع نہیں

بالفرض اگر غسل اول کے فوراً بعد تدفین کی تیاری ہو جائے اور میت اتنی دیر تک گھر میں نہ روکا جائے کہ اس مدت میں پلیدی کے خروج کا ظن غالب پیدا ہو جائے تو اس صورت نادرہ میں بھی غسل ثانی شرعاً ممنوع نہیں۔ کہ غسل پر غسل کو فقہائے کرام حنفیہ نے عبث قرار دیا ہے۔ ممنوع یا سبب گناہ نہیں قرار دیا چنانچہ امام حسن شرنبلالی فرماتے ہیں وقید بالوضوء لان الغسل والتیمم علی التیمم یکون عبثاً۔ مصنف نے وضوء کی قید اس لئے ذکر کی کہ غسل پر غسل اور تیمم پر تیمم عبث ہوتا ہے۔ (مراقی الفلاح ص ۴۶)

اور عبث کا مفہوم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں مروی ہے۔ مھملا بلا امر ونھی ولا ثواب ولا عقاب۔ عبث اس فضول کام کا نام ہے جس کے متعلق کوئی امر یا نہی وارد نہ ہوئی اور نہ اس میں ثواب ہو اور نہ عذاب۔ (تفسیر ابن عباس ص ۳۹۹)

الحمد للہ! یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے روز روشن سے زیادہ روشن ہو گیا کہ میت کو دوسری بار نہلانا کسی حالت میں بھی شرعاً ممنوع نہیں۔ مانعین کم فہم اپنی چودھراہٹ جمانے کیلئے مسلمانوں کو بلا وجہ اس سے روک رہے ہیں۔ اور عوام میں اضطراب و بےچینی پیدا کر رہے ہیں۔

مسلمانو۔ خبردار خبردار مانعین کی ان غلط فہمیوں سے بچو۔ اپنے اموات کی جتنی ستھرائی کر سکو شرع میں اس کا حکم ہے۔ مانعین کی بات مان کر گمراہ ہونے سے ڈرو۔

دکار ما نصیحت بود کردیم ۔

وهـذا آخـر مـا اردناایراده فی هذه المقالة النافعة تقبلهاالله تعالی بمنه العظیم ورسوله الکریم ﷺ وانا الفقیر ابو الکرم احمد حسین قاسم الـحیـدری الـرضـوی غـفر الله تعالی له خادم التدریس والا فتاء بالجامعة الحیدریة فضل المدارس سهنسه من مضافات آزاد کشمیر .

(۸ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکیسواں مقالہ

اوضح البیان لابناء ہذا الزمان

(جنازہ کو قدمی دینے کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ خالق السمٰوٰت والارضین والصلوٰۃ والسلام علی افضل الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

امابعد! ہمارے علاقہ میں قدیم سے جنازہ کو منزلیں دینے کا دستور ہے۔ اور منزلیں دینے کا طریقہ یہ ہے کہ راستے میں ہموار جگہ پر امام مسجد صاحب چارپائی کا دایاں سرہانہ اٹھالیتے ہیں۔ اور آیت کریمہ......

تولج اللیل فی النھار وتولج النھار فی اللیل وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی وترزق من تشآء بغیر حساب .. (آل عمران رکوع ۳) پڑھ کر متوسط آواز میں ''اللہ ربی محمد شفیعی والاسلام دینی'' پڑھتے ہیں۔ اور حاضرین بھی یہ کلمات درمیانی آواز میں باہم مل کر پڑھتے ہیں۔ اس اثناء میں جنازہ اٹھانے والے کندھا بدلتے ہیں۔ پھر دس قدم چل کر اسی طرح کیا جاتا ہے۔ چار مرتبہ چاروں طرف سے کندھا بدلوا کر چالیس قدم پورے کرتے ہیں۔ پھر جنازہ زمین پر رکھ کر مختصر دعائے مغفرت مانگی جاتی ہے۔ بعدازاں درمیانی رفتار میں جنازہ کو جنازہ گاہ تک لے جایا جاتا ہے۔ چاروں طرف سے دس دس قدم پر کندھا بدلنے کے اس عمل کو ہمارے عرف عام میں منزلیں دینا کہا جاتا ہے۔ چونکہ دس قدم پر کندھا بدلنے کے لئے رکنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے اس عمل کا نام منزلیں دینا پڑ گیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

منزلیں دینے کا یہ دستور آج تک بلانکیر رائج رہا ہے۔ مگر اس دور میں کچھ نافہم کم علم لوگ پیدا ہو گئے ہیں۔ جو اس عمل کو بدعت قرار دیتے ہیں اور عاملین سے جھگڑا مول لیتے ہیں اور خواہ مخواہ فتنہ وفساد کا سبب بنتے ہیں۔ حالانکہ منزلوں کے اس طریقہ کے بدعت سیئہ ہونے کی ان کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں۔ من گھڑت اعتراضات پر ان کا سارا دار ومدار ہے۔ (فالی اللہ المشتکی)

آج سے دو سال قبل محبی فی اللہ صوفی امیر زمان صاحب ساکن رپاڑی علاقہ ٹھارہ

ضلع میر پور آزاد کشمیر کی فرمائش پر ہم نے اس مسئلہ کے متعلق رسالہ ''الذکر الارفع فی حمل الجنازۃ بجوانبہا الاربع'' لکھ کر شائع کروایا۔ جس میں سولہ احادیث مبارکہ اور گیارہ فقہ حنفی کی معتبر کتب کی عبارات سے اس مسئلہ کو ثابت کیا۔ اسے منصف مزاج اہل علم حضرات نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا حتی کہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کے مسلک کے ترجمان ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ

نے ان الفاظ میں اس پر تبصرہ کیا۔

ذکر ارفع

یہ کتابچہ مولانا مفتی احمد حسین صاحب قاسم الحیدری کی تالیف ہے۔ چاروں طرف کندھا دینے کا حکم وثواب بیان کیا گیا ہے۔ صفحات ۱۶ ہدیہ ایک روپیہ ملنے کا پتہ مکتبہ حیدریہ بازار سہنسہ ضلع کوٹلی آزاد کشمیر۔ (ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ بابت ذوالقعدہ ۱۴۰۳ھ)

جب یہ رسالہ مخالفین کے پاس پہنچا تو وہ اسے پڑھ کر ہدایت حاصل کرنے کی بجائے آگ بگولہ ہوگئے۔ غیض وغضب سے جل بھن کر عوام الناس میں کہنا شروع کر دیا کہ یہ مسئلہ صحیح نہیں لکھا گیا ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ۔

ہم نے عقل و دانش کے ان دشمنوں کو بار بار کہا کہ اگر اس رسالہ میں کوئی بات غلط لکھی گئی ہے۔ تو آپ اس کا رد لکھ کر ہمیں دے دیں تا کہ ہم اس پر غور کریں مگر آج تک وہ ایسا نہ کر سکے، اور ان شاء اللہ العزیز تا حیات ان سے ایسا نہ ہو سکے گا۔

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

چونکہ ان لوگوں نے عوام الناس میں چند اعتراضات پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اس مسئلہ کو از سر نو مزید وضاحت سے لکھ کر مخالفین کے اعتراضات کی قلعی کھول دی جائے۔ تا کہ حق وصداقت کا بول بالا اور کذب و باطل کا منہ کالا ہو۔ بدیں وجہ ہم نے یہ رسالہ مختصر ''اوضح البیان لابناء ہذا الزمان'' لکھا ہے۔ اس سے مقصود کسی کی دل آزاری یا ذاتی انتقام لینا نہیں۔ بلکہ صرف اور صرف حق کو آشکارا کرنا

ہے۔ اللہ تعالیٰ مخالفین کی دماغی خرابی دور فرمائے تاکہ وہ حق کو قبول کرسکیں یا اپنے مؤقف کو بادلائل ثابت کرسکیں۔ آمین

منزلیں دینے کا مفہوم

تمہید میں ہم نے منزلوں کا مکمل مفہوم لکھ دیا ہے۔ ان سے اصل مقصود دس دس قدم سے چاروں طرف سے کندھا بدلنا ہے۔ آیت کریمہ اور کلمات مذکورہ کا پڑھنا اور دعاء مانگنا از قبیل مستحبات ہیں۔ اگر کوئی انہیں ترک کردے تو اسے ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔ مگر ان کا ترک مناسب نہیں۔

دس دس قدم پر کندھا بدلنا

مسلمان میت کے جنازہ کو چاروں طرف سے کندھا دینا سنت ہے۔ اسے چالیس قدم اٹھانے سے حامل کے چالیس کبیرہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اور اس کے ذمہ سے میت کے جملہ حقوق کی ادائیگی ہوجاتی ہے۔ اس بارہ میں ہم چند احادیث متبرکہ پیش کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **من اتبع جنازة فليحمل بجوانب السرير كلها فانه من السنة ثم ان شآء فليتطوع وان شآء فليدع**

جو شخص جنازہ کے ہمراہ چلے اسے چارپائی کی سب طرفوں کو کندھا دینا چاہئے کیونکہ یہ سنت سے ہے۔ پھر چاہے جنازہ اٹھائے رکھے یا اسے چھوڑ دے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۶۰)

(۲) امام محمد بن حسن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث ان لفظوں میں روایت کرتے ہیں: **ان من السنة حمل الجنازة بجوانب السرير الاربعة فما زدت على ذالک فهو نافلة** حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بلاشبہ جنازہ کو چاروں طرف سے اٹھانا سنت ہے۔ پھر اس پر جو زیادتی تو کرے گا وہ نفل ہے۔ **(كتاب الآثار ص ۷۸)**

(۳) امام فخرالدین زیلعی لکھتے ہیں: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ حمل جوانب السریر الاربعۃ'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ جنازہ کو چاروں طرف سے کندھا دیتے تھے۔ (الدرایۃ ج۱ص۲۸۲)

(۴) امام ملک العلماء کاشانی اس حدیث کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

وروی ان ابن عمر رضی اللہ عنہما کان یدور علی الجنازۃ من جوانبها الاربعة اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ وہ جنازہ کو چاروں طرف سے کندھا دینے کے لئے گھوما کرتے تھے۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۰۹)

(۵) محدث ابن ابی شیبۃ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

من تمام اجر الجنازة ان تشیعها من اهلها وان تحمل بارکانها الاربعة وان تحثو فی القبر جنازہ کا پورا اجر اس صورت میں ہے کہ تو گھر سے جنازہ کے ہمراہ جائے اور اس کے چاروں پایوں کو کندھا دے اور قبر میں مٹی ڈالے۔ (صحیح بیہاری ص۸۱۶)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

من حمل الجنازة بجوانبها الاربع فقد قضی الذی علیه جوشخص جنازہ کی چاروں طرفوں کو کندھا دے وہ اپنے ذمہ سے میت کے جملہ حقوق کی ادائیگی کردیتا ہے۔ (الدرایۃ ج۱ص۲۸۲)

(۷) امام ابوعیسیٰ ترمذی انہی سے روایت کرتے ہیں:

من اتبع جنازة وحملها ثلاث مرار فقد قضی ما علیه من حقها جوشخص جنازہ کے پیچھے چلے اور اسے تین بار کندھا دے وہ اپنے ذمہ سے میت کے جملہ حقوق کی ادائیگی کردیتا ہے۔ (مشکوٰۃ ج۱ص۱۳۲)

(۸) امام حداد الیمنی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من حمل جنازة بقوائمها الاربع غفر الله له مغفرة حتماً جو

جنازہ کو چاروں پایوں سے اٹھائے اس کی حتمی مغفرت اللہ تعالیٰ فرما دیتا ہے۔(جوہرہ نیرۃ ج۱ص۱۳۱)

(۹) حضرت واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں: من حمل بجوانب السریر الاربع غفر له اربعون کبیرۃ جو شخص جنازہ کو چاروں طرف سے کندھا دے اس کے چالیس کبیرہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔(صحیح بہاری ص۸۱۶)

(۱۰) امام زیلعی وغیرہ ائمہ احناف اس حدیث کو ان لفظوں میں نقل فرماتے ہیں:

من حمل جنازۃ اربعون خطوۃ کفرت اربعین کبیرۃ جو جنازہ کو چالیس قدم کندھا دے اس کے چالیس کبیرہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج۱ص۲۴۵)

وتلک عشرۃ کاملۃ

الحمد للہ! ان روایات متبرکہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان میت کے جنازہ کو چاروں طرف سے کندھا دینا سنت صحابہ ہے۔اور جو شخص جنازہ کو چالیس قدم کندھا دے اس کے چالیس کبیرہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔اور اس کے ذمہ سے میت کے جملہ حقوق کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔انہی فوائد کے حصول کے لئے منزلیں دی جاتی ہیں۔پھر منکرین یہی بتائیں کہ منزلیں نہ دینے میں کتنے فوائد ہیں جن کے حصول کے لئے وہ منزلیں چھڑوا رہے ہیں اور جھگڑے اٹھا رہے ہیں۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

منزلیں دینے کا طریقہ

ان روایات سے دو امر کا لحاظ ضروری ثابت ہوا:

(۱) چاروں طرف سے کندھا دینا۔ (۲) چالیس قدم تک جنازہ اٹھانا۔

ہمارے فقہائے حنفیہ نے کندھا دینے کا جو طریقہ بتایا اس سے یہ دونوں امر

بآسانی ادا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جنازہ کو چار مرد اٹھائیں اور وہ چالیس قدم چلیں اس طرح سے کہ جنازہ اٹھانے والا دائیں سرہانے سے ابتداء کرے اور اسے اپنے دائیں کندھے پر اٹھائے پھر اس کی دائیں پائنتی اپنے دائیں کندھے پر اٹھائے پھر اس کا بایاں سرہانہ اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے پھر اس کی بائیں پائنتی اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور اس عمل کو ختم کرے اس طرح ہر طرف سے دس دس قدم ہو جائیں گے۔ (مراقی الفلاح ص ۳۳۱)

اور امام محمد بن حسن فرماتے ہیں:

وبه ناخذ يبدأ الرجل فيضع يمين الميت المقدم على يمينه ثم يمين الميت المؤخر على يمينه ثم يعود الى المقدم الايسر فيضعه على يساره ثم ياتى المؤخر الايسر فيضعه على يساره وهذا قول ابى حنيفة

اور اسی کو ہم لیتے ہیں کہ پہلے آدمی میت کی اگلی دائیں طرف کو اپنے دائیں کندھے پر رکھے اور پھر اس کی پچھلی دائیں طرف کو اپنے دائیں کندھے پر رکھے پھر میت کی اگلی بائیں طرف کو آئے اور اسے اپنے بائیں کندھے پر رکھے۔ پھر اس کی پچھلی بائیں طرف کو آئے اور اسے اپنے بائیں کندھے پر رکھے۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (کتاب الاثار ص ۷۸)

فقہائے احناف جنہوں نے یہ طریقہ ذکر فرمایا

جنازہ کو کندھا دینے کا یہ طریقہ متعدد جلیل القدر فقہائے احناف نے اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا اور اس کے مسنون ہونے پر جزم کیا چیدہ چیدہ بزرگوں کے نام یہ ہیں:

(۱) امام محمد بن حسن شاگرد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ۔ (۲) کمال الدین بن الہمام (۳) اصحاب فتاویٰ عالمگیری۔ (۴) امام فخر الدین زیلعی۔ (۵) امام

بدرالدین عینی ۔ (۶)امام ملک العلماء کاشانی ۔(۷)امام صدر الشریعہ شارح الوقایہ۔(۸)امام قدوری۔ (۹)امام حدادالیمنی ۔(۱۰) امام علاء الدین حصکفی (۱۱)امام محمد بن عبداللہ غزی۔ (۱۲)امام ابن عابدین شامی۔(۱۳) امام ابوالبرکات نسفی ۔(۱۴)امام حسن شرنبلالی۔(۱۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔(۱۶)مولانا امجد علی اعظمی .... رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

امام مسجد صاحب کا پایہ اٹھانا

اولاً ہر مسلمان کے حق میں جنازہ اٹھانا عبادت ہے۔امام حدادیمنی لکھتے ہیں جنازہ اٹھانا عبادت ہے۔لہذا ہر شخص کو اس عبادت میں مبادرت کرنی چاہیے کیونکہ سید المرسلین ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کے جنازہ کو اٹھایا۔(جوہرہ نیرہ ج۱ص۱۳۱)

جب ہر شخص کے حق میں جنازہ اٹھانا عبادت ہے۔تو امام صاحب کے اٹھانے پر کیسے اعتراض ہوسکتا ہے۔ثانیاً امام مسجد صاحب پایہ اٹھا کر کندھا بدلواتے ہیں۔اور یہ معاونت علی الخیر ہوئی اور معاونت علی الخیر پر جاہل اجہل کے سوا کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔

امام مسجد صاحب کا آیت کریمہ پڑھنا

امام مسجد صاحب مذکورہ بالا آیت کریمہ پڑھتے ہیں یہ اس موقع کی مناسبت سے ہے۔قرآن پڑھنا ہروقت مستحب ہےتو یہاں کیوں کر مستحب نہ ہوگا۔

حاضرین کا کلمات خیر پڑھنا

امام مسجد اور حاضرین کا باہم مل کر بآواز متوسط اللہ ربی محمد شفیعی والاسلام دینی پڑھنا میت کی تلقین کے لئے ہوتا ہے۔اور تلقین میت مستحب ہے۔لقولہ ﷺ لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ رواہ مسلم وصحح السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

میت کے لئے دعاء

چارپائی زمین پر رکھ کر میت کے لئے مختصراً دعاء مانگنا بھی شرعاً جائز ہے۔ کیونکہ دعاء مانگنا ہر وقت مستحب ہے۔

منزلوں کی ہیت کذائیہ

الحمد للہ! یہاں تک جو کچھ مذکور ہوا اس سے منزلوں کے ضمن میں پائے جانے والے ہر کام کی انفرادی طور پر مشروعیت ثابت ہوئی پھر ان کے باہم ملنے سے جو ہیت کذائیہ پیدا ہوتی ہے اسے جائز ہی ماننا پڑے گا کہ چند جائز امور کو ملا کر ادا کرنا انہیں ناجائز نہیں کر دیتا جیسا کہ اس زمانے میں مروج عرس شریف بایں ہیت کذائیہ سلف صالحین کے ادوار میں پایا نہیں گیا مگر معترضین بھی اسے جائز مانتے اور ذریعہء حصول برکات سمجھتے ہیں۔ بدیں وجہ وہ اپنے بزرگوں کے عرسوں میں بڑے اہتمام سے شریک ہوتے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک عرس شریف جائز ہے۔ تو منزلیں کیونکر بدعت وممنوع ہوگئیں۔ ''واللہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم''

الحمد للہ! یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے منزلوں کا جواز واستحسان اپنے ذروۂ کمال کو پہنچا اب ہم معترضین کے شکوک کے ازالہ کے لئے ان کے پیش کردہ اعتراضات کا جواب عرض کرتے ہیں۔ باللہ التوفیق

اعتراض نمبر ۱

کندھا بدلنا تو جائز ہے۔ لیکن اہتمام سے کندھا بدلوانا اور جگہ جگہ رکنا درست نہیں۔ چلتے چلتے کندھا بدلنا چاہئے؟

جواب

مقصود صرف چاروں طرف سے کندھا بدلنا نہیں بلکہ دس دس قدم پر فقہائے احناف کی ذکر کی ہوئی ترتیب کے مطابق کندھا بدلنا مقصود ہے۔ اس لئے لامحالہ کندھا بدلنے کے

لئے دس دس قدم پر رکنا پڑے گا اور ترتیب کے مطابق کندھا بدلنا پڑے گا۔ کندھا بدلوانے کے لئے مددگار کی بھی ضرورت ہوگی۔ لہذا رک کر پورے اطمینان سے منزلیں دی جائیں گی۔ جلد بازی کی کوئی ضرورت نہیں۔

اعتراض نمبر۲

منزلیں دیتے وقت رکنا پڑتا ہے اور جنازہ کو جنازہ گاہ کی طرف لے جانے میں دیر لگتی ہے۔ حالانکہ اسے جلدی لے جانے کا حکم ہے۔؟

جواب

جنازہ کو درمیانی رفتار میں قبرستان کی طرف لے جانا مستحب ہے۔ امام کاشانی فرماتے ہیں **والاسراع بالجنازة افضل من الابطاء لكن ينبغي ان يكون الاسراع دون الخبب** اور جنازہ کو جلدی لے جانا اسے آہستہ لے جانے کی نسبت سے افضل ہے۔ لیکن چاہیے کہ درمیانی چال ہو۔ (بدائع الصنائع ج ا ص ۳۰۹)

اور امام حسن شرنبلالی فرماتے ہیں:

ويستحب الاسراع بها لقوله ﷺ اسرعوا بالجنازة اى مادون الخبب

اور جنازہ کو جلدی لے چلنا مستحب ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جنازہ میں جلدی کرو یعنی درمیانی چال میں اسے لے چلو۔ (مراقی الفلاح)

اور منزلیں دینا یعنی دس دس قدم پر ترتیب مذکور کے مطابق چاروں طرف سے کندھا بدلنا سنت ہے۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں مفصل گزرا۔ پس اگر سنت کی ادائیگی سے مستحب کا بعض حصہ ترک ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ منکرین و معترضین کو خدا ہدایت نصیب کرے جو مستحب کے چھوٹ جانے کو تو گوارا نہیں کرتے۔ مگر سنت کے ترک کا انہیں کوئی ڈر نہیں۔ خدا ایسے سنیوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

اعتراض نمبر۳

کندھا بدلنا اور ہے اور منزلیں دینا اور۔ لہذا اول الذکر کتابوں میں آتا ہے۔ مگر مؤخر الذکر کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لہذا وہ بدعت ہے۔

جواب

کندھا بدلنے کا ہی دوسرا نام منزلیں دینا ہے۔ یہ دونوں متغائر نہیں مترادف ہیں۔ انہیں متغائر سمجھنا معترضین کے عقل کا بگاڑ ہے۔ ہم نے اپنے رسالہ میں لکھا مسلمان میت کے جنازہ کو منزلیں دینا اور دس دس قدم پر کندھا بدلنا نہ صرف جائز بلکہ مسنون ہے۔ اس سے معترضین کو مغالطہ ہوا حالانکہ یہاں حرف عطف مغائرت کے لئے نہیں بلکہ تفسیر کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے رسالہ کا نام الذکر الارفع فی حمل الجنازۃ بجوانبہا الاربع رکھا۔ اگر معترضین ہمارے رسالہ کے اس نام پر غور کرتے تو انہیں مغالطہ نہ ہوتا مگر وہ غور کرنے کی صلاحیت کب رکھتے ہیں۔

اعتراض نمبر۴

آپ نے منزلیں نہ دینے والے کو وہابی کہا ہے۔ لہذا ہم آپ کے نزدیک وہابی ہیں؟

جواب: منزلیں نہ دینے والے کو ہم نے وہابی نہیں کہا بلکہ منزلوں کو بدعت سمجھنے والے کو منکر حدیث وفقہ یا جاہل اجہل یا بدمذہب وہابی کہا ہے۔ آپ اگر منزلوں کو بدعت سمجھتے ہیں تو فتویٰ آپ پر بھی ہے اور اگر سنت سمجھ کر عملاً تارک ہیں تو تارک سنت ہیں۔ ہر بات کو کھینچ تان کر اپنے اوپر لے آنا عقل مندوں کا کام نہیں ہوتا۔

اعتراض نمبر۵

منزلیں زیادہ سے زیادہ مباح ہوسکتی ہیں لہذا ان کے تارک پر مذمت درست نہیں

جواب: منزلیں دینا زیادہ سے زیادہ مباح نہیں بلکہ فقہائے احناف کی

تصریحات کے مطابق سنت ہیں اور تارک سنت پر مذمت کی جائے گی۔

آخری گذارش

سنی مسلمان بھائیو! منزلوں کے مسئلہ کی وضاحت میں اور معترضین کے اعتراضات کے جواب میں ہم نے اختصاراً یہ بیان لکھ دیا ہے۔ آپ قدیم بزرگان دین کے بتائے ہوئے کاموں کو ہرگز ہرگز ترک نہ کریں اسی میں آپ کے دین وایمان کی سلامتی ہے۔ نئے نئے مولوی آپ کو صراط مستقیم سے ہٹا دینگے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وهذا آخر ما اردنا ايراده فى هذه المقالة المباركة تقبلها الله تعالىٰ بمنه العظيم ونبيه الكريم ﷺ وانا الفقير ابوالكرم احمد حسين قاسم الحيدرى الرضوى خادم التدريس بالجامعة الحيدرية فضل المدارس سهنسه آزاد كشمير

(۲۲ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بائیسواں مقالہ

الکلمة الممتازة

فی بیان کیفیة سلام الجنازة

(نماز جنازہ کا سلام ہاتھ کھول کر پھیرنے کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین . اما بعد!

اکثر دیکھا گیا ہے کہ مسلمان نماز جنازہ کا سلام ہاتھ باندھے ہوئے پھیرتے ہیں۔ بلکہ اکثر مولوی حضرات کو بھی اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ لہذا اس مسئلہ کی وضاحت اس مختصر مقالہ ''الکلمۃ الممتازۃ فی بیان کیفیۃ سلام الجنازۃ'' میں لکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

اعلیٰ حضرت کا ایک فتویٰ

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں سلام ہاتھ چھوڑنے کے بعد پھیرنا چاہئے یا قبل ہاتھ چھوڑنے کے؟ افضل کیا ہے؟

الجواب

ہاتھ باندھنا سنت اس قیام کی ہے جس کے لئے قرار ہو کما فی الدر المختار من الاسفار۔ سلام وقت خروج ہے۔ اس وقت ہاتھ باندھنے کی طرف کوئی داعی نہیں تو ظاہر یہی ہے کہ تکبیر چہارم کے بعد ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔ واللہ اعلم . (فتاویٰ رضویہ باب الجنائز جلد چہارم)

صاحب بہار شریعت کا ارشاد

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے مذکورہ بالا فتویٰ کی بناء پر ان کے خلیفہء اکبر حضرت مولانا صدر الشریعہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

مسئلہ: چوتھی تکبیر کے بعد بغیر کوئی دعا پڑھے ہاتھ (۱) کھول کر سلام پھیر دے سلام میں میت اور فرشتوں اور حاضرین نماز کی نیت کرے۔ اسی طرح جیسے اور نمازوں کی سلام میں نیت کی جاتی ہے۔ یہاں اتنی بات زیادہ ہے کہ میت کی بھی نیت کرے۔ (درمختار ردالمحتار وغیرہما، بہار شریعت ص۱۵۴ ج ۴)

اعلیٰ حضرت کی تائید

چونکہ بہار شریعت کا حصہ چہارم تالیف ہو کر اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ پر پیش کیا گیا اور آپ نے اس پر ان لفظوں میں تقریظ لکھی۔ ''فقیر غفرلہ المولی القدیر نے یہ مبارک رسالہ بہار شریعت حصہ چہارم تصنیف لطیف **اخی فی اللہ ذی المجد والجاہ والطبع السلیم والفکر القویم والفضل والعلی مولانا ابو العلیٰ مولوی حکیم امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالمذہب والمشرب والسکنی رزقہ اللہ تعالیٰ فی الدارین الحسنی** مطالعہ کیا الحمد للہ مسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا'' (بہار شریعت حصہ چہارم ص۱۷۹)

اس لئے اس حصہ کے اس مسئلہ کی تائید بھی اعلیٰ حضرت کی اس تقریظ شریف سے ہوئی ولہذا ہاتھ کھول کر جنازہ کا سلام پھیرنا صحیح رجیح محقق منقح مسئلہ ہے۔ اس پر عمل کی ضرورت ہے۔

---

(۱) (''قولہ ہاتھ چھوڑ دیا جائے) اس عبارت میں ہاتھ کا لفظ مفرد لایا گیا ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ہاتھ سے مراد دایاں ہاتھ ہو اور دوسرا یہ کہ ہاتھ کا لفظ یہاں جنس کے بیان کے لئے ہو تو مراد دونوں ہاتھوں کو لٹکانا ہو واللہ اعلم بالصواب وسیاتی بیانہ قریبا ان شاء اللہ تعالیٰ)

بہار شریعت کے اس مسئلہ پر ایک اشکال کا جواب

جب بہار شریعت کا حصہ چہارم شائع ہو کر علماء اہل سنت کے ہاتھوں میں پہنچا تو بنارس سے مولوی محمد ابراہیم صاحب نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں لکھا بہار شریعت حصہ چہارم میں لکھا ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول کر سلام پھیرے۔ (درمختار ورد المحتار وغیرہما)

حالانکہ ان کتابوں میں ہاتھ کھولنے کا ذکر نہیں سخت اضطراب ہے رفع فرمایئے:

اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے لکھا جس روز آپ کا سوال آیا حسن اتفاق سے اس کے دوسرے دن بریلی سے مولوی امجد علی صاحب میرے ملنے کے لئے یہاں آئے۔ میں نے ان سے پوچھا انہوں نے فرمایا یہ مسئلہ طویل متعدد مسائل پر مشتمل ہے۔ اور اس کے آخر میں میں نے درمختار رد المحتار وغیرہما لکھا ہے۔ وغیرہما سے یہاں میری مراد فتاویٰ رضویہ ہے۔ وہاں جو کچھ مذکور ہے۔ اس کا بعض حصہ درمختار سے لیا گیا ہے۔ اور بعض رد المحتار سے اور یہ مسئلہ فتاویٰ رضویہ سے''

پھر اس مسئلہ کی وضاحت میں اعلیٰ حضرت نے لکھا:۔''ظاہر ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد نہ قیام ذی قرار ہے۔ اور نہ اس میں کوئی ذکر مسنون تو ہاتھ باندھے رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تکبیر رابع کے بعد خروج عن الصلوٰۃ کا وقت ہے۔ اور خروج کے لئے اعتماد کسی مذہب میں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۸۴)

بہار شریعت کے دوسرے مقام پر بھی اس مسئلہ کا بیان موجود ہے

مولانا صدر الشریعہ امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بہار شریعت کے حصہ سوم میں بھی ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

مسئلہ: جس قیام میں ذکر مسنون ہو اس میں ہاتھ باندھنا سنت ہے تو ثناء اور دعائے قنوت پڑھتے وقت اور جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد چوتھی تکبیر تک ہاتھ باندھے اور رکوع سے کھڑے ہونے اور تکبیرات عیدین میں ہاتھ نہ باندھے''۔ (بہار شریعت ص ۷۸ ج ۳)

عام نمازوں کا سلام کھلے ہاتھوں کے ساتھ پھیرا جاتا ہے

عام نمازوں کا سلام تشہد اور درود شریف اور دعا پڑھنے کے بعد اس حال میں پھیرا جاتا ہے کہ دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے ہوتے ہیں۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ جنازہ کا سلام پھیرتے وقت بھی ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہونے چاہئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مفتی نور اللہ صاحب کا ایک فتویٰ

استفتاء: آیا کہ جب نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے تو جب امام سلام کہتا ہے اور دائیں طرف منہ پھیرتا ہے۔ اس وقت دائیں ہاتھ کو چھوڑ دینا چاہئے اور جب بائیں طرف سلام کہتا ہے تو بائیں ہاتھ کو چھوڑ دینا چاہئے یا کہ دونوں طرف سلام کہہ کر ہاتھ چھوڑے جائیں؟ (واللہ تعالیٰ اعلم)

الجواب

نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر تک ہاتھ باندھے جائیں بعد ازاں دونوں ہاتھ چھوڑ دے اور پھر دونوں سلام کہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲۵ ج ۱ میں ہے:

فالصحیح انہ یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین ھکذا فی الذخیرۃ .

یعنی صحیح یہ ہے کہ جنازہ کی نماز پڑھنے والا دونوں ہاتھ کھول (۱) دے پھر دونوں سلام کہے اس طرح ذخیرہ میں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ

(فتاویٰ نوریہ ج ۱ ص ۱۸۰)

تنبیہ: اس فتویٰ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ ذخیرۃ الفتاویٰ وغیرہ کتب فقہ حنفی میں تصریح کے ساتھ مذکور ہے والحمدللہ علی ذالک۔

حاصل کردہ فتاویٰ مبارکہ

راقم الحروف فقیر حیدری رضوی نے اس مسئلہ کے متعلق ایک استفتاء علمائے اہل سنت کی خدمت میں بھیجا انہوں نے بہار شریعت کے مسئلہ کے مطابق جواب لکھا چنانچہ وہ فتاویٰ مبارکہ بھی یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ نماز جنازہ کا سلام ہاتھ باندھے ہوئے پھیرنا چاہئے یا ہاتھ کھول کر اور اگر دونوں ہاتھ کھول کر پھیرنا چاہئے تو بیک وقت دونوں ہاتھ کھول دینے چاہیں یا یکے بعد دیگرے۔ جو مسنون طریقہ ہو وہ مدلل

---

(۱) ہاتھ کھولنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بیک وقت دونوں ہاتھ کھول کر لٹکا دیئے جائیں اور دوسری صورت یہ کہ پہلے سلام سے پہلے دایاں ہاتھ لٹکایا جائے اور دوسرے سلام سے پہلے دوسرا ہاتھ لٹکایا جائے۔ یہ دونوں قول علماء کے ہیں۔ ہاں خلاصہ الفتاویٰ میں پہلے قول کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

مفصل لکھ کر عنداللہ تعالیٰ ماجور ہوں۔ (السائل فقیر ابوالکرم احمد حسین قاسم الحیدری)

جامعہ نعیمیہ لاہور کا جواب

الجواب ہوالموفق للصواب: چوتھی تکبیر کے بعد بغیر کوئی دعا پڑھے ہاتھ کھول کر سلام پھیرے۔ (درمختار ردالمحتار وغیرہما...... بہار شریعت ص۱۲۴ ج ۴)

ہاتھ باندھنا قراءت مسنونہ کی سنت ہے اور چوتھی تکبیر کے بعد چونکہ کوئی قراءت مسنونہ نہیں ہے اس لئے چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول دے اور سلام پھیرے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (محمد عبدالعلیم جامعہ نعیمیہ لاہور نمبر ۵ مہر دارالافتاء)

جامعہ نظامیہ لاہور کا جواب

الجواب ہوالموفق للصواب: ہاتھ باندھنا سنت اس قیام کی ہے جس کے لئے قرار ہو، کمافی الدرالمختار وغیرہ من الاسفار۔ سلام وقت خروج ہے۔ اس وقت ہاتھ باندھنے کی طرف کوئی داعی نہیں تو ظاہر یہی ہے کہ تکبیر چہارم کے بعد ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ ص۸۲ ج ۴) فقط واللہ اعلم بالصواب المجیب عبداللطیف عفی عنہ مدرس ومفتی جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔ ۸۵/۳/۲۰ مہر دارالافتاء

دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد کا جواب

الجواب وہوالموفق للصواب: چوتھی تکبیر کے بعد بغیر کوئی دعا پڑھے ہاتھ کھول کر سلام پھیر دے دونوں ہاتھ کھولے۔ سلام میں میت اور فرشتوں اور حاضرین نماز کی نیت کرے اور میت کی بھی نیت کرے۔ (درمختار ردالمحتار وغیرہما)

واللہ اعلم مفتی عبدالحفیظ قادری دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد

۲۱ رجب المرجب ۱۴۰۵ھ مہر دارالافتاء

ہاتھ کھولنے کی کیفیت

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ سلام کے وقت ہاتھ کھول دینا چاہئے اب اس کھولنے کی کیفیت کے متعلق عرض کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق

حضرت امیر حزب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

راقم الحروف نے ایک مرتبہ عرس شریف کے موقع پر آستانہ عالیہ جلال پور شریف ضلع جہلم میں حاضری دی۔ ایک جنازہ پیش ہوا یہ جنازہ حضرت قبلہ امیر حزب اللہ سید برکات احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا آپ نے پہلے دایاں ہاتھ چھوڑ کر دائیں جانب سلام پھیرا پھر بایاں ہاتھ چھوڑ کر بائیں جانب سلام پھیرا۔

حضرت پیر اولیاء بادشاہ فاروق دامت برکاتہم کا عمل

حضرت پیر اولیاء بادشاہ فاروق سجادہ نشیں دربار عالیہ موہڑہ شریف نے موضع گلجور تحصیل سہنسہ میں چوہدری جمال دین صاحب کے جنازہ کی نماز پڑھائی تو آپ نے بھی پہلے سلام کے ساتھ دایاں ہاتھ اور دوسرے سلام کے ساتھ بایاں ہاتھ کھولا تھا۔

راقم الحروف کا معمول

مشائخ عظام کے مذکورہ بالا عمل شریف کے مطابق راقم الحروف کا بھی عمل یہی ہے کہ پہلے سلام سے پہلے دایاں ہاتھ اور دوسرے سلام سے پہلے بایاں ہاتھ کھول دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔

ہاتھ باندھے ہوئے سلام پھیرنا بے دلیل ہے

الحمد للہ یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے روز روشن کی طرح روشن ہوا کہ سلام

جنازہ ہاتھ کھول کر پھیرنا چاہئے ولہذا جو مولوی حضرات ہاتھ باندھے ہوئے سلام پھیرتے ہیں۔ان کا یہ عمل بے دلیل ہونے کی وجہ سے نا قابل تقلید ہے۔ ، اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق بخشے۔(آمین)

حررہ احقر العباد الفقیر ابو الکرم احمد حسین قاسم الحیدری الرضوی غفر اللہ تعالیٰ لہ المدرس وخادم الافتاء بالجامعة الحیدریة فضل المدارس بھیائی سھنسہ من مضافات آزاد کشمیر

(۲۹/ رمضان ۱۴۱۰ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیئسواں مقالہ

دعائے جنازہ پر چند شکوک کا ازالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین . اما بعد محبی فی اللہ تعالی .

حضرت مخدوم اہل سنت مولانا محمد بشیر مصطفوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ مہتمم جامعہ محمدیہ نظامیہ سی۔ ٹو میر پور آزاد کشمیر نے ایک تحریر فقیر راقم الحروف کو بھیجی اور اس بارہ میں رد تحریر کرنے کا حکم دیا تو اس حکم کی تعمیل میں یہ مقالہ ''دعا بعد از نماز جنازہ پر چند شکوک کا ازالہ'' لکھنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے۔ اللہ تعالی اسے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین۔

مولانا صاحب کی مرسلہ تحریر

جناب پروفیسر صاحب! السلام علیکم۔ کل جناب مولانا فخر الدین صاحب مرحوم کی نماز جنازہ سے قبل مولوی بشیر صاحب نے دعا بعد از نماز جنازہ کے ثبوت میں ایک حدیث بیان کی تھی۔ آپ بھی وہاں موجود تھے۔ اس حدیث پر آپ کے تبصرے کا شدت سے انتظار ہے۔ جواب کے لیے یہی صفحہ حاضر ہے۔ آج ہی تبصرہ کریں۔

جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم .

میر پور۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ۹۳۔ ۸۔ ۲۵۔

راقم وہاں موجود تھا۔ مولوی صاحب نے جس حدیث مبارکہ کا حوالہ دیا تھا وہ مشکوۃ جلد اول میں موجود ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعآء ۔ (ابوداؤد وابن ماجہ حدیث نمبر ۱۵۸۴)

حرف اذا شرط ہے۔ جس نے حدیث کو دو جملوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلا جملہ میت پر ختم ہوتا ہے۔ عربی قواعد کے مطابق اسے جملہ شرطیہ یا صرف شرط کہا جاتا ہے۔ جبکہ آگے والا جملہ جواب یا جزا کہلاتا ہے۔ جملہ شرطیہ میں فعل ماضی ہے۔ جس پر جب اذا

داخل ہوگا تو مستقبل کے معنی دے گا پس حدیث کا سیدھا سا ترجمہ یہ ہے کہ: جب تم میت کی نماز پڑھو تو خلوص دل سے اس کے لئے دعا کرو یعنی نماز میں ۔ جبکہ مولوی صاحب نے ترجمہ کیا کہ جب تم میت کی نماز پڑھ چکو تو پھر خلوص دل سے اس کے لیے دعا کرو ۔ معنی میں زمان اور مکان اور زمین اور آسمان کا فرق ہے ۔ مولوی صاحب نے اگر اپنے مسلک کو تقویت دینے کے لیے اس حدیث کا غلط ترجمہ کیا تو فرمان رسول ﷺ میں تحریف کے مرتکب ہوئے ۔ آپ پر جھوٹ بولا ۔ ایسے شخص کے لیے آپ کا ارشاد ہے کہ جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے ۔ (متفق علیہ) دنیا میں اس کے سوا کوئی ایسی حدیث نہیں جسے تمام عشرہ مبشرہ کے علاوہ سو سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہو (ملاحظہ ہو موضوعات کبیر ملا علی قاری حنفی بحوالہ امام ابن الجوزی ۔ ابو بکر ابن احمد اور حافظ سیوطی)

لہذا لازم ہے کہ مولوی صاحب اللہ تعالی کے حضور توبہ کے ذریعے سے رجوع کریں کتنا اچھا ہوتا کہ موصوف اس حدیث کا ترجمہ ہی دیکھ لیتے ۔ صحیح صورت حال یہ ہے کہ دعا بعد از نماز جنازہ احادیث و کتب فقہ سے ثابت ہی نہیں ہے ۔ یہ ایک بدعت ہے ۔ جو گمراہی اور رافع سنت ہے ۔ جس آدمی میں سنت کی محبت ہوگی وہ ان بدعات سے دور بھاگے گا ۔ میری دعا ہے ۔ اللہ تعالی امت مسلمہ کو بدعات کے اندھیروں سے نجات دلائے ۔ آمین ۔ اب نماز جنازہ کا طریقہ ملاحظہ ہو فقہ حنفی کی سب سے بڑی اتھارٹی ہدایہ میں ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد اللہ تعالی کی حمد کرے ۔ دوسری پر درود پڑھے تیسری پر اپنے لئے ۔ میت کے لیے اور مسلمانوں کے لئے دعا کرے ۔ پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے ۔ (باب فی الجنائز) یہی عبارت مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے ۔

(۱) شرح وقایہ (باب جنازہ) (۲) کتاب الآثار از امام محمد (شاگرد خاص امام ابو حنیفہ) اثر نمبر ۲۳۳ (۳) رد المختار جلد اول ص ۴۱۱ اردو ترجمہ ۔ (۴) عین الہدایہ ص ۷۱۱ اردو ترجمہ (۵) در المختار جلد اول ص ۵۸۵ (۶) کتاب المبسوط عربی جلد

۲،ص ۱۲۵ (۷) بحر الرائق شرح کنز الدقائق عربی جلد۲ص ۱۹۷ (۸) فتح القدیر عربی جلد۲ ص ۱۱۶ (۹) مبسوط از امام محمد (باب الجنائز) (۱۰) حجۃ اللہ البالغۃ۔شاہ ولی اللہ جلد۲ص ۱۲۳ (۱۱) احیائے علوم امام غزالی جلد اول ص ۲۵۹ (۱۲) مجالس الابرار از شیخ احمد رومی حنفی باب الجنائز (۱۳) بہار شریعت (بریلوی حضرات کے لیے اتھارٹی) ص ۱۳۵ (۱۴) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول ص ۸۳۲ (۱۵) غنیۃ الطالبین از شیخ عبد القادر جیلانی باب جنازہ (۱۶) قدوری باب صلوۃ الجنازہ (۱۷) کتاب العدہ شرح العمدۃ ص ۱۱۸ (۱۸) جملہ کتب احادیث مثلاً بخاری مع شرح فتح الباری۔عمدۃ القاری۔فیض الباری) مسلم۔ابوداؤد۔ترمذی،نسائی۔ابن ماجہ۔موطا اور مسند احمد۔(۱۹) مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ساتھ یہ عبارت درج ہے۔ ولا یدعو للمیت بعد صلوۃ الجنازۃ الخ۔یعنی نماز کے بعد دعا نہ مانگیں جبکہ محیط کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ ایضاً (۲۰) اور کبیری میں بحوالہ السراجیہ ہے۔اذا فرغ من الصلوۃ لا یقوم بالدعاء۔اور شرح وقایہ میں بھی وہی عبارت موجود ہے۔جو مرقاۃ میں ہے۔(۲۱) اور اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ حدیث بالا از عبدالحق محدث دہلوی۔(۲۲) بلوغ المرام از علامہ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری اور بے شمار حوالہ جات بوجہ قلت جگہ درج نہیں کر رہا ہوں۔قاضی صاحب مجھے افسوس ہے کہ یہ ملاں لوگ گمراہی کی اشاعت پر کمر بستہ ہیں۔آپ مولوی بشیر صاحب سے دریافت کریں کہ کیا کتب بالا میں سے کسی کتاب میں آپکو نماز جنازہ کے بعد دعا کہیں نظر آرہی ہے؟ کیا حوالہ نمبر ۱۹ میں درج کتب میں ممانعت نہیں ہے؟۔اور انہی کتب میں سے مسبوق کے حکم پر بھی آپ کی نگاہ نہیں پڑی جس میں نماز جنازہ کے بعد مسبوق اپنی تکبیرات ختم کر کے سلام پھیر دے گا؟۔اھ بلفظہ التمام۔

الجواب بتوفیق اللہ الوھاب عزوجل

پروفیسر صاحب کا بیان کردہ مذکورہ بالا قاعدہ قاعدۂ کلیہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ اکثریہ اغلبیہ ہے۔ مولانا عبدالرحمان جامی شرح کافیہ میں لکھتے ہیں ۔ ومنها اذا زمانية كانت او مكانية وهي اذا كانت زمانية للزمان المستقبل وان كانت داخلة على الماضي وقد استعملت في الماضي كما في قوله تعالى حتى اذا بلغ بين السدين وحتّٰى اذا ساوى بين الصدفين حتى اذا جعله نارا ۔ اور ظروف مبنیہ میں سے ایک اذا بھی ہے خواہ زمانیہ ہو یا مکانیہ اور جب وہ زمانیہ ہو تو فعل مستقبل کے لیے ہوگا اگرچہ ماضی پر داخل ہو اور کبھی فعل ماضی کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ان تین ارشادات میں ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے بیچ پہنچا اور یہاں تک کہ جب وہ دیوار دونوں پہاڑوں کے کناروں کے برابر کردی گئی اور یہاں تک کہ جب اسے آگ بنادیا۔ (شرح جامی ص ۲۴)

احادیث مبارکہ سے چند مثالیں

چونکہ پروفیسر صاحب بھی مانتے ہیں کہ اذا مستقبل کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں ایسی مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں جن میں اذا مستقبل کے معنی میں آیا ہو۔ ہاں چونکہ وہ اس بات کے منکر ہیں کہ اذا ماضی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ لہذا قرآن وحدیث سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ تاکہ ان کی غلط فہمی کی وضاحت ہو جائے۔ وباللہ التوفیق ۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ (۱) فاذا طعمتم فانتشروا ۔ پھر جب تم کھانا کھا چکو تو بکھر جاؤ۔ ظاہر ہے کہ کھانا کھا لینے کے بعد ہی بکھرا جاتا ہے۔ نہ کہ کھانے کے دوران۔ (۲) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ اذا جاء کم المزائر فاکرموہ : جب مہمان تمہارے پاس پہنچ چکے تو تم اس کی عزت کرو۔ ظاہر ہے کہ مہمان کے پہنچ جانے کے

بعد ہی میزبان اس کی عزت کرے گا (۳) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذا رءایتم الحریق فکبروا ۔ جب تم لگی ہوئی آگ دیکھ لو تو تکبیر پڑھو۔ ظاہر ہے کہ لگی ہوئی آگ کو دیکھنے کے بعد ہی دیکھنے والا تکبیر پڑھے گا ۔ (۴) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :اذا سمیتم محمدا فلا تضربوہ: جب تم کسی بچے کا نام محمد رکھ چکو تو پھر اسے نہ مارو۔ ظاہر ہے کہ نہ مارنے کا یہ حکم نام رکھ لینے کے بعد ہی ہے۔ (۵) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذا شربتم اللبن فتمضمضوا منہ ۔ جب تم دودھ پی چکو تو کلی کرو۔ ظاہر ہے کہ یہاں کلی کا حکم اس وقت ہے۔ جب کوئی شخص دودھ پی چکا ہو (کلھا من الجامع الصغیر للسیوطی)۔

بہر حال قرآن وسنت سے بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ اذا ماضی پر آئے تو فعل مستقبل ہی کا معنی دیتا ہے بلکہ بعض مرتبہ وہ ماضی کا معنی بھی دیتا ہے ولہذا پروفیسر صاحب کا اسے قاعدہ کلیہ سمجھنا ان کی علمی کمزوری ہے۔ اوران کے عقل کے اندھا پن کی روشن دلیل ہے۔

قرینۂ عقلیہ سے معنی کا تعین

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اذا ماضی پر داخل ہو تو اکثر اوقات میں فعل مستقبل کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی ماضی کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ تو کسی کلام میں اس کے مرادی معنی کے تعین کے لیے عقلی قرینہ کی حاجت ہوگی اور قرینہ عقلی جاننے کے بعد ہی مراد کا تعین ہوگا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث میں قرینہ عقلیہ کیا ہے؟ تاکہ مراد کا تعین ممکن ہو۔

حدیث اذا صلیتم علی المیت میں دونوں معنوں کا احتمال موجود ہے

اگر اذا یہاں مضارع کے معنی میں ہو تو اس سے نماز جنازہ کی وہ دعا مراد ہوگی جو تیسری تکبیر کے بعد سلام سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ اور یہ دعا میت، مومنین سب کے لیے ہوتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے خود فقہ حنفی کی سب سے بڑی اتھارٹی ہدایہ سے یہ نقل کیا ہے

کہ تیسری تکبیر پر اپنے لیے میت کے لیے اور مسلمانوں کے لیے دعا کرے اس صورت میں فاخلصوا میں اخلاص سے مراد پر خلوص دعا مانگنا ہے۔

شیخ محقق لکھتے ہیں۔ چوں نماز گزارید بر میت پس خالص کنید برائے وے دعا را و اخلاص بے آمیخ کردن و بے ریا و سمعه آوردن طاعت خدارا ۔یعنی جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لیے دعا کو خالص کرو اور اخلاص عبادت کو پر خلوص بنانا اور ریا کاری و شہرت کے بغیر بجا لانا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ص ۶۸۲ ج اول)

اور اسی معنی کی رعایت کرتے ہیں محدث ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو باب ماجآء فی الصلوۃ علی الجنازۃ میں روایت کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۰۷) اور اگر یہاں ماضی کے معنی میں ہے۔ تو اس سے سلام کے بعد کی دعا مراد ہوگی اس صورت میں اخلاص کا معنی صرف میت کے لیے دعا کرنا ہوگا۔ چونکہ تیسری تکبیر کے بعد سلام سے پہلے بھی دعا مانگی جاتی ہے اور سلام کے بعد بھی دعا مانگی جاسکتی ہے۔ اس لیے یہاں دونوں معنوں کا احتمال موجود ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ ان دونوں احتمالوں میں سے کس احتمال کو ترجیح ملے گی تو مراد متعین ہوگی اس بارہ میں ایک اور قاعدہ موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کسی کلام کو ایسے معنی میں لینا کہ تحصیل حاصل لازم نہ آئے۔ اس معنی میں مراد لینے سے بہتر ہوتا ہے۔ جس سے تحصیل حاصل لازم آئے۔ سو اگر یہاں ماضی کے معنی میں مراد لیا جائے تو تحصیل حاصل لازم نہیں آتی کہ صلیتم میں جو دعا مراد ہے۔ وہ سلام سے پہلے کی ہے۔ اور فاخلصوا له الدعاء میں جو دعا ہے۔ وہ سلام کے بعد کی ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر اسے یہاں مضارع کے معنی میں لیا جائے تو دونوں لفظوں سے مراد نماز کے اندر کی دعا ہوگی بدیں وجہ بعض علماء کرام نے یہاں ماضی کے معنی کو مراد لیا ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں: واغرب صاحب الاظهار علی مانقله میرک عنه انه قال فیه دلیل علی وجوب تخصیص المیت الدعاء ولا یکفی التعمیم وهو

الاصــح ا ھ۔میرک نے صاحب الاظھار سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اس حدیث میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ میت کے لیے (نماز جنازہ کے بعد) خصوصی دعا مانگنا واجب ہے۔اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ (مرقاۃ ص ۵۹ ج ۴) اس قول کی غرابت کی وجہ نماز جنازہ کے بعد خاص میت کے لیے دعا مانگنے کے وجوب کا قول ہے کہ اس وجوب کا قائل صاحب اظھار کے علاوہ کوئی عالم دین نہیں ہے۔ فــافھــم واغتــنــم فــانــہ مــن مزلات الاقدام . واللہ تعالی اعلم ۔

پروفیسر کی مولوی صاحب پر فتویٰ بازی غلط ہے

الــحــمــد لــلــہ ! یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے روز روشن کی طرح روشن ہوا کہ حدیث اذا صــلیــتــم عــلــی الــمــیــت فاخلصو لہ الدعاء کا جو ترجمہ مولوی محمد بشیر صاحب نے ان لفظوں میں کیا ہے۔ جب تم میت کی نماز پڑھ چکو تو پھر خلوص دل سے اس کے لیے دعا کرو۔سو فیصد درست ہے۔ پروفیسر کا اس ترجمہ کی وجہ سے یہ لکھنا کہ مولوی صاحب نے اگر اپنے مسلک کو تقویت دینے کے لیے اس حدیث کا غلط ترجمہ کیا تو فرمان رسول اللہ ﷺ میں تحریف کے مرتکب ہوئے آپ پر جھوٹ بولا ایسے شخص کے لیے آپ کا ارشاد ہے۔کہ جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔لہذا لازم ہے کہ مولوی صاحب اللہ تعالی کے حضور توبہ کے ذریعے سے رجوع کریں۔اس کی اپنی کم عقلی اور کم علمی کی روشن دلیل ہے۔ بلکہ خود پروفیسر پر شرعا فرض ہے کہ وہ اس قسم کی فتوی بازی سے سچی توبہ کرے اور آئندہ علمائے حق پر غلط فتویٰ عائد کرنے کی کوشش نہ کرے . والــلــہ یھــدی مــن یشــاء الــی صــراط مــسـتـقـیـم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

(تنبیہ) حدیث اذا صــلیــتــم عــلــی الــمــیــت فاخلصو لہ الدعاء میں چونکہ ماضی اور مضارع دونوں معنوں کا مراد ہونا محتمل ہے۔اس لیے جس طرح ماضی کا معنی مراد

لینے والے مولوی صاحب پر پروفیسر کی مذکورہ بالا فتوی بازی غلط ہے اسی طرح مضارع کا معنی لینے والے لوگوں پر ان لفظوں میں فتوی بازی درست نہیں کہ جو لوگ اس کا معنی کرتے ہیں کہ نماز کہ اندر میت کے لیے دعا کرو وہ حقیقت میں فاء کے معنی سے غافل اور اس حدیث کے اصل مفہوم سے جاہل ہیں۔ کیونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس حدیث کے فارسی ترجمہ میں مضارع کے معنی کے مرادی ہونے ہی کا لحاظ فرماتے ہوئے بدیں الفاظ ترجمہ کیا ہے۔۔ چوں نماز گزارید برمیت پس خالص کنید برائے وے دعا را۔ (اشعۃ اللمعات ص ۶۸۶ ج اول) اور اسی معنی کی رعایت کرتے ہوئے امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو باب ماجآء فی الدعآء فی الصلوۃ میں روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مضارع کا معنی مراد ہوتو یہ حدیث بعد از نماز جنازہ کے بارہ میں خاموش ہے

پروفیسر کا اس حدیث میں مضارع کا معنی مراد لے کر یہ لکھنا کہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ دعا بعد از نماز جنازہ احادیث وکتب فقہ سے ثابت نہیں۔ یہ ایک بدعت ہے۔ جو گمراہی اور رافع سنت ہے۔ جس آدمی میں سنت کی محبت ہوگی وہ ان بدعات سے دور بھاگے گا۔ خود اس کے گمراہ اور بدعتی ہونے کی دلیل ہے۔ بالفرض اگر یہ دعا اس حدیث سے ثابت نہیں تو یہ ضروری نہیں کہ یہ دعا دوسری حدیثوں سے بھی ثابت نہ ہوتی ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ یہ حدیث سلام سے پہلے میت کے لیے پرخلوص دعا کو ثابت کر رہی ہے۔ اور سلام کے بعد کی دعا کے بارہ میں ساکت ہے۔ یعنی نہ یہ اس دعا کا اثبات کر رہی ہے۔ اور نہ اس کی نفی۔ پھر دیکھا جائے گا کہ اس دعا کے ثبوت میں دوسری حدیثیں موجود ہیں۔ تو یہ دعا ان دوسری حدیثوں سے ثابت مانی جائے گی۔ فافهم واغتنم فانه من مزلات الاقدام والله ولی التوفيق ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم.

دعا بعد از جنازہ کے بارہ میں اور حدیثیں موجود ہیں

دعا بعد از جنازہ کے ثبوت میں اور بھی حدیثیں موجود ہیں۔ اس لیے اس دعا کو ان دوسری حدیثوں کی وجہ سے ثابت مانا جائے گا چنانچہ یہاں تبرکاً چند احادیث مبارکہ نقل کی جاتی ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) امام علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ شہید پر نماز جنازہ کے بارہ میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ وصلی علی زید وجعفر لما استشهدا لموتة علی ما فی مغازی الواقدی حدثنی محمد قال لما التقی الناس بموتة جلس ما بینه وبین الشام فهو ینظر الی معرکتهم فقال ﷺ اخذ الرایة زید بن حارثه فمضی حتی استشهد وصلے علیه رسول الله ﷺ ودعا له وقال استغفروا له دخل الجنة وهو یسعی ثم اخذ الرایة جعفر بن ابی طالب فمضی حتی استشهد وصلے علیه رسول الله ﷺ ودعا له وقال استغفروا له دخل الجنة فهو یطیر فیها بجناحین حیث شاء اه بجمیع لفظه''

یعنی شہید پر نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے۔ کیونکہ حضرت زید اور حضرت جعفر غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تو رسول ﷺ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی چنانچہ امام واقدی کے مغازی میں یہ حدیث منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی ابن ابی بکر فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کی موتہ کے مقام پر جنگ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ کے درمیان اور شام کے درمیان سے پردے ہٹا دیئے گئے سو آپ ان کی جنگ کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ زید بن حارثہ نے جھنڈا پکڑا ہے۔ اور وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے شہادت پائی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے حق میں دعا مانگی اور فرمایا اس کے لیے گناہوں کی معافی مانگو۔ وہ دوڑتا ہوا جنت میں

داخل ہو گیا ہے۔ پھر جعفر بن ابو طالب نے جھنڈا پکڑا اور وہ لڑتے رہے یہاں تک کے انہوں نے شہادت پائی اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور فرمایا۔ ان کے گناہوں کی معافی مانگو۔ وہ جنت میں داخل ہو گیا ہے۔ اور وہ دونوں بازوؤں کی قوت سے اڑ کر جہاں چاہے چلا جاتا ہے۔ (مرقاۃ جلد ۴ ص ۴۶)

مولانا مفتی محمد حسین چشتی اس حدیث کے ماتحت لکھتے ہیں۔ اس حدیث میں نماز جنازہ کے بعد حضور ﷺ کا دعا فرمانا اور دوسروں کو بھی اس کے لیے دعائے مغفرت مانگنے کا حکم صریح دلیل ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا مانگنا جائز ہے۔ اور فعل نبوی ہے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ نے خود دعا فرماتے ہوئے دوسرے لوگوں کو بھی دعائے مغفرت کا حکم دیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ نماز جنازہ کے بعد تھا۔ بعد نماز جنازہ کے دعا ثابت ہوئی کیونکہ نماز جنازہ کے اندر گفتگو منع ہے اور یہاں گفتگو کی گئی ہے (اثبات دعا بعد نماز جنازہ مطبوعہ چشتی کتب خانہ عباس پور ص ۳)

(۴) امام ملک العلماء الحنفیہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود کاشانی لکھتے ہیں۔ روی ان النبی ﷺ صلی علی جنازۃ فلما فرغ جآء عمر و معہ قوم فاراد ان یصلی ثانیاً فقال لھم النبی ﷺ الصلوۃ علی الجنازۃ لا تعاد ولکن ادع للمیت واستغفر لہ ۔ روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک میت پر نماز پڑھی پھر جب فارغ ہوئے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ چند آدمیوں کے ساتھ تشریف لائے اور دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ فرمایا۔ یہ دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا۔ نماز جنازہ دوسری بار نہیں پڑھی جاتی بلکہ میت کے لئے دعا مانگو۔ اور اس کے گناہوں کی معافی مانگو۔ (بدائع الصنائع ص ۳۱۱ ج اول)

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا واستغفار کا موقعہ ہوتا ہے۔ لہذا جو اس موقع میں دعا و استغفار سے روکے وہ گمراہ کن ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔

(۳) اور یہی امام لکھتے ہیں. روی عن ابن عمر وابن عباس رضی اللہ عنہما فاتتہما صلوۃ علی جنازۃ فلما حضرا مازاد اعلی الاستغفار لـــہ اور روایت کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کی نماز جنازہ فوت ہوگئی تو جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے میت کے لئے استغفار پر کچھ زیادہ نہ کیا (بدائع الصنائع ص ۳۱۱ ج اول)

(۴) اور یہی امام لکھتے ہیں. و روی عن عبد اللــہ بن سلام رضی اللہ عنہ انہ فاتتہ الصلوۃ علی جنازۃ عمر رضی اللہ عنہ فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلوۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ . اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں نہ پہنچ سکے۔ پھر حاضر ہونے پر فرمایا۔ اگر تم ان کی نماز میں مجھ پر سبقت لے گئے ہو تو ان کے لیے دعا مانگنے میں مجھ پر سبقت نہ لو گے۔ (بدائع الصنائع ص ۳۱۱ ج اول)

الحمد للہ! ان چار حدیثوں سے خوب ظاہر ہو گیا ہے کہ سرکار مدینہ ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا مانگا کرتے تھے۔ پروفیسر کا یہ لکھنا کہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ دعا بعد از نماز جنازہ احادیث و کتب فقہ سے ثابت ہی نہیں۔ یہ ایک بدعت ہے جو گمراہی اور رافع سنت ہے۔ بذات خود ایک بدعت اور سراسر گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور اس پر ایمان لانے کی توفیق بخشے۔ آمین

فقہائے کرام صرف حالت قیام میں دعاء سے منع کرتے ہیں

اب رہا پروفیسر کی پیش کردہ فقہی عبارات کا معاملہ تو ان کے بارے میں ظاہر بات ہے کہ فقہاء نے نماز جنازہ کے بعد حالت قیام میں دعا مانگنے سے منع فرمایا اور اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ تاکہ نماز جنازہ میں زیادت کا شبہ پیدا نہ ہو ورنہ صفیں توڑ کر دعا مانگنا تو سنت نبوی اور صحابہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ جیسا کہ اوپر چار حدیثیں گزر چکی ہیں۔

چنانچہ مولانا احمد یار خان صاحب نعیمی لکھتے ہیں۔ تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز؛ ذخیرہ؛ محیط اور کشف الغطاء کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقاۃ اور جامع الرموز میں بھی ہے۔ (لانہ یشبہ الزیادۃ) کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ یعنی اس دعا سے دھوکہ ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے۔ جس میں زیادتی کا دھوکہ ہو۔ اور وہ یہی ہے کہ صف بستہ کھڑے دعا کریں اگر صف توڑ دی گئی یا بیٹھ گئے تو دعا میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ نماز فرض کے بعد کا حکم ہے کہ لوگ صفوں کو توڑ کر سنتیں پڑھیں تاکہ کسی کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے۔ (دیکھو شامی اور مشکوۃ شریف باب السنن) تو اس سے یہ لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی نہیں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ (جاء الحق ص ۲۸۱)

صرف معتزلہ کی کتب میں مطلق دعا کو مکروہ لکھا ہے

فقہ حنفی کی بعض کتب میں جو یہ لکھا ہے کہ۔ ان الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ مکروہ یہ عبارت امام زاہدی کی کتاب قنیۃ الفقہاء کی ہے۔ اور یہ کتاب مفتیٰ بہ نہیں۔

چنانچہ مولانا احمد یار خان نعیمی صاحب لکھتے ہیں۔ ابو بکر ابن حامد کی جو عبارت (ان الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ مکروہ) پیش کی گئی ہے۔ قنیہ کی عبارت ہے۔ مگر قنیہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر فتوی نہیں دیا جاتا۔ مقدمہ شامی بحث رسم المفتی میں ہے کہ صاحب قنیہ ضعیف روایات بھی لیتا ہے۔ اس سے فتوی لینا جائز نہیں وہ فرماتے ہیں۔ او لنقل الاقوال الضعیفۃ فیھا کاالقنیۃ للزاھدی فلا یجوز الافتاء من ھذہ۔ اعلیٰ حضرت نے بذل الجوائز میں فرمایا کہ قنیہ والا معتزلی بدمذہب ہے۔ (جاء الحق ص ۲۸۱)

حاصل کلام یہ ہے کہ جن حنفی کتب میں مطلقاً جنازہ کے بعد دعا سے منع کیا گیا

ہے۔ وہ معتزلی عقیدہ والوں کی ہیں اور جن میں جنازہ کے بعد صف بستہ دعا مانگنے سے منع کیا گیا ہے۔ وہ صحیح العقیدہ سنی بزرگوں کی ہیں۔ چونکہ پروفیسر صحیح العقیدہ سنی نہیں۔ اس لیے وہ معتزلہ کے پیش کردہ ضعیف قول پر اعتماد کر کے راہِ حق سے بھٹک گیا ہے۔ اور نہایت ہی دیدہ دلیری سے یہ لکھ رہا ہے۔ قاضی صاحب! مجھے افسوس ہے کہ یہ ملاں لوگ گمراہی کی اشاعت پر کمر بستہ ہیں۔ آپ مولوی بشیر صاحب سے دریافت کریں کہ کیا کتب بالا میں سے کسی کتاب میں آپ کو نماز جنازہ کے بعد دعا کہیں نظر آ رہی ہے۔ اور کیا حوالہ نمبر ۱۹ میں درج کتب میں ممانعت نہیں ہے۔ حالانکہ حوالہ نمبر ۱۹ میں جو عبارات پیش کی گئی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کی عبارت میں مطلقاً دعا سے منع فرمایا گیا ہے۔ یہ معتزلہ کی کتب کی ہے۔ اور دوسری قسم کی عبارات میں صرف کھڑے کھڑے صف بستہ دعا سے منع کیا گیا ہے۔ یہ صحیح العقیدہ سنی بزرگوں کی ہیں۔ ولہذا پروفیسر پر یہ لازم تھا کہ وہ صرف سنی صحیح العقیدہ بزرگوں کی کتابوں کی عبارات سے مطلقاً جنازہ کے بعد دعا مانگنے کی ممانعت ثابت کرتا مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس سے ثابت ہوا کہ خود پروفیسر اور اس کے ہم خیال لوگ ہی گمراہی کی اشاعت پر کمر بستہ ہیں۔ **واللہ لا یھدی القوم الفاسقین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** ۔

مسبوق کے فعل سے استدلال نری جہالت ہے

باقی رہا پروفیسر کا یہ لکھنا کہ انہی کتب میں مسبوق کے حکم پر بھی آپ کی نگاہ نہیں پڑی جس میں نماز جنازہ کے بعد مسبوق اپنی تکبیرات ختم کر کے سلام پھیر دے گا۔ یعنی امام کے سلام پھیرنے کے بعد اگر دعا پڑھنا جائز ہوتا تو مسبوق کے لیے یہ حکم نہ ہوتا اس لیے وہ دعا پڑھے بغیر تکبیرات پوری کر کے سلام پھیر دیتا ہے پروفیسر کی نری جہالت ہے۔ کیونکہ یہ حکم اس وقت ہے۔ جبکہ مسبوق کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ دعائیں پڑھتا رہا تو لوگ آگے سے جنازہ اٹھا کر دفن کے لیے لے جائیں گے اور اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو وہ دعائیں بھی پڑھے گا امام زیلعی شرح کنز میں لکھتے ہیں۔ **ثم المسبوق یقضی مافاتہ نسقا بغیر دعآء**

لانہ لو قضاہ بدعآء ترتفع الجنازہ فتبطل الصلوۃ لانھا لاتجوز بلا حضور میت ولو رفعت قطع التکبیر اذا وضعت علی الاعناق ۔ پھر مسبوق جو کچھ فوت ہوا ہے اسے بلا دعا پڑھے ترتیب سے ادا کرے گا کیونکہ اگر وہ دعآء کے ساتھ ادا کرے تو جنازہ اٹھا لیا جائے گا اور اس کی نماز باطل ہو جائے گا کیونکہ میت کی عدم موجودگی میں نماز جنازہ باطل ہو جاتی ہے۔ اور اگر سلام پھیرنے سے پہلے جنازہ کندھوں پر اٹھالیں تو وہ باقی تکبیریں کہنا چھوڑ دے۔ (تبیین الحقائق ص۲۴۲ ج اول)

الحمد لله! امام زیلعی کی عبارت نے صاف صاف بتا دیا کہ یہاں دعائیں چھوڑنے کی وجہ یہ نہیں کہ سلام امام کے بعد دعا مانگنا شرعاً منع ہے۔ بلکہ یہ اس لیے ہے کہ جنازہ اٹھائے جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے اس سے پروفیسر کا دلیل پکڑنا کم علمی اور کم فہمی کی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور اسے ماننے کی توفیق بخشے۔ آمین ۔

وھذا آخر ما اردنا ایرادہ فی ھذہ المقالة المبارکة تقبلھا اللہ تعالی بمنہ العظیم ورسولہ الکریم ﷺ. وانا الفقیر ابو الکرم احمد حسین قاسم الحیدری الرضوی غفر اللہ تعالیٰ لی خادم التدریس والافتاء والتصنیف بالجامعة الحیدریة فضل المدارس ببلدۃ سھنسہ من مضافات آزاد کشمیر .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوبیسواں مقالہ

فضیلۃ الصدقۃ عند الدفن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

سوال! گذشتہ دنوں ہمارے علاقہ میں ایک جنازہ کے موقع پر ایک مولوی صاحب نے تقریر میں کہا کہ جنازہ کے موقع پر چھوہارے کھوپا اور آٹا وغیرہ لانا بے فائدہ ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر کوئی میت کے لئے کچھ صدقہ کرنا چاہے تو نقد روپے پیسے عطا کرے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مولوی صاحب مذکور کا یہ قول از روئے شرع شریف بمطابق فقہ ءحنفی کیسا ہے؟ اور آیا توشہ ءمیت بے فائدہ ہے یا اس کا کوئی فائدہ ہوتا ہے؟ (عوام علاقہ سہنسہ آزاد کشمیر)

الجواب بتوفیق اللہ الوہاب عزوجل: سنی حنفی مذہب مہذب میں اموات کے لئے اشیائے خوردنی اور نقدی دونوں کا صدقہ جائز ہے، اس کا فائدہ ثواب کی صورت میں ورثاء اور اموات سب کو پہنچتا ہے اور ظاہر ہے کہ توشہ ءمیت اسی قسم کا صدقہ ہے، تو اس کا فائدہ میت اور ورثاء سب کو ملتا ہے، لہذا اسے بے فائدہ نہ کہے گا مگر وہی شخص جو اہل سنت سے خارج ہے یا جاہل اجہل ہے۔ جب قدیم سے مسلمانوں میں توشہ ہمراہ میت لانے، اس پر حیلہ اسقاط کرنے اور اسے حاضر فقراء ومساکین میں تقسیم کرنے کا رواج چلا آرہا ہے اور اس میں میت اور ورثاء سب کے لئے فائدہ وثواب بھی ہے اور خاص اس طریقہ کی ممانعت پر اصلاً کوئی شرعی دلیل بھی موجود نہیں تو پھر اس سے مسلمانوں کو روکنا یا اس سے انہیں متنفر بنانا یا توشہ لے چلنے والوں پر بے ہودہ من گھڑت آوازے کسنا کہاں کی دانشمندی ودینداری ہے؟ اے کاش اس دور میں جبکہ وہابیہ کے خیالات فاسدہ مسلمانوں میں پھیلانے کی کوششیں پورے زوروں پر ہیں ان نام نہاد مولویوں کو تو اہل سنت کے اس قسم کے قدیم معمولات کے نفاذ اور برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی نہ کہ الٹا انہیں بند کروانے کی ہٹ دھرمی۔ فالی اللہ المشتکی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

توشہ ءمیت کی اصل:

توشہ ءمیت کی اصل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: من مات وعلیہ صیام شہر رمضان فلیطعم عنہ مکان کل یوم مسکین جو شخص مرے اور اس پر رمضان کے

مہینے کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن (کے روزہ) کے عوض میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ (رواہ الترمذی وقال والصحیح انہ موقوف علی ابن عمر، مشکوۃ ج ۱ ص ۱۶۰)

اس حدیث شریف میں "فلیطعم عنہ" کے الفاظ مبارکہ کتنی صراحت سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ میت کے لئے طعام وتوشہ کی صورت میں صدقہ کیا جانا چاہیے۔ مگر حیف ہے ان مولویوں پر جو طعام میت کو بے فائدہ کہہ رہے ہیں۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

صحابہء کرام کا رواج

چونکہ مندرجہ بالا حدیث میں میت کی طرف سے صدقہ کا حکم اطعام کی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا اس لئے صحابہء کرام اور ان کے بعد تابعین وتبع تابعین وسلف صالحین میت کے لئے اطعام کی صورت کو اختیار کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ خاتمۃ المحدثین امام جلال الدین سیوطی روایت نقل کرتے ہیں کہ مشہور تابعی حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ان الموتیٰ یفتنون فی قبورھم سبعا فکانوا یستحبون ان یطعم عنھم بتلک الایام بلاشبہ اموات اپنی قبور میں سات دن تک آزمائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام ان دنوں میں اموات کی طرف سے کھانا کھلانے کو مستحب جانتے تھے۔ (**رواہ الامام احمد فی الزھد وابونعیم فی الحلیۃ، شرح الصدور ص ۵۷، صحیح البیھاری ص ۱۵۹**)

اس حدیث کو معتبر ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **لان الاخبار عن الصحابۃ بانھم کانوا یستحبون الاطعام عن الموتیٰ تلک الایام السبعۃ صریح فی ان ذلک کان معلوما عندھم وانھم کانوا یفعلون ذلک لقصد التثبیت عند الفتنۃ فی تلک الایام وان کان معلوماً عند الصحابۃ کان ناشنا عن التوقیف کما تقدم تقریرہ**

کیونکہ امام طاؤس کا اس بات کی خبر دینا کہ صحابہ ان سات دنوں میں اموات کے لئے کھانا کھلانے کو مستحب جانتے تھے اس بارہ میں صریح ہے کہ یہ کام ان کے نزدیک جانا پہچانا تھا، اور وہ یہ کام اس ارادہ سے کیا کرتے تھے کہ ان دنوں میں اموات کو آزمائش کے وقت

استقامت ملے اور اگر یہ کام صحابہ کے دور میں جانا پہچانا تھا تو پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی مرضی اور منشاء ہی سے پیدا ہوا ہوگا جیسا کہ اس کی تقریر گزر چکی ہے۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۸۵)

(۳) اور یہی امام لکھتے ہیں **الاولیٰ ان سنة الاطعام سبعة ایام بلغنی انها مستمرة الی الآن بمکة والمدینة فالظاهر انها لم تترک من عهد الصحابة الی الآن وانها اخذوها خلفا عن سلف الی الصدر الاول** اور پہلی نکتہ کی بات تو یہ ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ سات دن تک میت کی طرف سے کھانا کھلانے کی رسم مکہ اور مدینہ میں آج تک بدستور جاری رہی ہے سو اس سے ظاہر یہی ہے کہ یہ رسم عہد صحابہ سے آج تک کبھی چھوڑی نہیں گئی بلکہ آج سے صدر اول (عہد صحابہ) تک یہ رسم خلف اپنے سلف سے مسلسل لیتے چلے آئے ہیں۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۹۴)

الحمد للہ! اس حدیث طاؤس سے ثابت ہوا کہ میت کی طرف سے سات دن تک طعام (توشہ) کھلانا سنت صحابہ ہے اور خود صحابہ اس سنت کو مستحب جانتے تھے تو کونسا عقلمند کہے گا کہ جس کام کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت مستحب سمجھتی تھی وہ بے فائدہ ہے اور اس میں کوئی فائدہ نہیں؟ مولوی صاحب مذکور ہی بتائیں کہ مستحب کام میں ثواب ہوتا ہے تو پھر ثواب کوئی فائدہ کی چیز ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر ان کا توشہ (طعام میت) کو بے فائدہ بتانا گمراہی اور ضلالت ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی ایسے ناقص العقل مولویوں کو ہدایت دے۔ (آمین)

باقی رہا مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ توشہ بے فائدہ ہے تم اس کی جگہ نقدی صدقہ کرو یہ ان کا قول منصوص علیہ حکم کے خلاف ہے کیونکہ اس باب میں جو نصوص آئی ہیں اور وہ اوپر گزریں ان میں اطعام کا لفظ وارد ہوا ہے نقدی دینے کا حکم نہیں آیا لہذا اس منصوص علیہ حکم کو بے فائدہ ٹھہرانا اور اپنی طرف سے نقدی کی قید لگا کر مسلمانوں پر توشہ کے باب میں تنگی پیدا کرنا بلاشبہ مولوی صاحب مذکور کی جہالت وضلالت ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی مسلمان ازخود اپنی خوشی سے نقدی صدقہ کردے تو اسے اس کی بھی شرعاً اجازت ہے۔ وہذا امر آخر کما لایخفی علی عاقل'' اے اللہ! کم علموں کو اپنا خوف نصیب کر۔ تاکہ وہ

مسلمانوں کو گمراہ کرنے سے باز آ جائیں۔ (آمین)

توشہ جنازہ گاہ میں لانے کی اصل

جنازہ گاہ میں توشہ لانے کی اصل وہ حدیثیں ہیں جن میں دفن سے پہلے صدقہ کی ترغیب فرمائی گئی ہے کیونکہ گھر میں جو صدقہ دیا جائے اس کی بہ نسبت وہ صدقہ جو جنازہ گاہ میں تقسیم کیا جائے صدقہ قبل دفن ہونے کا زیادہ مستحق ہے چنانچہ مولانا مفتی نظام الدین ملتانی کتاب مستطاب فتاویٰ نظامیہ میں لکھتے ہیں۔ اور اسقاط قبل از دفن کرنی چاہئے چنانچہ شرح الصدور اور شرح برزخ ص ۱۲۳ میں بروایت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حدیث تحریر ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ موت مقام خوف ہے بس تم میت کے لئے دفن سے پہلے صدقہ کرو اور وہ حدیث یہ ہے: ''اخرج ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ انہ قال قال النبی ﷺ الموت فزع فتصدقوا لہ قبل الدفن فاقرؤا ما تیسر من القرآن واجعلوا لہ'' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا، موت ڈر کی چیز ہے سو تم میت کے لئے دفن سے پہلے صدقہ کرو اور اس کے لئے جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو۔ اور اس کا ثواب میت کو پہنچاؤ۔

اور حدیث معلق واجب العمل ہے مانند حدیث متصل کے اور صاحب برزخ وغیرہ نے لکھا ہے کہ: ''افاد الحدیث ان التصدق لروح المیت قبل الدفن سنۃ ولو ختم لہ القرآن لکان جائزا یرجی فیہ نجاۃ المیت وکان السلف علی ذالک'' یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دفن سے پہلے میت کے لئے صدقہ کرنا سنت ہے اور اگر میت کے لئے پورے قرآن کا ختم پڑھا جائے تو جائز ہے، اس میں میت کی نجات کی امید ہے اور سلف صالحین کا یہی معمول تھا۔

اور عزمزنی سے روایت ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ تم صدقہ کا ثواب میت کو دفن کرنے سے پہلے کر دیا کرو اور وہ حدیث بایں الفاظ معلق ہے: ''اخرج عز المزنی ان النبی ﷺ قال تصدقوا الموتاکم قبل الدفن لعل اللہ ینجیہ بذالک'' امام عزمزنی نے روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم اپنے اموات کیلئے دفن سے پہلے صدقہ کیا کرو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے وسیلہ سے اللہ میت کی نجات فرمائے۔ (نقل از شرح برزخ)

اور کتاب طحطاوی اور شرح الصدور میں بایں الفاظ حدیث مذکور ہے قال علیہ السلام

تصدقوا اموتاکم قبل الدفن لیکون ذالک فدیۃ من ایدی ملآئکۃ العذاب
یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اموات کے لئے دفن سے پہلے صدقہ کروتا کہ یہ صدقہ عذاب کے فرشتوں کے ہاتھوں سے فدیہ بنے۔ (انوار شریعت مطبوعہ فیصل آباد ج۱ص ۱۷۸)

اور یہی عبارت حضرت مولانا پیر حافظ ظہور شاہ صاحب سجادہ نشین جلالپور جٹاں نے بھی اپنی کتاب ظہور صداقت ص ۲۵ میں انہی الفاظ سے لکھی ہے۔

اور مولوی عبدالرحیم شاہ میتہ خیلی لکھتے ہیں: کتاب زاد آخرۃ کی پانچویں فصل میں مؤلف نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ موت ڈر کی چیز ہے سو میت کے لئے دفن سے پہلے صدقہ کرواور ثواب اس کے لئے بخشو۔ (شرح برزخ)

اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صدقہ قبر کی گرمی کو بجھاتا ہے اور مردہ کو نفع پہنچاتا ہے اگر چہ وہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہو۔ (لالی فاخرہ فی تذکرۃ الآخرۃ)

اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میت کے لئے دفن سے پہلے صدقہ دو اگر چہ کھجوروں کے ایک تھال کا ہو۔ ...... اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام (شرح برزخ)

وتصدق برائے میت ودعاء در حق او قبل برداشتن جنازہ وبیش از دفن سبب نجات اھوال آخرت وعذاب قبر است
یعنی میت کے لئے جنازہ اٹھانے سے پہلے صدقہ ودعاء کرنا اور دفن سے پہلے اس کے لئے صدقہ ودعا کرنا آخرت کے خوفوں اور قبر کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ (سعادۃ الدارین ص۹)

الحمد للہ! ان تین کتب مبارکہ میں مذکوران احادیث متبرکہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان میت کے لئے جو توشہ جنازہ گاہ تک لے جاتے ہیں اس کا ثبوت حدیثوں میں موجود ہے۔ اس میں میت کے لئے ثواب ہے اور یہ صدقہ اس کی نجات اور حفاظت کا ذریعہ بنتا ہے۔ ولہذا سنی مسلمان اس قسم کے کم فہم مولویوں کی خانہ زاد دلیلوں پر ہرگز ہرگز کان نہ دھریں۔ ورنہ عظیم سعادتوں سے محروم رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سیدھے سادے سنی مسلمانوں کو امان میں رکھے۔ آمین۔

وھذا آخر ما اردنا ایراده فی ھذه المقالۃ المبارکۃ تقبلھا اللہ تعالیٰ بمنہ العظیم ورسولہ الکریم ﷺ وانا الفقیر ابوالکرم احمد حسین قاسم الحیدری غفر اللہ تعالیٰ لہ خادم التدریس بالجامعۃ الحیدریۃ فضل المدارس ببلدۃ سھنسہ من مضافات آزاد کشمیر (۱۵ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچیسواں مقالہ

حیلہء اسقاط کا ثبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد!

اہل اسلام کا یہ معمول قدیم سے چلا آ رہا ہے کہ جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے جنازہ کے ہمراہ اشیائے خوردنی جنازہ گاہ تک لاتے ہیں۔ نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد امام مسجد صاحب نقدی اور ان اشیاء پر حیلہ اسقاط پڑھتے ہیں۔ پھر یہ چیزیں فقراء ومساکین پر تقسیم کر دی جاتی ہیں۔

آج کل بعض کم علم کم فہم لوگ حیلہ اسقاط کے اس طریقہ کو بدعت وناجائز بتاتے ہیں اور حیلہ اسقاط کرنے والوں کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ والی اللہ المشتکی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

حیلہ اسقاط کے مذکورہ بالا طریقہ میں نہ صرف یہ کہ میت کے ذمہ سے اس کے فرائض وواجبات ساقط ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ورثاء کو بھی میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ ایسے مفید عمل سے نہ روکے گا مگر کوئی جاہل اجہل یا بدمذہب وہابی۔ علمائے حنفیہ اپنی کتب مبارکہ میں حیلہ اسقاط کے اس طریقہ کو مسلسل لکھتے چلے آئے ہیں مگر افسوس صد افسوس کہ جو مسئلہ علمائے حق نے قدیم دور میں حل فرما دیا اور اس کی تائید میں مسلسل تحریر لکھیں اس کے بارہ میں ناسمجھ جاہل لوگ غوغا آرائی اور شور شرابا کر رہے ہیں۔

ہم نے اس مختصر مقالہ میں حیلہ اسقاط کا ثبوت قرآن وحدیث اور فقہائے حنفیہ کی معتبر کتب مبارکہ کی عبارات سے پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو شرف مقبولیت بخشے اور ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین

قرآن مجید سے حیلہ کا ثبوت

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔ وخذ بیدک ضغثا فاضرب

ولا تحنث (ترجمہ) اور اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے مار دے اور قسم نہ توڑ۔ (پ۲۳رکوع ۱۳)

آیت کریمہ کے اس حصہ کے بارہ میں مولانا احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں۔ بیماری کے زمانہ میں حضرت رحمت آپ کی (ایوب علیہ السلام کی) زوجہ ایک بار دیر سے خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے قسم کھائی کہ میں تندرست ہو کر تمہیں سو کوڑے ماروں گا۔ صحت یاب ہونے پر رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ انہیں جھاڑو ماریں جس میں سو تیلیاں ہوں۔ کیونکہ اس زمانے میں قسم کا کفارہ نہ تھا۔ اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ محبوبوں کے خدام وازداج سب رب کو محبوب ہیں کہ بی بی رحمت پر اللہ نے رحمت فرمائی۔ دوسرا یہ کہ انبیاء کرام کے گھروں کا انتظام خود رب کرتا ہے۔ تیسرا یہ کہ شرعی حیلے جائز ہیں۔ میت کے حیلہ اسقاط کی دلیل یہی آیت ہے۔ حضور ﷺ نے بھی سود سے بچنے کے طریقے صحابہ کو بتائے۔ (نورالعرفان ص ۷۲۸)

دیوبندی گھر کی شہادت

دیوبندی مولوی شبیر احمد عثمانی اس آیت کریمہ کے بارہ میں لکھتے ہیں۔ حضرت ایوب نے حالت مرض میں کسی بات پر خفا ہو کر قسم کھائی۔ تندرست ہو گئے تو اپنی عورت کو سو لکڑیاں ماریں گے۔ وہ بی بی اس حالت کی رفیقہ تھیں اور چنداں قصوروار بھی نہ تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے قسم سچا کرنے کا ایک حیلہ ان کو بتلایا جو ان ہی کے لئے مخصوص تھا، آج اگر کوئی اس قسم کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے پورا کرنے کے لئے اتنی بات کافی نہ ہوگی۔

(تنبیہ) جس حیلہ سے کسی حکم شرع یا مقصد دینی کا ابطال ہوتا ہو وہ جائز نہیں۔ جیسے اسقاط زکوٰۃ وغیرہ کے حیلے لوگوں نے نکالے ہیں۔ ہاں جو حیلہ حکم شرعی کو باطل نہ کرے بلکہ کسی معروف کا ذریعہ بنتا ہو اس کی اجازت ہے۔ اھ بلفظہ۔ (حاشیۃ القرآن ص ۷۸۲)

وہابی گھر کی شہادت

اس آیت کریمہ کے بارہ میں وہابی مولوی محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں۔اس آیت کی تاویل میں مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری کی حالت میں کسی وجہ سے اپنی بیوی پر ناراض ہوکر یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفادی تو میں اسے سو کوڑے لگاؤں گا۔اب جو اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت یاب کیا اور بیماری کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو انہیں پریشانی لاحق ہوئی کہ قسم کیسے پوری ہو؟ چنانچہ اس مشکل سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح نکالا کہ فرمایا۔ سوتنکوں کی ایک جھاڑو لو اور اس سے اپنی بیوی پر ایک ہی ضرب لگادو۔ اس طرح قسم بھی پوری ہو جائے گی اور بیوی بھی ناروا تکلیف سے بچ جائے گی۔ اس رعایت کو حضرت ابن عباس اور بعض ائمہ جیسے امام مالک نے حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے خاص قرار دیا ہے۔اور بعض ائمہ جیسے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ فلاں شخص کو سوکوڑے یا چھڑیاں ماروں گا۔اور یہ نہ کہے کہ سخت ماروں گا یا دل سے اس کا ارادہ نہ کرے تو اس کے لئے اس رعایت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔(شوکانی)(اشرف الحواشی ص۵۴۶)

یہ رخصت اب بھی باقی ہے

مفسر علاء الدین خازن اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔اور اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر ایک شخص اپنے غلام کو سوکوڑے مارنے کی قسم کھائے اور سوکوڑے ایک بار مارے تو امام مالک اور لیث اور احمد بن حنبل کے نزدیک قسم پوری نہ ہوگی۔اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک پوری ہو جائے گی بشرطیکہ سب کوڑے لگیں۔ مؤخر الذکر فقہاء نے اس آیت کے عموم سے استدلال کیا ہے۔(تفسیر خازن جلد ششم ص۶۱)

اور امام ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں۔اور اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ میں فلاں شخص کو سوکوڑے ماروں گا اور وہ سوتیلیوں والا جھاڑو لے

کرا سے مار دے تو اس بارہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد کا قول ہے کہ اگر سوتیلیاں سب کی سب فلاں کو لگیں تو قسم پوری ہو جائے گی اور امام مالک اور لیث کا قول ہے کہ قسم پوری نہ ہوگی۔ **وهذا القول خلاف الكتاب لان الله تعالىٰ اخبر ان فاعل ذالك لايحنث۔** اور یہ دوسرا قول کتاب اللہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ نے خبر دی ہے کہ ایسا کرنے والا شخص قسم توڑنے والا نہیں تو لامحالہ کہنا پڑے گا کہ وہ اپنی قسم پوری کرنے والا ہے۔ (احکام القرآن جلد سوم ص ۳۸۲)

اور امام ابو البرکات نسفی حنفی لکھتے ہیں۔ **وهذه الرخصة باقية ويجب ان يصيب المضروب كل واحدة من المائة** ۔ اور یہ رخصت باقی ہے اور ضروری ہے کہ جھاڑو کی سوتیلیوں میں سے ہر ایک تیلی مضروب کے جسم کو لگے۔ (تفسیر نسفی جلد چہارم ص ۴۳)

اور مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں۔ **واستدل كثير من الفقهاء بهذه الآية الكريمة على مسائل في الايمان وغيرها وقد اخذوا بمقتضاها** ۔ اور بہت سے فقہاء نے اس آیت کریمہ سے قسم وغیرہ کے بارہ میں بہت سے مسائل نکالے ہیں اور اس آیت کے مقتضیٰ پر عمل بھی کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد چہارم ص ۴۰)

الحمد للہ! ان تفسیری عبارات سے ثابت ہوا کہ ذمہ میں لازم ہونے والے فرائض و واجبات کے اسقاط کے لئے جائز شرعی طریقہ سے اسقاط کرنا شرعاً جائز ہے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ذمہ میں اپنی بیوی کو سو کوڑے مارنے واجب تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ سے یہ وجوب ساقط کرانے کے لئے یہ طریقہ بتایا کہ وہ ایک سوتیلیوں والا جھاڑو لے کر انہیں ماردیں۔ ولہذا حیلہ اسقاط کا انکار خود قرآن کا انکار ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ۔

وہابیہ کے گھر کی شہادت

غیر مقلد مولوی محمد عبدہ الفلاح نے لکھا ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ

بعض بوڑھے اور کمزور مجرموں پر حد جاری کرنے میں نبی علیہ ﷺ نے خود اسی طریقہ پر عمل فرمایا ہے۔ (اشرف الحواشی ص ۵۴۶ مطبوعہ شیخ محمد اشرف نیوانارکلی لاہور)

اس سے ثابت ہوا کہ آیت کریمہ حضرت ایوب علیہ السلام سے خاص نہیں۔ بلکہ اس پر رسول اللہ ﷺ نے بھی عمل کیا ہے۔ اس لئے اس کا حکم اب بھی باقی ہے۔ والحمدللہ علی ذالک۔

حدیث سے حیلہ کا ثبوت

امام زین الدین ابن النجیم لکھتے ہیں۔ وذکر فی الخبر ان رجلا اشتری صاعا من تمر بصاعین فقال ﷺ اربیت هلا بعت تمرک بالسلعة ثم ابتعت بسلعک تمرا۔ اور حدیث شریف میں ذکر کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک صاع اچھی کھجوریں دو صاع نرم کھجوروں کے عوض میں خریدیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے سودی کاروبار کیا ہے۔ ایسا کیوں نہیں کیا کہ اپنی کھجوریں کسی دوسری جنس کی چیز کے عوض میں بیچتے پھر اس شے ء کے عوض میں کھجوریں خریدتے۔ (الاشباہ والنظائر ص ۴۷۷)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حرام سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا شرعاً جائز ہے۔

میت کے لئے حیلہ اسقاط جائز ہے

جس طرح زندہ شخص کے ذمہ سے فرائض وواجبات کے اسقاط کے لئے حیلہ کرنا شرعاً جائز ہے۔ اسی طرح میت کے ذمہ سے بھی واجبات کا اسقاط شرعاً جائز ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ حضور میرے والد فوت ہوگئے ہیں اور انہوں نے حج ادا نہیں کیا۔ فرمایا۔ اگر تیرے باپ کے ذمہ میں کوئی قرضہ ہوتا تو کیا تو اس کی طرف سے اسے ادا کر دیتا؟ عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا۔ فانه دین فاقضه۔ سو یہ بھی ایک قسم کا قرضہ ہے تو اسے ادا کر۔ (شرح الصدور ص ۱۲۹)

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک خاتون نے نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ کیا میں اپنی فوت شدہ والدہ کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا ذرا یہ تو بتا کہ اگر تیری والدہ پر کوئی قرضہ لازم ہوتا اور تو اسے ادا کر دیتی تو کیا یہ بات تیری طرف سے قابل قبول ہوتی؟ اس نے عرض کیا۔ ہاں۔ یہ سن کر آپ نے اسے حج کرنے کا حکم دیا۔ (شرح الصدور ص ۱۲۹)

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ میری والدہ اس حال میں فوت ہوئی ہیں کہ ان کے ذمہ میں ایک نذر لازم تھی۔ فرمایا۔ ان کی طرف سے نذر ادا کر دو۔ (بخاری شریف حصہ اول ص ۲۶۲)

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کے ذمہ میں رمضان کے روزے ہوں تو اس کی جانب سے ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ (مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۱۶۰)

الحمد للہ! ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ میت کے ذمہ میں رہ جانے والے فرائض و واجبات کی ادائیگی ممکن ہو تو ادائیگی کر دینی چاہئے۔ اس میں میت کا فائدہ ہے۔

فدیہ کے بارہ میں فقہاء کا حکم

مذکورہ بالا احادیث کی بناء پر ہمارے فقہاء کرام نے میت کے ذمہ میں رہ جانے والی نمازوں روزوں وغیرھما کے فدیہ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ مختصر القدوری کتاب الصوم میں فرمایا۔ **ومن مات وعليه قضاء رمضان فاوصىٰ به اطعم عنه وليه لكل يوم مسكينا نصف صاع من بر او صاعا من تمر او شعير** ۔ (ترجمہ) اور جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کے ذمہ میں رمضان کے روزوں کی قضاء لازم ہو اس کا وارث اس کی طرف سے ہر روزہ کے عوض میں ایک مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا کھجور دے۔ (مختصر القدوری ص ۴۷)

اوراس کی شرح جوہرہ نیرہ میں ہے۔ والصلوٰۃ حکمها حکم الصيام على اختيار المتأخرين ۔(ترجمہ) علمائے متأخرین کے مختار قول میں نماز کا حکم روزے کے حکم جیسا ہے۔ (جوہرہ نیرہ ص ۱۷۶ جلد اول)

اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے۔ وعلى هذا دين صدقة الفطر والنفقة الواجبة والخراج والجزية والكفارات المالية والوصية بالحج والصدقة المنذورة والاعتكاف المنذور عن صومه ۔ (ترجمہ) اور اسی حکم میں صدقہ فطر، واجب نفقوں، خراج، جزیہ، مالی کفاروں، حج کی وصیت، نذر مانے ہوئے صدقات اور نذر مانے ہوئے اعتکاف کے روزوں کے فدیہ کا دین ہے۔ (مراقی الفلاح مدنی ص ۲۸۴)

اور کتاب ردالمحتار باب قضاء الفوائت میں ہے۔ ثم رأيت في صوم السراج التصريح بجواز تبرع الوارث باخراجها ۔(ترجمہ) پھر میں نے کتاب سراج کے باب الصوم میں اس بات کی تصریح دیکھی ہے کہ اگر میت کی ذمہ میں رہ جانے والی زکوٰۃ کو وارث ادا کرے تو یہ جائز ہے۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۵۴۲)

الحمد للہ! ان عبارات فقہیہ سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ذمہ میں کچھ فرائض وواجبات رہ جائیں اور اس نے ان کی ادائیگی کی وصیت کردی ہو تو ورثاء پر شرعاً لازم ہے کہ وہ انہیں ترکہ سے ادا کریں۔ اور اگر اس نے وصیت نہ کی اور ورثاء انہیں اپنی طرف سے ادا کردیں تو یہ بھی جائز ہے۔ ہاں وصیت کی صورت میں ترکہ کے تیسرے حصہ سے ادائیگی واجب ہے اور باقی دو تہائی میں ورثاء کی رضامندی شرط ہے۔

مال کی کمی کی صورت میں حیلہ اسقاط کرنا چاہئے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر میت نے ترکہ میں کچھ نہ چھوڑا ہو یا جو کچھ چھوڑا ہے اس سے اس کے ذمہ رہ جانے والے فرائض وواجبات کے فدیہ کی ادائیگی نہ ہو

سکتی ہو تو ان صورتوں میں اسقاط کی کیا تدبیر کی جائے گی؟

اس بارہ میں علمائے احناف نے اپنی کتب مبارکہ میں حیلہ اسقاط کا یہ طریقہ لکھا ہے کہ وارث کچھ مال قرض لے کر اسے مساکین وفقراء میں دور کرا کر میت کے ذمہ میں رہ جانے والے فرائض وواجبات کی اسقاط کرائے۔ چنانچہ کتاب مستطاب درمختار شرح تنویر الابصار میں فرمایا۔ **ولو لم یترک مالا یستقرض وارثہ نصف صاع مثلا ویدفعہ لفقیر ثم یدفعہ الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم** ۔ (ترجمہ) اور اگر میت نے مال نہ چھوڑا ہو تو اس کا وارث کچھ مال مثلاً نصف صاع گندم قرض لے اور اسے اسقاط کی نیت سے کسی فقیر پر صدقہ کرے پھر فقیر اس مال پر قبضہ کرنے کے بعد وہ مال وارث کو واپس ہبہ کردے پھر وارث اسقاط کی نیت سے اسے فقیر پر صدقہ کرے پھر فقیر اسے وارث پر ہبہ کردے یہ دور اس وقت تک جاری رکھیں کہ میت کے ذمہ میں رہ جانے والے کل فرائض وواجبات کی ادائیگی ہو جائے۔ (درمختار جلد اول ص ۵۴۲)

اس عبارت کے ماتحت امام ابن عابدین شامی لکھتے ہیں۔ میت کا وارث میت کے ذمہ میں رہ جانے والی نمازوں کے فدیہ کی قیمت کا مال بطور قرض لے اور وہ مال اسقاط کی نیت سے کسی فقیر پر صدقہ کرے پھر وہ اس سے یہ مال بطور ہبہ واپس لے اور ہبہ مکمل ہونے کے بعد یعنی قبضہ کر لینے کے بعد وہ وہی مال اسقاط کی نیت سے اسی فقیر پر یا کسی دوسرے فقیر پر صدقہ کردے۔ **فیسقط فی کل مرۃ کفارۃ سنۃ** ۔ اس طرح جتنی مرتبہ کیا جائے گا اتنے سالوں کی نمازیں میت کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گی۔ اور اگر زیادہ مال وارث قرض لے کر حیلہ اسقاط کرے تو اس کے اندازہ پر فدیہ ادا ہو جائے گا۔ **وبعد ذالک یعید الدور لکفارۃ الصیام ثم للاضحیۃ ثم للایمان فلا بأس بادارۃ الولی للزکوٰۃ** ۔ پھر روزوں کے کفارہ کے لئے اسی طرح دور کرایا جائے پھر قربانی کے لئے پھر قسموں کے کفارہ کے لئے اور اگر ولی میت کے ذمہ میں رہ جانے والی زکوٰۃ کے لئے بھی دور کرائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ **ثم ینبغی بعد تمام ذالک ان یتصدق علی**

الفقراء بشیء من ذالک المال او بما اوصی به المیت ان کان اوصیٰ۔ پھر میت کے ذمہ میں رہ جانے والے کل فرائض وواجبات کے اسقاط کے بعد وارث کی مرضی پر منحصر ہے کہ چاہے وہ مال حیلہ میں سے کچھ فقیر کو دے دے یا اگر میت نے وصیت کی تو اس کے مطابق اسے دے دیا جائے۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۵۴۲)

اور امام احمد طحطاوی لکھتے ہیں۔ وفی الدر المنتقی انهم اذا ارادوا الاخراج عنه یحسب عمره بغلبة الظن ویخرج منه مدة الصبا وهی اثنا عشر فی الغلام وتسعة فی الانثی ویخرج عنه بقدرها ان کان عندهم ما یکفی والا تدفع مرارا اھ۔ (ترجمہ) اور کتاب در منتقی میں ہے کہ جب لوگ میت کے لئے فدیہ نکالنے کا ارادہ کریں تو وہ پہلے غلبہ ظن سے اس کی عمر کا حساب کریں پھر اس سے اس کی نابالغی کی عمر یعنی اگر مرد ہے تو بارہ سال اور عورت ہے تو نو سال نکال دیں پھر اس سے اس کی باقی عمر کی کل نمازوں کا فدیہ دے دیں جبکہ ان کے پاس حسب کفایت مال موجود ہو ورنہ چند بار لوٹ پھیر کریں یعنی حیلہ اسقاط کریں۔

پھر امام طحطاوی میت کی پوری عمر کی نمازوں کے فدیہ کے لئے حیلہ کرنے کی وجہ بدیں الفاظ لکھتے ہیں۔ وذالک لاحتمال نقصان صلاته رکن او شرط فان الکثیر من الناس لایحسن ادآئها ۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ نمازوں کے شرائط وارکان کو صحیح طریقہ سے ادا نہیں کرتے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس کی پوری عمر کی نمازوں کے فدیہ کے لئے حیلہ اسقاط کیا جائے۔ (حاشیہ مراقی الفلاح مدنی ص ۲۸۵)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وان لم یترک مالا یستقرض نصف صاع او قیمته ویدفع الی المسکین ثم یتصدق ثم وثم حتی یتم لکل صلوٰة ما ذکرنا کذا فی الخلاصة ۔ (ترجمہ) خلاصۃ الفتاویٰ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر میت نے ترکہ میں مال نہ چھوڑا تو اس کے ورثاء نصف صاع گندم یا اس کی قیمت قرض لیں

اور وہ کسی مسکین پر صدقہ کریں پھر مسکین وہ کسی ایک وارث پر صدقہ (ہبہ) کرے پھر وارث اسے مسکین پر صدقہ کرے اور پھر یہ لوٹ پھیر کا عمل اس وقت تک جاری رکھیں کہ میت کی کل نمازوں کا فدیہ ادا ہو جائے۔ (فتاوٰی عالمگیری جلد اول ص ۱۲۵)

الحمد للہ۔ ان عبارات متبرکہ سے روز روشن سے زیادہ روشن ہوا کہ اگر میت کے ذمہ میں فرائض وواجبات باقی رہ جائیں اور اس کے ترکہ میں مال نہ ہو یا مال بقدر کفایت نہ ہو یا ورثاء تہائی سے زائد مال میں ادائیگی فدیہ پر رضا مند نہ ہوں تو ان سب صورتوں میں اسقاط فرائض وواجبات کے لئے حیلہ اسقاط کیا جائے گا۔ سو جو شخص سنی حنفی کہلوانے کے باوجود حیلہ اسقاط کا انکار کرتا ہے وہ یا تو جاہل اجہل ہے یا نام نہاد سنی حنفی گمراہ و بد مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

حیلہ اسقاط بخشش میت کا ذریعہ ہے

مال کی عدم موجودگی یا کمی کی صورت میں حیلہ اسقاط کا مذکورہ بالا طریقہ علمائے حق نے ایجاد فرمایا۔ اس لئے اس میں میت کی بخشش کی قوی امید ہے۔ امام ابوالاخلاص شرنبلالی حیلہ اسقاط کا یہ طریقہ بالتفصیل لکھنے کے بعد لکھتے ہیں۔ وہذا ہو المخلص فی ذالک ان شآء اللہ العزیز۔ (ترجمہ) ان شاء اللہ العزیز اس بارہ میں حیلہ اسقاط کا یہ طریقہ میت کو عذاب الٰہی سے خلاصی دینے والا ہے۔ (مراقی الفلاح مدنی ص ۲۸۶)

ہمارے دیار میں مروجہ طریقہ کی حیثیت

حیلہ اسقاط کا صحیح اور کامل طریقہ وہی ہے جسے فقہائے حنفیہ نے اپنی کتب مبارکہ میں لکھا اور ہم نے گذشتہ اوراق میں بالتفصیل بیان کیا۔ اس کے مقابلہ میں ہمارے دیار میں حیلہ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ امام مسجد صاحب قرآن حکیم اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں۔ نقدی اور اشیاء خوردنی سامنے رکھتے ہیں۔ فقراء ومساکین اور عامۃ المسلمین کو حلقہ میں کھڑا کرتے ہیں۔ اور حیلہ اسقاط کے یہ الفاظ پڑھتے ہیں۔ **کل حق من حقوق اللہ تعالیٰ**

من الفرائض والواجبات والكفارات والمنذورات وغيرها مما وجبت في ذمة هذا الميت المتوفى عنه فالآن عاجز عن ادآءها فاعطيتكم هذا المصحف الشريف مع هذه النقودات المالية في حيلة الاسقاط رجاء من الله تعالىٰ ان يغفرله ۔ (ترجمہ) ہر وہ حق جو حقوق اللہ تعالیٰ سے فرائض وواجبات کفارات اور منذورات وغیرہا کی قسم سے اس میت کے ذمہ میں باقی رہ گیا ہے۔ اور اب یہ اس کی ادائیگی سے عاجز ہے میں نے تمہیں اس کے عوض میں یہ مصحف شریف اور یہ مالی نقودات بطور حیلہ اسقاط دے دیئے ہیں۔ اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ میت کی بخشش فرمائے گا۔

اس کے جواب میں حلقہ کا ہر شخص قبلته ثم اعطيتكه کہتا ہے۔ پھر امام مسجد حیلہ کے یہ الفاظ پڑھتے ہیں اور حلقہ والے جواب دیتے ہیں۔ پھر تیسری مرتبہ ایسا کیا جاتا ہے اور دعائے مغفرت مانگ کر یہ سب اشیاء امام مسجد اور حاضرین فقراء ومساکین پر تقسیم کردی جاتی ہیں۔

حیلہ اسقاط کا یہ طریقہ اگرچہ صحیح ہے اور اس سے میت کو فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح اور مفید وہی طریقہ ہے جو فقہائے کرام نے اپنی اپنی کتب مبارکہ میں لکھا اور ہم نے اسے بالتفصیل گذشتہ اوراق میں بیان کیا۔ لہذا مسلمان کوشش کیا کریں کہ حلقہ کے دور میں اتنے فقراء ومساکین کھڑے ہوں جن کی کثرت کی وجہ سے چند بار کے لوٹ پھیر سے میت کے ذمہ میں رہ جانے والے کل فرائض وواجبات کا فدیہ ادا ہو جایا کرے۔

وهذا آخر ما اردنا ايراده في هذه المقالة المفيدة تقبلها الله تعالىٰ بمنه العظيم ورسوله الكريم ﷺ. (۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھبیسواں مقالہ

مسئلہ توسل بالقرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علی رسوله محمد وآله واصحابه اجمعین . اما بعد!

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ہمارے علاقہ میں قدیم زمانہ سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد علمائے دین حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور میت کا وارث امام صاحب کو قرآن پاک لاکر دیتا ہے۔ امام مسجد صاحب تسبیحات پڑھتے ہیں۔ اور قرآن پاک کا دورہ حلقہ میں بیٹھنے والے علماء سے تین بار کرانے کے بعد قرآن پاک کے وسیلہ سے مغفرت مانگتے ہیں۔ آج کل کے بعض قاری کہلانے والے لوگ اس طریقہ رواج کو بدعت کہتے ہیں اور ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ طریقہ رواج از روئے شرع شریف بمطابق فقہ حنفی کیسا ہے؟ بینوا توجروا (المستفتی شیخ عبد الجبار عاصی نائب ناظم انجمن احباب اہل سنت ساکن نگدر تحصیل اٹھمقام ضلع مظفر آباد آزاد کشمیر)

الجواب بتوفیق اللہ الوھاب عزوجل

اموات المسلمین کی بخشش جس ذریعہ سے بھی حاصل ہوسکتی ہو حاصل کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ **من استطاع منکم ان ینفع اخاه فلیفعل** ۔ تم میں سے جو کوئی اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکے اسے نفع پہنچانا چاہیے۔ (مسلم شریف ص ۱۳۱ ج ۲) جس طرح قرآن پڑھ کر اس کا ثواب مسلمان میت کو پہنچانے میں اس کی بخشش کی امید ہے۔ اسی طرح میت کی طرف سے قرآن مجید صدقہ کرنے میں بھی اس کی بخشش کی امید ہے۔ قرآن مجید کے وسیلہ سے میت کی مغفرت مانگنا شرعاً جائز بلکہ محبوب ومستحسن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **یایها الذین امنوا اتقوا الله وابتغوا الیه الوسیلة** . اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو (پ ۶ ع ۱۰) امام ابو اللیث سمرقندی حنفی اپنے فتاوی میں اور امام احمد غزالی کتاب منہاج الواضح میں فرماتے

ہیں، حدثنا العباس بن سفیان عن ابی علیة عن عون عن محمد عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما قال قال عمر ایها المسلمون اجعلوا القرآن وسیلة لنجاة الموتی فتحلقو اوقولو اللهم اغفر لهذا المیت بحرمة القران المجید ۔ حضرت عباس بن سفیان نے ابوعلیہ سے انہوں نے عون سے انہوں نے محمد سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے مسلمانو! اموات کی نجات کیلئے قرآن کو وسیلہ بناؤ سو حلقہ باندھو اور کہو۔ اے اللہ۔ قرآن کے وسیلہ سے اس میت کی مغفرت فرمادے۔ (آمین) (المدارج السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ ص۳۱ مولانا عامر القادری مطبوعہ ترکی)

اور امام ابو اللیث سمرقندی حنفی فتاوی میں اور امام احمد غزالی منہاج الواضح میں فرماتے ہیں۔ وثبت بهذا السند ایضا اخبر سعد عن ایوب عن جمیع عن عبد الرحمن عن ابی بکر انه وجد عمر یدور القرآن والقرآن شافع للمؤ منین حیاتاً بعد ممات ۔ اور اس سند سے یہ روایت بھی ثابت ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوران قرآن کرتے ہوئے پایا اور قرآن ایمان والوں کیلئے زندگی میں اور موت کے بعد شفاعت کرنے والا ہے۔ (مدارج السنیۃ ص۳۱)

قرآن مجید کے آخر میں جو دعاء لکھی ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔ اللهم ارحمنی بالقرآن العظیم ۔ اے اللہ تعالیٰ قرآن عظیم کے وسیلے سے میری بخشش فرما دے۔

مقام غور ہے کہ جب قرآن عظیم کے وسیلہ سے اپنے لئے رحم کی دعاء مانگ سکتا ہے۔ تو پھر اسی قرآن عظیم کے وسیلہ سے میت کے لئے رحم ومغفرت کی دعاء مانگنا کیونکر جائز نہ ہوگا۔ حیلہ اسقاط میں یہی تو ہوتا ہے کہ قرآن عظیم کے وسیلہ سے میت کے لئے مغفرت کی دعاء مانگی جاتی ہے۔ پھر بے دینوں کا اسے بدعت وناجائز کہنا کیسے صحیح ہوگا۔

مولوی حمداللہ داجوی لکھتے ہیں۔ نعم بقی بعد خبا یافی زوایا الکلام منها وضع المصحف حین الدورة فنقول بتوفیق الله تعالی ان المقصود من وضع المصحف التوسل با لمصحف والنجدیة ینکرون عن التوسل بغیر الاعمال الصالحة وقد ثبت التوسل با لقرآن العظیم قال علیه السلام اللهم ارحمنی با لقرآن العظیم فلعلها تقبل بوسیلة القرآن۔ باقی رہا حیلہ ءاسقاط کے وقت حلقہ میں قرآن رکھنا تو اللہ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ حلقہ میں قرآن رکھنے سے مقصود قرآن مجید کا وسیلہ پکڑنا ہوتا ہے۔نجدی وہابی لوگ اعمال صالحہ کے غیر سے توسل کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن عظیم سے وسیلہ پکڑنا ثابت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔اے میرے اللہ۔قرآن عظیم کے وسیلہ سے مجھ پر رحم فرما۔ پھر اس موقع پر قرآن مجید اس لئے بھی رکھا جاتا ہے کہ شاید قرآن مجید کی برکت سے حیلہ مقبول ہو جائے۔(البصائر لمنکری التوسل باھل المقابر ص ۱۳۸)

اموال حیلہ میں مصحف شریف کو شامل کرنے کی دوسری وجہ میت کی طرف سے مصحف صدقہ کر کے اسے اس کے لئے صدقہ جاریہ بنانا ہوتا ہے۔تاکہ یہ مصحف جب تک فقیر کے پاس رہے۔اور وہ اس سے تلاوت کرتا رہے۔اس کا ثواب اس میت کو بھی ملتا رہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ اذامات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاث الا من صدقة جاريةٍ او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله ۔جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل اس سے منقطع ہو جاتا ہے۔سوائے تین عملوں کے سوائے صدقہ جاریہ کے اور نفع بخش علم کے اور نیک اولاد کے جو اس کے لئے دعا مانگے (مسلم شریف ۳۰ ج ۱)

اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا۔ ان مما یلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علما علمه ونشره وولدا صالحا او مصحفا ورثه او مسجداً بناه او بیتا لابن السبیل بناه او نهرا اجراه او صدقة اخرجها

من ماله فی صحته و حیاته تلحقه من بعد موته ۔ مومن کو اس کے اعمال اور اس کی نیکیوں میں سے جو کچھ اسے مرنے کے بعد ملتا ہے۔ وہ علم ہے جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا یا نیک اولاد ہے۔ یا ورثہ میں چھوڑا ہوا قرآن ہے۔ یا اس کی بنائی ہوئی مسجد یا مسافر خانہ ہے۔ یا اس کی کھودی ہوئی نہر ہے۔ یا اس کا اپنے مال سے صحت او زندگی میں نکالا ہوا صدقہ ہے۔ یہ صدقہ اسے اس کی موت کے بعد ملتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص۲۲ ج ۱)

الحمد للہ! یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے یہ اظہر من الشمس ہوا کہ میت کی طرف سے قرآن مجید صدقہ کیا جائے تو وہ اس کے لئے صدقہ جاریہ بن جاتا ہے۔ اور اس صدقہ کا ثواب میت کو قبر میں ملتا ہے۔ اموات المسلمین کی نجات اور بخشش کے لئے قرآن عظیم کے وسیلہ سے دعاء مانگنا سنت فاروق اعظم ہے۔ وھذا ھو المقصود ثم الحمد للہ علی ذلک.

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حلقہ میں قرآن مجید کو کیوں پھرایا جاتا ہے؟ سو اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کا دور تکثیر مصحف شریف کے لئے کیا جاتا ہے۔ یعنی جب قرآن شریف وارث نے ایک عالم دین کو میت کی خاطر صدقہ کیا تو حسب قاعدہ شرعیہ تبدل العین بتبدل الملک دوسرے صدقہ کا ثواب بھی میت کو ملا پھر دوسرے نے تیسرے پر تیسرے نے چوتھے پر اور چوتھے نے پانچویں عالم دین پر میت کی خاطر صدقہ کیا تو میت کو ان سب صدقوں کا ثواب ملا۔ وعلی ھذا القیاس۔ سو یا پچاس اشخاص پر تصدق ہو تو اتنے صدقات کا ثواب ملا۔ جس طرح تکثیر اموال حیلہ کے لئے دور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس صدقہ مصحف کی تکثیر کے لئے اس کا دور بھی کرایا جاتا ہے۔ مولوی عبدالرحیم میتہ حیلوی لکھتے ہیں۔ واما حیلۃ الاسقاط فانما تکون لتکثیر المال فان المال اذا کان قلیلا والفدایا کثیرۃ فلا بد من تلک حیلۃ الاسقاط کما ذکرنا من الھدایۃ ورد المحتار والجامع ونور الایضاح والبحر

وغیرہ. اورحیلہ اسقاط تومال بڑھانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جب مال حیلہ تھوڑا ہو اور فدیے زیادہ ہوں تو اس حیلہ اسقاط سے چارہ نہیں۔ جیسا کہ ہم نے ہدایہ ردمختار نور الایضاح اور بحرالرائق وغیرھا کتب معتبرہ حنفیہ سے ذکر کیا (سعادۃ الدارین ص ۱۷ مطبوعہ ثنائی پریس سرگودہا)

حیلہ اسقاط کے وقت قرآن مجید کا دور کرانا بدعت نہیں۔ بلکہ سیدنا عمر فاروق اعظم کی سنت مبارکہ ہے۔ اوران کے دور سعید سے آج تک مسلمانوں میں بلانکیر رائج ومعمول رہا ہے۔ چنانچہ مولانا عامر القادری فرماتے ہیں۔ حیلة الاسقاط وجمعه الحیل وتعریفه ما یحتال به الرجل. بحمد الله تعالی وعونه یفعلون حیلة الاسقاط من زمان عمر الی الآن الی ان قال قال المؤرخ صاحب الفتوح محمد بن عمر الواقدی اخبر ابو عاصم عن ابن جریح عن ابن شهاب عن ابی سلمة عن ابی موسی الاشعری قال فعل عمر تدور جزء القرآن من مالی لا الی عم یتساء لون فی عشرین رجلا بعد صلوة الجنازة لامراء ة ملقبة بجیبة زوجة قلاب وفی نسخة ملاب فتاوی سمر قندی لابی لیث ومنهاج الواضح ص ۲۶۴ ودرة البررللامام الغزالی۔ حیلة کی جمع حیل ہے۔ اورحیلہ کی تعریف ہے۔ وہ شےء جس کے ذریعے سے آدمی تدبیر کرے۔ لوگ فاروق اعظم کے زمانے سے لےکر آج تک بحمدہ تعالی حیلہ اسقاط کرتے چلے آرہے ہیں۔ امام محمد بن عمر واقدی صاحب الفتوح نے فرمایا ابن عاصم نے ابن جریح سے انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے ابی سلمة سے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے خبردی ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قلاب یا ملاب نامی شخص کی جیبہ نامی بیوی کی نماز جنازہ کے بعد قرآن مجید کے جز ۲۳ پارے سے ۳۰ پارے تک بیس آدمیوں میں گھمایا۔ اسے امام ابولیث سمرقندی نے اپنے فتاوی میں اور امام غزالی نے منہاج الواضح اوردرۃ البرر میں نقل کیا ہے۔ (المذارج السعیہ ص ۲۹)

اور مولوی حمد اللہ داجوی فاضل مظاہر العلوم سہار نپور لکھتے ہیں۔ وایضا ذکر فی الفتاوی السمر قندیة دوران اجزاء القرآن وکذا الواقدی فی فتوح الشام فقال اخبرہ ابو عاصم عن ابن جریج عن ابی سلمة عن ابی موسی قال فعل عمر اے دوران القرآن ۔اور فتاوی سمرقندیہ میں بھی (میت کے حیلہ ءاسقاط کے وقت) قرآن مجید کے جزووں کا دوران ذکر کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح امام واقدی نے فتوح الشام میں حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے۔ کہ (میت کے حیلہ ءاسقاط کے وقت) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قرآن کو گھمایا (البصائر ص ۱۳۸)

جن لوگوں نے اس حدیث دوران اجزاء القرآن پر نکتہ چینی کی ہے۔ ان کی تردید میں مولوی حمد اللہ داجوی لکھتے ہیں۔ اس حدیث پر جو تنقید کی گئی ہے۔ اس کے بارہ میں ہم کہتے ہیں۔ کہ امام ابو اللیث سمرقندی حنفی کی وفات ۳۷۳ھ میں ہوئی جیسا کہ الجوہر المضیة ص ۱۹۴ الفوئد البھیة فی تراجم الحنفیة ص ۲۲۰ اور مفتاح السعادۃ ص ۱۳۹ ج ۲ میں مذکور ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ اجتہاد کا زمانہ تھا اور ایک امام مجتہد جب کسی روایت سے استدلال کرے پھر ناقدین حدیث اس کے استدلال کے بعد اس روایت میں تنقید کریں تو ان کی تنقید اس کے استدلال کو ضرر نہیں پہنچاتی کیا تو نہیں دیکھتا کہ کتب احادیث وفقہ کے اکثر حاشیہ نگار حنفیوں کی لی ہوئی حدیثوں پر اعتراض اٹھاتے ہیں کہ یہ ضعیف یا غریب ہیں۔ یا ہم نے انہیں کتب احادیث میں نہیں پایا۔ یا اس سے ملتے جلتے اعتراضات ذکر کرتے ہیں اور پھر خود ہی ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ ان ھذا الکلام بعد تمسک الامام فلا یضر الاستدلال. یہ اعتراض امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کرنے کے بعد پیدا ہوا لہذا یہ ان کے استدلال کو ضرر نہیں پہنچاتا پھر آگے لکھتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ اوپر ذکر کیا اس پر دلیل علامہ شیخ عبدالوھاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول ہے جو انہوں نے المیزان الکبری مطبوعہ مصر ص ۶۷ میں لکھا کہ اگر تو

کہے کہ جب تم نے یہ دعویٰ کیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی احادیث میں سے کوئی حدیث ضعیف نہیں۔ کیونکہ امام اعظم اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تابعین وصحابہ راوی ہوتے ہیں۔ اور وہ جرح سے سالم ہیں تو پھر تمہارے پاس بعض حفاظ حدیث کے اس قول کا جواب کیا ہے کہ امام اعظم کی لی ہوئی بعض حدیثیں ضعیف ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان حفاظ کے قول کو اس بات پر محمول کرنا ہم پر واجب ہے کہ ان حفاظ نے امام صاحب کی وفات کے بعد امام صاحب کے تینوں مسانید میں ہمیں جو حدیث بھی ملی ہے وہ صحیح ہے۔ لانہ لو لا صح عندہ لما استدل بہ و لا یقدح فیہ وجود کذاب او متھم بالکذب مثلا فی سندہ النازل عن الامام و کفانا حجیۃ الحدیث استدلال مجتھد بہ ثم یجب العمل علینا بہ لو لم یرو غیرہ۔ کیونکہ اگر امام صاحب کے نزدیک حدیث صحیح نہ ہوتی تو وہ اس سے استدلال نہ کرتے پس امام صاحب کے بعد کے راویوں میں سے کسی کا کذاب یا متہم بالکذب ہونا ان کی حدیث میں کوئی عیب پیدا نہیں کرے گا اور ہمارے لئے حدیث کے حجت ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ امام مجتہد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہو۔ پھر ہم مقلدین پر اس حدیث پر عمل کرنا واجب ہے۔ اگر چہ اس کو کسی دوسرے محدث نے روایت نہ کیا ہو۔ پھر امام شعرانی فرماتے ہیں۔ فتامل ھذہ الدقیقۃ التی نبھتک علیھا فلعلک لا تجدھا فی کلام احد من المحدثین و ایاک ان تبادر الی تضعیف شئی من ادلۃ مذھب الامام ابی حنیفہ بعد تطالع مسانیدہ الثلاثۃ و لم تجد ذلک الحدیث فیھا اھ۔ پس تو اس نکتہ پر غور کر جو میں نے تجھے بتایا ہے۔ شاید تجھے یہ نکتہ محدثین میں سے کسی اور کے کلام میں نہ ملے اور تو امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کسی حدیث کو ضعیف قرار دینے میں جلد بازی سے بچ بعد اس کے کہ تو وہ حدیث امام صاحب کے تینوں مسانید کا مطالعہ کرنے کے بعد ان میں نہ پائے اھ کلام الشیخ الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد مصنف لکھتے ہیں۔ و للہ در العلامۃ الشعرانی حیث رد بذلک

اقوال کثیر من الوھابیین حیث قالوا تمسک الامام الاعظم بضعاف وھذا یدل علی جھلھم عن قواعد الدین ومفاسد الجھل مما یضیق عنھا نطاق البیان خدا امام شعرانی کا بھلا کرے جنہوں نے یہ دقیق نکتہ بیان فرمایا جو سونے کے پانی سے لکھے جانے کا مستحق ہے۔ کیونکہ امام شعرانی نے اس نکتہ سے بہت سے وہابیوں کے اقوال کی تردید کی ہے کہ امام اعظم ضعیف حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ اور یہ بات وہابیوں کی قواعد دین سے جہالت پر دلالت کرتی ہے۔ اور جہالت کے مفاسد بیان سے باہر ہیں۔ (البصائر لمنکری التوسل باھل المقابر ص ۱۳۸)

الحمد للہ ! یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے اموات المسلمین کی بخشش حاصل کرنے کے لئے قرآن عظیم کو وسیلہ بنانے کا جواز واستحسان اظہر من الشمس ہوا۔ استفتاء میں مذکور قاری کہلانے والے شخص کا اسے بدعت وناجائز کہنا بذات خود بدعت وناجائز ہے۔ ایسے جاہل اجہل قاریوں سے کوئی اتنا ہی تو پوچھے کہ بدعت کیا ہوتی ہے؟ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور آیا بدعت کی کوئی قسم حسن ومحمود بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ جو کام سیدنا فاروق اعظم نے کیا اور آج تک مسلمانوں میں بلا نکیر رائج ومعمول رہا ہو اسے بد مذھب شخص کے سوا کون بدعت وناجائز کہہ سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالی منہ.

علی سبیل التنزل. اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حیلہ اسقاط میں قرآن عظیم کو وسیلہ بنانا عہد رسالت مآب ﷺ یا سلف صالحین کے ادوار سعیدہ میں پایا نہیں گیا تو اس سے اس کا بدعت وناجائز ہونا کیونکر ثابت ہوگا۔ بدعت بدعت کی گردان پڑھنے والوں کے گھروں میں بھی آج صدہا ایسے کام پوری آب وتاب سے موجود ہیں۔ جن کا وجود عہد نبوت میں تو کجا عہد سلف صالحین میں کہیں پایا نہیں جاتا۔ تفصیل کیلئے ہماری کتاب بدعت حسنہ کا بیان ملاحظہ ہو۔

وھذا آخر ما ارد ایرادہ فی ھذہ المقالۃ النافعۃ تقبلھا اللہ تعالی بمنہ العظیم ورسولہ الکریم ﷺ. (۲۴ جمادی الاخری ۱۴۰۶ ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ستائیسواں مقالہ

بیان الاجر فی آذان القبر

(قبر پر آذان دینے کا ثبوت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ

واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد!

اس مختصر مقالہ ''بیان الاجر فی آذان القبر'' میں ہم نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز اور بعض علماء اہل سنت کے بعض فتاویٰ مبارکہ قبر پر آذان دینے کے بارہ میں جمع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو شرف مقبولیت بخشے اور ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین

(۱) اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

مسئلہ: بعد دفن میت کی قبر پر آذان دینا جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب: جائز ہے فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ ایذان الاجر فی آذان القبر لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (عرفان شریعت ص ۲۴)

(۲) اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا فتویٰ

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جنازہ لے چلیں تو سرہانہ آگے کریں یا پائنتی۔ ایک شخص کہتا ہے کہ پائنتی آگے کرنے کا حکم ہے۔ میں نے علماء سے پوچھ لیا ہے اور قبر پر آذان کہنے کو ایک شخص حرام و ناجائز کہتا ہے۔ اس میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس شخص نے محض غلط کیا۔ جنازہ لے چلنے میں سرہانہ آگے کرنے کا حکم ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ فی المشی بالجنازۃ یقدم الراس کذا فی المضمرات۔ (جنازہ کے ساتھ چلنے میں اس کے سر کو آگے رکھا جائے)

قبر پر آذان دینے کو جس نے حرام کہا محض غلط کہا۔ اگر سچا ہے تو بتائے کہ کس آیت یا حدیث میں اس کو حرام فرمایا ہے۔ اگر نہ بتائے اور ہرگز نہ بتا سکے گا تو خدا اور رسول پر

افتراء کرنے کا اقرار کرے۔ حرام وہ ہے جسے خدا اور رسول نے حرام فرمایا اور واجب وہ ہے جسے خدا اور رسول نے واجب کہا۔ حکم دیا۔ لیکن وہ چیزیں جن کا نہ خدا اور رسول نے حکم دیا۔ نہ منع کیا۔ وہ سب جائز ہیں اور انہیں حرام کہنے والا خدا اور رسول پر افتراء کرتا ہے۔ فقیر کا خاص اس باب میں رسالہ طبع ہوگیا ہے۔ اسے دیکھ کر اس آذان کے فوائد معلوم کریں۔ اس میں پندرہ دلیلوں سے اس کے اصل جواز کا ثبوت دیا گیا ہے۔ جو مدعی حرمت کا ہے۔ پہلے اس کے حرام ہونے کا آیت و حدیث سے ثبوت دے۔ جب نہ دے سکے تو اپنے کذب کا اقرار اور آذان کے جائز ہونے کا اعتراف کرے۔ اس کے بعد جو بیان ہووے سب ہو جاوے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۹۴)

(۳) صاحب بہار شریعت کا ارشاد

مسئلہ: بچے اور مغموم کے کان میں اور مرگی والے اور غضب ناک اور بد مزاج آدمی یا جانور کے کان میں اور لڑائی کی شدت اور آتش زدگی کے وقت اور بعد دفن میت اور جن کی سرکشی کے وقت اور مسافر کے پیچھے اور جنگل میں جب راستہ بھول جائے اور کوئی بتانے والا نہ ہو اس وقت آذان مستحب ہے۔ (ردالمحتار) وبا کے زمانے میں بھی مستحب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ) (بہار شریعت جلد سوم ص ۳۱)

(۴) مفتی غلام رسول صاحب کا فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ جب میت کو قبر میں دفن کرتے ہیں تو پھر قبر پر آذان دینی جائز ہے یا نہیں؟ ایک سائل۔

الجواب بعونہ تعالیٰ: قبر پر آذان دینی چاہئے تاکہ میت ملائکہ (منکر و نکیر) کے سوالوں کا باطمینان جواب دے سکے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔ جو مسلمان دفن کیا جائے اسے کلمہ پاک کی تعلیم و تلقین کرنی چاہئے تاکہ وہ ملائکہ کو جواب دے سکے اور بے شک آذان میں کلمہ لا الہ الا اللہ تین جگہ موجود ہے۔ بلکہ آذان

کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں۔ ان کے سوال تین ہیں۔ (۱) من ربک۔ تیرا رب کون ہے؟ (۲) ما دینک۔ تیرا دین کیا ہے؟ (۳) ما کنت تقول فی حق هذا الرجل. تو نبی ﷺ کے بارہ میں کیا اعتقاد رکھتا تھا؟ اب آذان کی ابتداء الله اکبر الله اکبر الله اکبر الله اکبر. اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان لا اله الا الله اور آخر میں الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله ۔ سوال من ربک کا جواب سکھائیں گے۔ ان کے سننے سے یاد آئے گا کہ میرا رب الله ہے اور اشهد ان محمد رسول الله اشهد ان محمدا رسول الله . سوال ۔ ما کنت تقول فی حق هذاالرجل کا جواب تعلیم کریں گے کہ میں انہیں الله کا رسول جانتا ہوں۔ اور حی علی الصلوٰة حی علی الفلاح جواب ما دینک کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے کہ الصلوٰة عماد الدین تو بعد دفن آذان دینے میں ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی ﷺ نے حدیث صحیح متواتر مذکور میں فرمایا۔ (ایذان الاجر فی آذان القبر ص ۶)

معلوم ہوا کہ قبر پر آذان دینی شرعا جائز ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب انوار الشریعت میں بھی بیان کیا ہے۔ والله ورسوله اعلم بالصواب ۔ (فتاویٰ جامعیہ ص ۱۳۶)

(۵) مفتی اقتدار احمد صاحب نعیمی کا فتویٰ

مفتی اقتدار احمد نعیمی گجراتی کے مرتبہ مجموعہ فتاویٰ موسوم بہ العطایا الاحمدیہ میں اس مسئلہ کے بارہ میں ایک فتویٰ بزبان فارسی موجود ہے۔ ہم افادۂ عامۃ المسلمین کے لئے اس کا ترجمہ پیش کررہے ہیں۔ وبالله تعالیٰ التوفیق.

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم مسلمان لوگ میت دفنانے کے بعد آذان دیتے ہیں اور حسب توفیق حیلہ اسقاط اور میت کے لئے ایصال

ثواب کرتے ہیں۔اس زمانے میں نجدی دیوبندی گروہ خذلھم اللہ تعالیٰ فی الدارین ان کاموں سے بڑی شدت سے روکتے ہیں۔لیکن ان کی باتیں ہباء منثوراً کی طرح ہو جاتی ہیں۔علامہ ابن عابدین کہ فتاویٰ شامی والے ہیں۔اپنے فتاویٰ کی پہلی جلد باب دفن میت کے صفحہ نمبر ۸ میں میت کی آذان سے منع کرتے ہیں۔پس آپ یہ بتائیں کہ ان کا قول صحیح ہے یا ہمارا فعل۔یا شامی کا قول ہماری سمجھ میں نہیں آیا لہذا جلد آگاہ فرمائیں۔جزاکم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء۔

شامی کی عبارت اس طرح ہے۔وفی الانتصار علی ما ذکر من الوارد اشارة الی انہ لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن۔لیکن علامہ شامی کی اس عبارت کی ایک توجیہ ہمیں معلوم ہوتی ہے۔اگر درست ہے تو فبہا اور وہ یہ ہے کہ شامی کی عبارت میت کو قبر میں داخل کرتے وقت آذان کا حکم بیان کرتی ہے۔مگر ہم مسلمان میت کو قبر میں داخل کرنے کے بعد اور اسے دفن کرنے اور اس پر مٹی ڈالنے اور قبر تیار ہو جانے کے بعد آذان دیتے ہیں۔آیا یہ توجیہ درست ہے یا نہیں۔ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز علامہ ابن عابدین کے نزدیک مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے۔اس زمانے میں ہم سب اہل سنت مقتدائے اہل اسلام اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کے قول پر عمل کرتے ہیں۔آگاہ فرمائیں کہ مومنوں کی قبور پر یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ (السائل: محمد عثمان خطیب جامع مسجد منگھ پیر روڈ راشن شاپ نمبر ۲۳۰ کراچی)

الجواب بعون العلام الوہاب:

شریعت پاک کے قانون کے مطابق دس مقامات میں شرعی آذان دینا جائز اور سنت ہے۔کیونکہ یہ آذانین مختلف احادیث کی عبارتوں سے ثابت ہیں۔ان میں پہلی پنجگانہ نمازوں کے لئے ہے۔نماز جمعہ بھی ان پنجگانہ نمازوں میں شامل ہے۔سن لیجئے کہ نماز جمعہ چھٹا فرض نہیں ہے۔جیسا کہ اس زمانے میں چند جہلاء کہتے ہیں۔دوسری نومولود کے کان میں جیسا کہ متعدد روایات سے بالتصریح ثابت ہے۔تیسری آتش زدگی کے وقت

چوتھی کفار سے جنگ کے وقت۔ پانچویں مسافر کے لئے۔ چھٹی کسی کے غضب ناک ہو جانے کے وقت۔ ساتویں اگر جن ظاہر ہو جائے تو اس کے ضرر کے دفع کرنے کے لئے۔ آٹھویں مرگی کے وقت۔ نویں جب مسافر راستہ بھول جائے اور دسویں غم اور صدمہ دور کرنے کے لئے، ان دس مقاموں میں صراحۃً یا عبارۃً حدیثیں وارد ہیں لیکن گیارہواں مقام وہی ہے جس کے بارہ میں سوال میں پوچھا گیا ہے۔ یعنی میت کو دفن کرنے کے وقت۔ بعد از افگندن خاک وقبر برابر ساختن پیش از سوال فرشتگان منکر ونکیر بر قبور مومنین آذان دادن بہتر است ہیچ کس از فقیہان وعالمان منکر این نیست وایں کار کردن برائے نفع فوت شدگان خوب تر است ونزد من ایں آذان ہم مسنون است واز اشارۂ حدیث مشہورہ ثابت می شود۔ یعنی مٹی ڈالنے اور قبر درست کرنے کے بعد نکیرین کے سوالات سے پہلے مومنوں کی قبروں پر آذان دینا بہتر ہے۔ کسی بھی فقیہ اور عالم دین کو اس سے انکار نہیں۔ یہ کام کرنا فوت شدہ لوگوں کے نفع کے لئے بہت خوب ہے اور میرے نزدیک یہ آذان بھی مسنون ہے اور حدیث مشہور کے اشارہ سے (اس کی سنیت) ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے کہ آقائے کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا اے مسلمانو! تم اپنے مردوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ کی آواز پہنچاؤ۔ عربی زبان میں موتی ان اشخاص کو کہتے ہیں جو حقیقۃً مر چکے ہوں اور ان کو بھی موتی کہتے ہیں، جو قریب الموت ہوں مجاز کے طور پر۔ اور حقیقی معنی کا ترک بلا عذر جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اصول شامی ص۱۲ میں یہ قاعدہ لکھا ہوا ہے۔ **وان کان لها مجاز متعارف فالحقیقة اولیٰ** - اور اس کے حاشیہ پر ہے۔ **لان الاصل فی الکلام الحقیقة**۔ (ترجمہ) اگر لفظ کا مجازی متعارف معنی موجود ہو تو اس کے باوجود اس کا حقیقی معنی مراد لینا بہتر ہے۔ کیونکہ قرینہ کے بغیر مجاز کو مراد لینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ تلویح علی التوضیح ص ۲۵۵ پر لکھا ہے۔ **لابد للمجاز من قرینة مانعة عن ارادة المعنی الحقیقی** ۔ (ترجمہ) مجاز کے لئے ایسا قرینہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ جو حقیقی معنی کو مراد لینے سے روکے۔ اور مختصر

المعانی ص ۲۵۱ پر بھی اسی طرح فرمایا۔ فخرج المجاز لان دلالته علی ذالک المعنی انما تکون بقرینة۔ (ترجمہ) پس اس تعریف حقیقت سے مجازی معنی خارج ہو گیا۔ کیونکہ مجازی معنی قرینہ کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے بذات خود ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہ سوَب اقوال اس وجہ سے ہیں کہ اصول کا مشہور قاعدہ کلیہ ہے۔ اذا تعذر الحقیقة فیصرف اللفظ الی المجاز۔ (ترجمہ) جب حقیقت مشکل ہو جائے تو لفظ مجازی کی طرف پھیرا جاتا ہے۔

پس اس حدیث لقنوا موتاکم بلااله الا الله میں موتی کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ مجازی کے لئے اس جگہ کوئی قرینہ موجود نہیں۔ اور اس روایت شریف کا مقصد یہ ہے کہ قبر کے سوالات سے پہلے دفن کے بعد بھی تلقین کرنی چاہئے۔ اسی وجہ سے بعض فقہاء قبر پر آذان کو مسنون کہتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ شامی نے شامی ص ۳۷۵ ج ا میں فرمایا۔ قیل وعند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا۔ (ترجمہ) کہا گیا ہے کہ میت دفنانے کے بعد اس کی قبر پر آذان دینا سنت ہے کہ نومولود کی آذان پر قیاس کیا جائے گا۔ ہاں اس آذان کی سنیت اشارۃً اور قیاساً ثابت ہے نہ کہ پنجگانہ نمازوں کی آذان کی طرح صراحۃً وعبارۃً وعملاً اس کا ثبوت ہے۔

قبر کی آذان حدیث لقنوا موتاکم بلا اله الا الله لفظ موتا اور لفظ لا اله الا الله کے اشارہ سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ لا الـــه الا اللهآذان میں بھی ہے اور یہ بات دوسری حدیث سے بھی ثابت ہے کہ دفن کے بعد آذان دینا سنت ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل اور طبرانی روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ لمن دفن سعد بن عبادة الخ سبح النبی ﷺ وسبح الناس طویلا ثم کبر وکبر الناس الخ۔ (ترجمہ) جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا اور ان

کی قبر درست کر دی گئی تو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بآواز بلند کافی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر اسی طرح تکبیر پڑھتے رہے۔ اور بلند آواز سے دی جانے والی آذان میں بھی اسی قسم کی تکبیر موجود ہے۔ پس اس عمل مبارک کے قیاس سے قبر پر آذان کی سنیت ثابت ہے۔

جاننا چاہئے کہ موتیٰ کا لفظ قرآن وحدیث میں تین معنوں میں مستعمل ہے۔ (۱) حقیقی معنی میں جیسا کہ اس حدیث لقنوا موتاکم بلاالہ الا اللہ میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ عموم المجاز مراد ہے۔ یعنی حقیقی اور مجازی دونوں معنی عموم المجاز کے طور پر مراد ہیں۔ (۲) مشکوٰۃ شریف میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اقرؤا سورۃ یسین علی موتاکم۔ اپنے مرنے والوں کے پاس سورۃ یسین پڑھو۔ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ۔ اس روایت میں لفظ موتیٰ حرف جار علیٰ کے قرینہ سے اور صحابہ کے دور سے اس دم تک کے مسلمانوں کے عمل کی وجہ سے مجازی معنی میں آیا ہے۔ حرف جار علی عند کے معنی میں مجازاً مستعمل ہوا ہے، اور عند کا لفظ قریب مکانی کو مستلزم ہے اور دفن کے بعد قرب مکانی ممکن نہیں ہے۔ یہ دونوں قرینے پہلی حدیث میں نہیں ہیں پس اس جگہ حقیقی معنی لازم اور اس جگہ مجازی معنی مراد ہے۔ (۳) آیت قرآنی انک لاتسمع الموتی۔ (ترجمہ) اے حبیب ﷺ آپ مردوں کو نہیں سناتے۔ اس مقام پر لفظ موتی نہ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور نہ مجازی معنوں میں بلکہ عموم المجاز میں۔ کیونکہ موتیٰ سے یہاں مراد وہ کافر ہیں جو اپنی ظاہری زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔

پس ان عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی قبور پر دفن کے بعد آذان دینا سنت ہے مگر اس کی سنیت قیاس سے اور اشارۃ النص اور اقتضاء النص سے ہے۔ عبارۃ النص اور دلالۃ النص سے نہیں۔ اسی وجہ سے امام ابن حجر شافعی اپنی کتاب شرح عباب میں اس آذان کی صرف سنیت کا انکار کرتے ہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ شامی ج ا ص ۳۵۸ میں لکھا

ہے۔ لکن ردہ ابن حجر فی شرح العباب ۔(ترجمہ) لیکن ابن حجر نے شرح العباب میں اس کی سنیت کا انکار کیا ہے۔ اور ابن حجر مکی کی نیابت اور علامہ محمد علاء الدین حصکفی صاحب درمختار کے استاذ علامہ خیر الدین رملی کی موافقت میں علامہ شامی بھی اپنے فتاویٰ کے صفحہ ص ۸۳۷ پر اس عبارت کے ساتھ جو سائل نے یہاں اپنے سوال میں درج کی ہے انکار کرتے ہیں۔ مگر ایں ہمہ انکار ہا انکار سنیت است نہ کہ انکار جواز و استحباب۔ مگر یہ سب سنیت کا انکار ہے۔ جواز اور استحباب کا انکار نہیں ہے۔ اور سنیت کا انکار بھی اس وجہ سے ہے کہ ان کے نزدیک مسنون اس کام کا نام ہے جو صحابہ کے صریح قول یا فعل سے ثابت ہو۔ ولیکن قبر پر آذان اس طرح ہرگز ثابت نہیں ہے اور یہ عدم ثبوت صرف آذان علی القبر کی سنیت پر خلل انداز ہوا نہ کہ اس کے جواز و استحباب پر۔ اسی وجہ سے امام ابن حجر مکی دفن کے بعد آذان کے فائدہ کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ حاشیہ بیجوری ص ۱۹۰ ج ۱ میں ہے۔

قال ابن حجر ورددتہ فی شرح العباب لکن ان وافق انزالہ القبر آذان خفف عنہ فی السوال ۔ (ترجمہ) ابن حجر نے فرمایا اور میں نے قبر پر آذان کی سنیت کا انکار شرح العباب میں کیا ہے۔ لیکن اگر عین میت کو قبر میں اتارنے کے وقت آذان دی جائے تو اس سے قبر کے سوالات میں تخفیف کی جائے گی۔

سبحان اللہ ۔ امام ابن حجر مکی شافعی کے نزدیک ثابت ہے کہ قبر پر اذان بہت فائدہ مند ہے۔ اور فتاویٰ شامی میں اس آذان کو بدعت کہنا سنت کی ضد ہے۔ نہ کہ جواز و استحباب کی ضد۔ پس معلوم شد کہ نزد ابن حجر و شامی و علامہ خیر الدین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔ آذان قبر بدعت حسنہ است نہ کہ سیئہ۔ پس معلوم ہوا کہ ابن حجر و شامی اور علامہ خیر الدین رملی کے نزدیک قبر پر آذان دینا بدعت حسنہ ہے نہ کہ بدعت سیئہ۔ کیونکہ بدعت سیئہ میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ گناہ وارد ہوتا ہے۔ حالانکہ ابھی گزرا کہ ابن حجر کے نزدیک قبر پر آذان میں یہ فائدہ ہے کہ سوال و عذاب میں تخفیف کی

جاتی ہے۔ اور میں کہتا ہوں قبر پر آذان بلحاظ اشارہ النص سنت ہے اور بلحاظ دلالۃ النص بدعت حسنہ ہے اور اس تقسیم کے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے میں نے کتب فقہاء سے جو آذانیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے بعض کی سنیت کا انکار لازم آئے گا مثلاً آتش زدگی کے وقت جو آذان مسنون ہے۔ اس کی سنیت صریح حدیث سے ثابت نہیں بلکہ اس طرح اشارۃ النص سے ثابت ہے۔ چنانچہ امام سیوطی جامع صغیر میں ابن عدی فی الکامل کے حوالہ سے یہ حدیث حسن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اذاراء یتم الحریق فکبروا فانہ یطفیء النار۔ جب تم آگ لگی ہوئی دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ وہ آگ بجھاتی ہے۔ اور امام مناوی کنوز الحقائق میں بحوالہ طبرانی یہ حدیث ان لفظوں سے روایت کرتے ہیں۔ اطفئوا الحریق بالتکبیر۔ تکبیر کے ذریعہ سے لگی ہوئی آگ بجھاؤ۔ ان حدیثوں کی بناء پر آتش زدگی کے وقت کی آذان فقہاء کے اتفاق سے مسنون ہے۔ شامی اور ابن حجر بھی اس آذان کی سنیت کے قائل ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ ردالمحتار ج ا ص ۲۸۳ میں ہے قد یسن الآذان لغیر الصلوٰۃ کمافی آذان المولود والمغموم وعندالحریق۔ (ترجمہ) اور کبھی نماز کے غیر کے لئے بھی آذان مسنون ہوتی ہے جیسا کہ نومولود اور مغموم کے کان میں آذان دینا اور آتش زدگی کے وقت آذان دینا۔ حالانکہ اس روایت میں جس سے علماء اس آذان آتش زدگی کی سنیت سے استدلال کرتے ہیں آذان کا لفظ بالکل موجود نہیں ہے۔ فقط لفظ تکبیر ہے۔ اور فقط لفظ تکبیر آذان کی دلیل ہوا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دفن کی روایت اور لقنوا موتاکم کی روایت میں تکبیر کا لفظ اور لاالہ الااللہ کا لفظ آذان علی القبر کی دلیل نہیں ہوگا اور جب ان بزرگوں کے نزدیک دوسری آذان کے لئے صرف تکبیر کا لفظ دلیل سنیت میں کافی ہے تو پھر یہی تکبیر کا لفظ قبر کی آذان کی سنیت کے لئے کافی کیوں نہ ہو گا۔ اس جگہ صراحت کیوں ضروری ہے پس ہمارے لئے امام ابن حجر کا قول قطعاً مسلم نہیں ہے۔ (۱)۔ خلاصہ این کہ باقانون شریعت نزد ہمہ فقہاء آذان قبر مستحب و جائز و سنت

است ونزد ابن حجر مکی وشامی وعلامہ خیرالدین رملی آذان قبر فقط جائز ومستحب وفائدہ مند است۔ ولے سنت نیست بلکہ بدعت حسنہ۔اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قانون شریعت کی وجہ سے تمام فقہاء کے نزدیک قبر کی آذان مستحب جائز اور سنت ہے اور ابن حجر مکی، شامی اور علامہ خیرالدین رملی کے نزدیک صرف جائز اور مستحب اور فائدہ مند ہے۔ سنت نہیں بلکہ بدعت حسنہ ہے۔

اور شامی کے قول میں تمہاری تاویل درست نہیں ہے کیونکہ میت کو قبر میں داخل کرتے وقت سے مراد دفن کا سارا وقت ہے۔ اور مقصود ادخال میت فی القبر سے نزدیکی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (العطایا الاحمدیہ فی الفتاویٰ النعیمیۃ جلد ۱ ص ۶۹)

رسالہ ایذان الاجر کے اقتباسات

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آذان قبر کے جواز واستحباب کے ثبوت میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا۔ جو فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۵۴۵ میں موجود ہے۔ یہاں اِس رسالے کے چند اقتباسات افادۂ ناظرین کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اس مسئلہ پر مزید روشنی پڑ جائے۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت آذان کہنے کو سنت فرمایا۔ امام ابن حجر مکی اور علامہ خیر الملۃ والدین رملی استاذ صاحب درمختار علیہم رحمۃ الغفار نے ان کا یہ قول نقل کیا۔ حق یہ ہے کہ آذان مذکور فی السوال کا جواز یقینی ہے۔ ہرگز شرع

(۱) ابن حجر شافعی المذہب ہیں۔ فقہ میں ان کا قول اور وہ بھی اپنی رائے اور وہ بھی خلاف دلیل حجت نہیں اھ منہ۔ (حاشیہ بہار شریعت ج ۳ ص ۳۱)

مطہر سے اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں۔ اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا۔ قائلان جواز کے لئے اسی قدر کافی۔ جو مدعی ممانعت ہو دلائل شرعیہ سے اپنا دعوی ثابت کرے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۵۴۵)

(۲) آذان قبر کے جواز کی **دلیل اول** یہ ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا اور سوال نکرین ہوتا ہے۔ شیطان رجیم وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے۔ اور جواب میں بہکاتا ہے۔ امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔ جب مردہ سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے۔ شیطان اس پر ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ اس لئے حکم آیا کہ میت کے لئے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کرو۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔ **ویؤیدہ من الاخبار قول النبی ﷺ عند دفن المیت اللھم اجرہ من الشیطان فلو لم یکن للشیطان ھناک سبیل مادعا ﷺ بذالک** ۔ یعنی وہ حدیثیں اس کی مؤید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس ﷺ میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے۔ الٰہی اسے شیطان سے بچا۔ اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس ﷺ یہ دعا کیوں فرماتے۔ اور صحیح حدیثوں سے ثابت کہ آذان شیطان کو دفع کرتی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہما میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور اقدس سید دو عالم ﷺ فرماتے ہیں۔ جب مؤذن آذان کہتا ہے۔ شیطان پیٹھ پھیر کر گوز زناں بھاگتا جاتا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے۔ اور خود حدیث میں آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً آذان کہو کہ وہ دفع ہو جائے گا۔ **اخرجہ الامام ابو القاسم احمد الطبرانی فی اوسط معاجیمہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ** ۔

جب یہ ثابت ہولیا کہ وہ وقت عیاذاً باللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان آذان سے بھاگتا ہے اور اس میں حکم آیا کہ اس کے دفع کو اذان کہوتو یہ آذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ ارشاد شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امدادواعانت ہوئی۔جس کی خوبیوں سے قرآن وحدیث مالا مال۔(فتاویٰ رضویہ۲ص۵۴۵)

آذان قبر کے جواز کی دلیل دوم:

امام احمد وطبرانی وبیہقی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی فرماتے ہیں۔جب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہو چکے اور قبر درست کر دی گئی۔نبی ﷺ دیر تک سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے۔پھر صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ۔حضور اول **تسبیح** پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے۔ارشاد فرمایا اس نیک مرد پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی۔یہاں تک کہ اللہ نے وہ تکلیف اس سے دور کی اور قبر کشادہ فرمادی۔اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ آذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا۔غایت یہ کہ آذان میں اس کے ساتھ اور کلمات طیبات زائد ہیں۔سو ان کی زیادت معاذ اللہ کچھ مضر نہیں۔نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زیادہ مفید ومؤید مقصود ہے کہ رحمت الٰہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا۔(فتاوی رضوی جلد۲ص۵۴۷)

آذان قبر کے جواز کی دلیل سوم:

بالاتفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں مثبت کہ میت کے پاس حالت نزع میں کلمہ لا الـــہ الا اللہ کہتے رہیں کہ اسے سن کر یاد ہو۔حدیث متواتر میں ہے حضور

اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔ **لقنوا موتاکم لااله الا الله**. اپنے مردوں کو **لا اله الا الله** سکھاؤ۔اب جو نزع میں ہے وہ مجاز اً مردہ ہے اور اسے کلمہ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ خاتمہ اسی کلمے پاک پر ہو اور شیطان لعین کے بہلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقۃً مردہ ہے اور اسے بھی یہ کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالیٰ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بے شک آذان میں یہی کلمہ لا الہ الا اللہ تین جگہ موجود بلکہ اس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں تو بعد دفن آذان دینے میں ارشاد کی تعمیل ہے۔ جو نبی ﷺ نے حدیث صحیح متواتر مذکورہ میں فرمایا (فتاوی رضویہ ج ۲ص ۵۴۷)

آذان قبر کے جواز کی دلیل چہارم

ابو یعلی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔ **اطفؤا الحریق بالتکبیر**. آگ کو تکبیر سے بجھاؤ۔اور ابن عساکر وغیرہ محدثین حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی۔حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں۔ **اذا راء یتم الحریق فکبرو افانه یطفئ النار**. جب آگ دیکھو اللہ اکبر اللہ اکبر کی بکثرت تکرار کرو۔وہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔مولانا علی قاری علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں کہ حضور اقدس ﷺ قبر کے پاس دیر تک اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے۔ لکھتے ہیں **التکبیر علی هذا لا طفاء الغضب الالهی ولذا ور داستحباب التکبیر عند رؤیة الحریق**. یعنی یہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا غضب الٰہی کے بجھانے کو ہے ولہذا آگ لگی دیکھ کر دیر تک تکبیر مستحب ٹھہری یہاں تک سے بھی ثابت کہ قبر مسلم پر تکبیر کہنا فرد سنت ہے تو یہ آذان بھی قطعاً سنت پر مشتمل اور زیادات مفیدہ کا مانع سنیت نہ ہونا دلیل دوم سے ظاہر ۔(فتاوی رضویہ ج ۲ص ۵۴۸)

آذان قبر کے جواز کی دلیل دوازدہم

خود ظاہر اور حدیثوں

سے بھی ثابت کہ مردے کو اس نئے مکان تنگ و تار میں سخت وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے اور آذان دافع وحشت اور باعث اطمینان خاطر ہے کہ وہ ذکر خدا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے سن لو خدا کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔ ابونعیم وغیرہ محدثین حضرت ابو ہریرہ سے راوی۔ حضور سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں جب آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں اترے انہیں گھبراہٹ ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اتر کر آذان دی۔ پھر ہم اس غریب کی تسکین خاطر دفع وحشت کو آذان دیں تو برا کریں۔ حاشا بلکہ مسلمان خصوصاً ایسے بے کس کی اعانت حضرت حق عزوجل کو نہایت پسند۔ حضور سید دو عالم ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالی بندے کی مدد میں ہے۔ جب تک بندہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد میں ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۵۵۳)

آذان قبر کے جواز کی دلیل سیزدہم۔ مسند الفردوس میں حضرت جناب امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے مروی۔ وہ فرماتے ہیں مجھے حضور سید عالم ﷺ نے غمگین دیکھا تو ارشاد فرمایا۔ یا ابن ابی طالب انی اراک حزینا فمر اہلک یوذون فی اذانک۔ اے ابن ابی طالب میں تجھے غمگین پاتا ہوں۔ اپنے کسی گھر والے سے کہہ کہ وہ تیرے کان میں آذان کہے۔ آذان غم و پریشانی کی دافع ہے۔ مولا علی اور مولا علی تک جس قدر اس حدیث کے راوی ہیں سب نے فرمایا فجربتہ فوجدتہ کذلک۔ میں نے اس کا تجربہ کیا تو ایسا ہی پایا۔ ذکرہ ابن حجر کما فی المرقاۃ اور خود معلوم اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ میت اس وقت کیسے حزن و غم کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے دفع غم و الم کے لئے اگر آذان سنائی جائے تو کیا محذور شرعی لازم آئے۔ حاشاللہ بلکہ مسلمان کا دل خوش کرنے کے برابر اللہ عزوجل کو فرائض کے بعد کوئی عمل محبوب نہیں۔ طبرانی وغیرہ محدثین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی حضور پرنور

ﷺ فرماتے ہیں۔ ان احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ مسلمان کا دل خوش کرنا ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۵۵۳)

الحمد للہ! علمائے اہل سنت کے ان روشن فتاوی سے روز روشن کی طرح روشن ہوا کہ دفن کے بعد قبر پر آذان دینے والوں، سننے والوں اور میت سب کو فائدہ ملتا ہے۔ پس اس سے منع نہ کرے گا مگر وہی جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے اور اس پر اعتراض نہ کرے گا مگر وہی جو جاہل اجہل ہے۔ اللہ تعالیٰ حق جاننے ماننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

وهذا آخر ما اردنا ايراده فى هذه المقالة المختصرة المفيدة المتبركة تقبلها الله تعالىٰ بمنه العظيم ورسوله الكريم ﷺ وانا الفقير ابوالكرم احمد حسين قاسم الحيدرى غفر الله تعالىٰ لى المدرس بالجامعة الحيدرية فضل المدارس بهيائى من مضافات سهنسه آزاد كشمير. (۲۲ رمضان المبارك ۱۴۱۴ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٹھائیسواں مقالہ

ایذان الثواب فی التلاوۃ عند قبور الاحباب

(جمعرات تک قبر پر قرآن خوانی کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. اما بعد!

ہمارے علاقہ میں جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے رشتہ دار اس کی قبر پر شب جمعہ تک مسلسل دن رات قرآن خوانی کرتے ہیں۔ اس مختصر رسالہ ''ایـــــذان الثواب فی القراء ۃ عند قبور الاحباب ،، میں اسی مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ اللہ تعالی اسے شرف مقبولیت بخشے۔ آمین

دفن کے بعد قبر پر قرآن خوانی کا ثبوت:

میت دفنانے کے بعد اس کی قبر پر ٹھہرنا، اس کے لئے وہاں قرآن خوانی کرنا، اس کے لئے استغفار اور ثابت قدمی کی دعا مانگنا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ

(۱) محدث ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا'' کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت نہیں کرتا اور نہ اس پر بیٹھتا ہے مگر اس کے اٹھ جانے تک میت انس پاتا ہے'' (جامع الرضوی ص ۹۱۹)

(۲) صحابی رسول حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے موت کے وقت اپنے بیٹے سے فرمایا'' جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ نہ رونے والی عورت ہو اور نہ آگ، پھر جب تم مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالو۔ **ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور و یقسم لحمھا حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع بہ رسل ربی** ، پھر میری قبر کے اردگرد اتنی دیر تک ٹھہرے رہو جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جاتا ہے۔ اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ تاکہ میں تمہاری وجہ سے انس پاؤں اور یہ جانوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ (رواہ مسلم ،مشکوۃ ص ۱۳۵ ج ۱)

(۳) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اسے نہ روکو۔ اسے جلدی اس کی قبر کی طرف لے جاؤ۔ ولیقراء عند راسہ فاتحة البقرة وعند رجلیہ خاتمة البقرة'' اور اس کے سر کے پاس سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات اور اس کے پاؤں کی پاس سورہ بقرہ کی آخری آیات تلاوت کرو۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال والصحیح انہ موقوف علیہ۔ مشکوۃ ص ۱۳۵ ج ۱)

اس حدیث کی شرح میں امام علی قاری حنفی لکھتے ہیں . ''فاتحة البقرة ای الی المفلحون وقولہ خاتمة البقرة ای من امن الرسول الی آخرہ'' سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات سے مراد المفلحون تک کی آیات اور سورہ بقرہ کی آخری آیات سے امن الرسول سے آخر تک کی آیات مراد ہیں۔ (مرقاۃ بحوالہ حاشیہ المشکوۃ ص ۱۳۵ ج ۱)

(۴) طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ ''ولیقراء عند راسہ فاتحة الکتاب ''اور میت کے پاس سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ (شرح الصدور ص ۴۲)

(۵) امام حداد الیمنی نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس بات کو مستحب جانتے تھے کہ دفن کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات اور آخری آیات تلاوت کی جائیں۔ (جوھرہ نیرہ ص ۱۳۲ ج ۱)

(۶) ملا علی قاری شرح اللباب میں فرماتے ہیں۔ '' فقد ثبت انہ علیہ الصلوۃ والسلام قرا سورۃ البقرۃ عند راس المیت وآخرھا عند رجلیہ '' اور یہ ثابت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے میت کے سر کے پاس سورہ ، بقرہ کی ابتدائی آیات اور پاؤں کے پاس اس کی آخری آیات تلاوت فرمائی ہیں۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۶۶۵)

(۷) امام خلال اپنی جامع میں مشہور تابعی حضرت امام شعبی سے روایت بیان

کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔ کانت الانصار اذا مات لھم المیت اختلفوا الی قبرہ یقرء ون لہ القرآن انصار مدینہ کا یہ دستور تھا کہ جب ان کا کوئی شخص فوت ہو جاتا تو قرآن خوانی کے لئے اس کی قبر پر آتے جاتے تھے۔ (شرح الصدور ص ۱۳۰)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اقرؤا علی موتاکم یسین. اپنے اموات پر سورہ یسین تلاوت کرو۔ رواہ الامام احمد بن حنبل وابوداؤد وابن ماجہ وابن حبان والحاکم وحسنہ الجلال السیوطی رحمھم اللہ تعالی (جامع صغیر ص ۵۲ ج ۱)

اس حدیث کے بارے میں امام سیوطی لکھتے ہیں ۔ امام قرطبی نے فرمایا۔ اس حدیث کے مرادی معنی میں تین قول ہیں (۱) قریب الموت کے پاس پڑھنا (۲) قبر کے پاس پڑھنا۔ جمہور کے نزدیک پہلا قول معتبر ہے اور امام ابن عبدالواحد مقدسی کے نزدیک دوسرا قول معتبر ہے (۳) دونوں حالتوں میں پڑھنا۔ ہمارے متاخرین اصحاب میں سے امام محب طبری نے تیسرے قول کو اختیار کیا ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۳۰)

(۹) ابو محمد سمرقندی نے فضائل سورۃ اخلاص میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ من مر علی المقابر وقرء قل ھو اللہ احد احدی عشرۃ مرۃ ثم وھب اجرہ للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات جو شخص قبرستان کے پاس سے گزرے اور گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو ہبہ کرے تو اموات کی تعداد کے برابر اسے اجر دیا جاتا ہے۔ رواہ الدارقطنی (مراقی الفلاح ص ۴۱۳، شرح الصدور ص ۱۳۰)

(۱۰) کتاب درمختار شرح تنویر الابصار میں یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ منقول ہے۔ من قرا الاخلاص احد عشر مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات جو شخص سورہ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب

اموات کو ہبہ کرے تو اس کو اموات کی تعداد جتنی نیکیاں دی جاتی ہیں۔
(درمختار ص ۶۶۲ ج ۱)

اس روایت میں قبرستان میں داخل ہونے کی قید مذکور نہیں لیکن باب زیارۃ القبور میں اس کو ذکر کرنا دلالت کرتا ہے کہ یہ ثواب قبرستان میں داخل ہونے کی صورت میں ہی ہے، واللہ اعلم۔

(۱۱) ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ من دخل المقابر ثم قرا فاتحة الكتاب وقل هو الله احد والهكم التكاثر ثم قال اللهم انى قد جعلت ثواب ما قرات من كلامك لاهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له الى الله تعالى جو شخص قبرستان میں داخل ہوا اور سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص، اور سورۃ التکاثر پڑھے پھر کہے اے اللہ میں نے تیری کلام میں سے جو کچھ پڑھا اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے کر دیا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک اس کی شفاعت کرنے والے ہوں گے۔
(شرح الصدور ص ۱۳۰)

(۱۲) قاضی ابوبکر بن عبدالباقی انصاری نے اپنی کتاب المشیخہ میں سلمہ بن عبید سے روایت بیان کی ہے کہ حماد مکی فرماتے ہیں۔ ایک رات میں مکہ کے قبرستان کی طرف نکلا پھر میں نے اپنا سر ایک قبر پر رکھا اور سو گیا۔ فرایت اهل المقابر حلقة حلقة فقلت قامت القيامة قالوا لا ۔ میں نے قبرستان والوں کو گروہ در گروہ دیکھا تو میں نے پوچھا کیا قیامت قائم ہو گئی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ ولکن من اخواننا قرا قل ھو اللہ احد وجعل ثوابھا لنا فنحن نقتسمھا منذ سنۃ۔ ولیکن ہمارے ایک بھائی نے سورہ اخلاص پڑھی اور اس کا ثواب ہمارے لئے کیا تو ہم ایک سال سے اس کا ثواب آپس میں بانٹ رہے ہیں۔ (شرح الصدور ص ۱۳۰)

(۱۳) عبدالعزیز (جو امام خلال کے ساتھی ہیں) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' **من دخل المقابر فقرا سورة يسين خفف الله عنهم و كان له بعدد من فيها حسنات** '' جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورہ یسین پڑھے تو اللہ تعالی قبرستان والوں سے عذاب میں تخفیف فرماتا ہے اور اس کے لئے اس قبرستان والوں کی تعداد جتنی نیکیاں ہیں۔ (ردالمحتار ص ٦٦٦ ج ا، مراقی الفلاح مصری ص ۴۱۳، شرح الصدور ص ۱۳۰)

(۱۴) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ **من زار قبر والديه او احدهما يوم الجمعة فقرا عنده يسين غفر له** ، جو شخص جمعہ کے روز اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے پھر سورۃ یسین پڑھے اس کے لئے بخشش کردی جاتی ہے۔ (جامع صغیر ص ۱۷۲ جلد دوم)

فقہائے کرام نے قبر پر قرآن خوانی کو مستحب قرار دیا ہے:

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ کی بناء پر ہمارے فقہائے کرام قبر پر قرآن خوانی کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام قاضی خان حنفی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں۔ **وان قرا القرآن عند القبور ان نووابذلک ان يؤنسهم صوت القرآن فانه يقرا فان لم يقصد ذلک فالله تعالى يسمع قراة القرآن حيث كانت**''

اگر قبروں کے پاس اس نیت سے قرآن پڑھے کہ اس کی آواز مردوں کو انس بخشتی ہے تو وہ وہاں پڑھے اور اگر یہ نیت نہیں تو قرآن جہاں پڑھا جائے اسے اللہ تعالی سنتا ہے۔ (فتاوی خانیہ ص ۴۲۲ جلد ۳)

(۲) فتاوی عالمگیری میں مضمرات سے منقول ہے۔'' **قراة القران عند القبور عند محمد رحمه الله تعالى لاتكره و مشائخنا رحمهم الله تعالى اخذوا بقوله وهل ينتفع والمختار انما ينتفع** ،،قبور کے پاس قرآن خوانی امام

محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالی نے ان کے اس قول کو لیا ہے اور کیا یہ کام نفع دیتا ہے؟ مختار مذہب میں نفع دیتا ہے۔ (فتاوی عالمگیری جلد اول ص ۱۶۶)

(۳) امام حدادالیمنی لکھتے ہیں۔ ویستحب اذا دفن المیت ان یجلسوا ساعةً عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ینحر ویقسم یتلون القرآن ویدعون للمیت اور مستحب ہے کہ جب میت دفنا دیں تو فراغت کے بعد اتنی دیر بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کریں اور میت کے لئے دعا کریں جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے کیونکہ ابو داؤد کی سنن میں مروی ہے کہ نبی ﷺ میت دفنانے کے بعد اس کی قبر کے پاس ٹھہرا کرتے تھے۔ (جوہرہ نیرہ ص ۱۳۳ جلد ۱)

(۴) اور درمختار میں ہے۔ و(یستحب) جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراة بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمه اور مستحب ہے کہ اس کو دفنانے کے بعد اتنی دیر دعاء اور قرآن خوانی کے لئے بیٹھیں جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ (درمختار جلد اول ص ۶۶۱)

(۵) امام حسن شرنبلالی فرماتے ہیں ۔ویستحب للزائر قراءۃ سورۃ یسین ''اور قبور کی زیارت کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ سورہ یسین پڑھے۔ (مراقی الفلاح ۴۱۳)

(۶) امام احمد طحطاوی خلاصہ سے ناقل ہیں۔ ویقصدون بزیارتها وجه الله تعالی و اصلاح القلب ونفع المیت بما یتلی عنده من القرآن اور جو لوگ قبور کی زیارت کریں ان کی نیت اللہ تعالی کی رضا مندی، اپنے قلب کی اصلاح اور میت کو نفع پہنچانا ہو اس قرآن خوانی سے جو اس کے پاس تلاوت کی جائے۔ (حاشیہ مراقی ص ۴۱۲)

(۷) امام نووی شافعی شرح المہذب میں لکھتے ہیں۔ یستحب لزائر القبور ان یقرا ما تیسر من القرآن ویدعولھم عقبھا علیہ الشافعی واتفق علیہ الاصحاب وزاد فی موضع آخر وان ختموا القرآن علی القبر کان افضل قبور کی زیارت کرنے والے کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ جتنا قرآن پڑھ سکے پڑھے اوران کے لئے دعا مانگے، امام شافعی نے اس پر نص فرمائی ہے اور اصحاب شافعیہ کا اس پر اتفاق ہے اور دوسرے مقام پر اس پر یہ اضافہ فرمایا کہ اگر لوگ قبر پر پورا قرآن پڑھیں تو بہتر ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۳۰)

(۸) امام سیوطی لکھتے ہیں۔ وکان الامام احمد بن حنبل ینکر ذلک اولا حیث لم یبلغ فیہ اثر ثم رجع حین بلغہ اور امام احمد بن حنبل پہلے اس کا انکار کیا کرتے تھے کیونکہ اس بارہ میں ان تک کوئی حدیث نہیں پہنچی تھی پھر جب ان تک حدیث پہنچی تو انہوں نے قرآن خوانی کے انکار سے رجوع فرما لیا۔ (شرح الصدور ص ۱۳۰)

قبر پر قرآن خوانوں کو بٹھانا جائز ہے

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس سے ثابت ہوا کہ قبر کے پاس قرآن خوانی مستحب ہے اور ظاہر ہے کہ جب قبور کے پاس قرآن خوانی مستحب ہے تو اس کے لئے قبروں کے پاس قاری بٹھانا بھی جائز ہے۔ ولہذا فتاوی عالمگیری میں فرمایا۔

ولو مات رجل و اجلس وارثہ علی قبرہ من یقرا الا صح انہ لا یکرہ وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالی کذا فی المضمرات یعنی کتاب المضمرات میں ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کا وارث اس کی قبر پر کسی کو قرآن خوانی کے لئے بٹھائے تو صحیح روایت میں یہ مکروہ نہیں ہے اور یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ (فتاوی عالمگیری ص ۳۵۰ جلد ۵)

شب جمعہ تک قرآن خوانی کی وجہ

میت دفنانے کے بعد اس کی قبر پر شب جمعہ کی ابتداء تک مسلسل شب و روز قرآن خوانی کی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کو شب جمعہ تک عذاب قبر سے بچانا مقصود ہوتا ہے۔ پھر شب جمعہ اور روز جمعہ خود عذاب الٰہی اموات سے اٹھ جاتا ہے اور مسلمان اموات پر سے اٹھنے کے بعد عذاب الٰہی نہیں لوٹتا۔ تو اس قرآن خوانی کی وجہ سے مسلمان میت ہمیشہ تک کے لئے عذاب قبر سے بچ جاتا ہے۔ چنانچہ امام حسن شرنبلالی لکھتے ہیں۔ ویستحب للزائر قراءة سورة یسین لما ورد عن انس رضی اللہ عنہ انہ قال قال رسول اللہ ﷺ من دخل المقابر فقرا سورة یسین واھدی ثوابھا للاموات خفف اللہ عنھم یومئذ العذاب ورفعہ و کذا یوم الجمعة یرفع فیہ العذاب عن اھل البرزخ لا یعود علی المسلمین قبروں کی زیارت کرنے والے کے لئے یہ مستحب ہے کہ سورۃ یسین پڑھے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورۃ یسین پڑھے اور اس کا ثواب اموات کو ہبہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان سے اس دن عذاب ہلکا کر دیتا ہے اور اسے اٹھا دیتا ہے یونہی جمعہ کے دن اہل برزخ سے عذاب قبر اٹھا دیا جاتا ہے۔ پھر مسلمانوں پر نہیں لوٹتا۔ (مراقی الفلاح مصری ۴۱۳)

قال الامام احمد الطحطاوی فی ھامشہ علی المراقی (قولہ ثم لایعود علی المسلمین) لم یصح فیہ حدیث کما ذکرہ منلا علی فی بعض کتبہ اہ وقال الجلال السیوطی قال الیافعی فی روض الریاحین بلغنا ان الموتی لا یعذبون لیلة الجمعة تشریفا لھذا الوقت قال ویحتمل اختصاص ذلک بعصاة المسلمین دون الکفار وعمم النسفی فی بحر الکلام فقال ان الکافر یرفع عنہ العذاب یوم الجمعة ولیلتھا وجمیع شھر رمضان قال واما المسلم فانہ یعذب فی قبرہ لکن یرفع عنہ یوم الجمعة

ولیلتها ثم لایعود الیه الی یوم القیامة وان مات یوم الجمعة او لیلة الجمعة یکون له العذاب ساعة وضغطة القبر کذلک ثم ینقطع عنه العذاب ولا یعود الیه الی یوم القیامة اھ وھذا یدل علی ان عصاة المسلمین لا یعذبون سوی جمعة واحدة او دونها وانهم اذا وصلوا الی یوم الجمعة انقطع ثم لا یعود وھو یحتاج الی دلیل اھ کلام السیوطی رحمة اللہ علیه فی شرح الصدور قبیل باب ما ینجی من عذاب القبر . واللہ تعالی اعلم بالصواب .

اعلیٰ حضرت بریلوی کا فتویٰ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ یا شب جمعہ کے سوا کسی دن میں مسلمان کا انتقال ہو تو اس کے سپرد کرنا یعنی جمعہ تک قبر پر بیٹھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بعد دفن اتنی دیر بیٹھنا کہ ایک اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے مسنون ہے صحیح مسلم شریف میں اس بارہ میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے حدیث وارد ہے اور زیادہ دیر یا دنوں تک بیٹھنا بھی ممنوع نہیں۔ بلکہ وہاں لغو، بے ہودہ باتیں کرنے ہنسنے وغیرہ غفلت وقسوت کی حرکات سے بچیں اور تلاوت ودرود خوانی اور اعمال حسنہ میں مشغول رہیں کہ یہ امور موجب نزول رحمت ہوتے ہیں اور احیاء کے پاس ہونے سے مردے کا دل بہلتا ہے کما بیناہ فی حیاۃ الموات جمعہ تک بیٹھنے کا منشاء غالباً وہ روایت ہے جو امام نسفی نے بحر الکلام میں ذکر فرمائی کہ مسلمان پر معاذ اللہ عذاب قبر اگر ہوتا ہے تو صرف جمعہ تک ہوتا ہے شب جمعہ آتے ہی اٹھا لیا جاتا ہے اور پھر عود نہیں کرتا۔ امام سیوطی اور علامہ علی قاری کو اگرچہ اس روایت میں توقف ہے مگر عقلاً وشرعاً امر نافع محض میں صرف احتمال کافی ہوتا ہے۔ اگر یہ روایت مطابق واقع ہے تو جب تک معاذ اللہ اندیشہ تھا ایصال ثواب واستنزال برکات ذکر وقرآن سے اس کی مدد کی گئی۔ جب جمعہ آ گیا خود رحمت الٰہی اس کی متکفل ہوگئی اور اگر نامطابق ہے تو اتنے دنوں آخر مسلمان محتاج کی مدد ونفع رسانی ہی ہوئی اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من

استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ ۔ تم میں جو اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچا سکے پہنچائے رواہ مسلم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔ بہر حال یہ کام خیر سے خالی نہیں ۔ جبکہ نیۃً یا عملاً اس کے ساتھ کوئی محذور شرعی نہ ہو۔ شرح الصدور میں ہے۔ عمم النسفی فی بحر الکلام فقال ان الکافر یرفع عنہ العذاب یوم الجمعۃ و لیلتھا الی قولہ وھو یحتاج الی دلیل اھـ اسی طرح منح الروض الازہر میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم (فتاوی رضویہ جلد چہارم ص ۱۴)

قبر پر قرآن خوانی کی اجرت لینا

قبر پر قرآن خوانی کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف علماء ہے بعض جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ مفتی نظام الدین ملتانی لکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ قرآن مجید اور کلمات طیبات کی اجرت لینی حرام ہے۔ یہ علماء ودرویش کیوں لیتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم کتاب اللہ پر مزدوری لیویں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ بے شک مزدوری لے لو۔ کیونکہ قرآن مستحق تر ہے کہ تم اس پر اجر لو اور یہ حدیث بخاری شریف ومشارق الانوار میں بایں الفاظ مذکور ہے فقال رسول اللہ ﷺ ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ. (انوار شریعت ج اول ص ۱۸۵)

اور دیو بندی مولوی حمد اللہ داجوی کتاب جوہرہ نیرہ شرح قدوری کے باب الاجارہ کی عبارت بایں الفاظ نقل کرتے ہیں۔ واختلفوا فی الاستیجار علی قراءۃ القرآن مدۃ معلومۃ قال بعضھم لایجوز وقال بعضھم یجوز وھو المختار اھـ ۔ مدت معلومہ تک قرآن خوانی پر عقد اجارہ کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا جائز نہیں ہے اور بعضوں نے فرمایا جائز ہے اور یہ دوسرا قول مختار للفتویٰ ہے۔ (البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر ص ۱۴۲)

اور بعض علماء ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام برکوی کتاب الطریقۃ المحمدیہ میں

لکھتے ہیں۔ ومنهاالوصية من الميت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته او بعده وباعطاء دراهم لمن يتلوا القرآن لروحه او يسبح ويهلل وكلها بدع منكرات باطلة والمأخوذ منها حرام للاخذ وهو عاص بالتلاوة والذكر لاجل الدنيا اه ملخصاً۔

یعنی یہ وصیت کرنا کہ موت کے دن یا اس کے بعد میت کی طرف سے طعام پکایا اور بطور مہمانی کھلایا جائے اور ان لوگوں کو درہم دینے کی وصیت کرنا جو میت کی روح کے لئے قرآن خوانی کریں گے یا تسبیح وتہلیل پڑھیں گے۔ تو یہ کام بدعات سیئہ باطلہ سے ہیں اور جو کچھ اس وصیت کے مطابق لیا جائے گا وہ لینے والے کے لئے حرام ہوگا اور تلاوت وذکر الٰہی کرنے میں بایں وجہ گناہگار ہوگا کہ اس نے یہ کام دنیا حاصل کرنے کے لئے کیے ہیں۔ (البصائر ص۱۴۳)

لیکن اگر پڑھنے والے بے لوث ہوں اور ان کو جو کچھ دینے والے دیں وہ بطور صدقہ للمیت دیں نہ کہ بطور اجرت تو اس صورت میں لینا دینا جائز ہے۔

داجوی صاحب لکھتے ہیں۔ علا انه ان قرأ احد لوجه الله تعالیٰ بنية خالصة واعطاه احد صدقة لااجرة لاحرج فيه وذالک موقوف على النية۔ ہاں اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نیت کے ساتھ قرآن پڑھے۔ اور کوئی شخص اس کو بطور صدقہ نہ کہ بطور اجرت کچھ دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ بات نیت پر موقوف ہے۔ (البصائر ص۱۴۴)

الحمد للہ! ہمارے علاقوں میں یہی دستور ہے کہ پڑھنے والے تھوڑا بہت جو کچھ پڑھتے ہیں۔ للہ فی للہ پڑھتے ہیں اور ان کو دینے والے جو کچھ دیتے ہیں میت کی طرف سے صدقہ کے طور پر دیتے ہیں۔ ولہذا اس قسم کے لین دین میں کوئی حرج نہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وهذا آخر ماأردنا ايراده فی هذه المقالة المباركة تقبلها الله تعالیٰ بمنه العظيم۔ (۵ شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتیسواں مقالہ

ایذان الاجر فی الدعاء علی القبر

(قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین اما بعد

اس مختصر مقالہ میں ہم نے قبور المسلمین کے پاس دعا مانگنے کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذریعہ ہدایت بنائے (آمین)

زیارت قبور جائز ہے

امام محمد حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی سند سے راوی کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نھینا کم عن زیارۃ القبور فزوروھا ولا تقولوا ھجرا فقد اذن لمحمد فی زیارۃ قبر امہ۔ ہم نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا تھا۔ سو اب تم ان کی زیارت کرو۔ اور نا مناسب کلام نہ کہو کیونکہ محمد ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر کی اجازت دے دی گئی ہے۔ (کتاب الآثار ص ۸۶)

پھر امام اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

بہٰذا کلہ ناخذ لا بأس بزیارۃ القبور للدعآء للمیت ولذکر الآخرۃ وھو قول ابی حنیفۃ. اس پوری حدیث کو ہم لیتے ہیں۔ قبور کی زیارت میں کوئی حرج نہیں جب کہ میت کے لئے دعا کرنے اور آخرت کو یاد کرنے کے لئے کی جائے اور یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (کتاب الآثار ص ۸۷)

ممانعت زیارت کی وجہ ابتداء اسلام میں:

مولوی عبدالستار ابتداء اسلام میں زیارت قبور کی ممانعت کی وجہ بدیں الفاظ لکھتے ہیں ابتداء اسلام میں لوگ بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے اس لئے حضرت ﷺ نے زیارت قبور سے منع کیا کہ مبادا شرک میں گرفتار ہو جائیں۔ جب لوگوں کے دلوں میں اسلام اور توحید کا عقیدہ مضبوط ہو گیا تو اجازت دے دی۔ (فیض الستار ص ۸۷)

قبر کے پاس دعا کا ثبوت

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ لاباس بزیارۃ القبور للدعاء للمیت ولذکر الآخرۃ وھو قول ابی حنیفہ ۔قبور کی زیارت میت کے لیے دعاء کرنے اور آخرت کو یاد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔اور یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔اس سے بالتصریح ثابت ہو گیا کہ زیارت قبور سے مقصود صرف یاد آخرت ہی نہیں بلکہ اموات کیلے مغفرت وبخشش کی دعاء کرنا بھی ہے۔لہذ وہابیہ کا یہ کہنا کہ

قبروں کے پاس دعا کے لیے جانا اور سمجھنا کہ وہاں دعاء دوسری جگہوں سے زیادہ قبول ہوتی ہے۔ایک ایسا فعل واعتقاد ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت نہیں دی۔نہ صحابہ وتابعین اور مسلمانوں کے آئمہ میں سے کسی نے کہا یا بتایا ہے بلکہ متقدمین علماء وصلحاء میں کسی ایک سے بھی یہ بات ثابت نہیں۔یہ چیز ہمیں سب سے پہلے دوسری صدی ہجری کے بعد بعض متاخرین کے یہاں ملتی ہے،،(جادہ حق ترجمہ تلخیص اقتضاء الصراط المستقیم مطبوعہ تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ گوالمنڈی راولپنڈی ص ۸۹) سخت غلطی اور گمراہی ہے۔جو مسئلہ حضرت امام محمد حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بالتصریح بیان فرمائیں اس کا انکار کوئی عقلمند کیسے کرسکتا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ پہلی صدی ہجری میں پیدا ہوئے اور دوسری صدی ہجری میں فوت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق بخشے آمین۔

زیارت قبور کے استحباب کی تصریحات

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی بناء پر ہمارے فقہائے حنیفہ زیارت قبور اور قبور کے پاس دعاء مانگنے کو مستحب یعنی باعث اجروثواب لکھتے ہیں۔چنانچہ حضرت مولانا علامہ قاضی محمد ارشاد الٰہی ساکن لودے تحصیل گوجرخان ضلع روالپنڈی اپنے رسالہ مبارکہ ''حصول النور فی زیادۃ القبور،، میں رقم طراز ہیں،،قبروں کی زیارت کرنا شریعت

غرا میں بلاشبہ جائز اور ثابت ہے۔ بلکہ ہمارے فقہائے حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے تمام مذاہب میں اس عمل کو قرب الٰہی اور مستحب قرار دیا گیا ہے بہر حال قبروں کی زیارت ادلہ قویہ سے ثابت ہے اور اس کا منکر گمراہ ہے۔ کہ ایک اہم دینی کام کے خلاف کوشاں ہے۔ شرنبلالیہ علی الدرر شرح الغررج اص ۶۸ میں ہے وزيارة القبور مندوبة للرجال وقيل تحرم على النسآء والاصح ان الرخصة ثابتة لهم اا اور قبروں کی زیارۃ مندوب (مستحب) ہے کہا گیا ہے کہ عورتوں پر حرام ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ رخصت دونوں (مرد و عورت) کے لیے ثابت ہے،، مراقی الفلاح علی ھامش الحاشیہ ص ۳۴۱ میں ہے ندب زيارتها من غير ان يطا القبور للرجال والنسآء ۔ قبور کی زیارت بغیر انہیں روندے ہوئے کرنا مردوں اور عورتوں کے لیے مندوب یعنی مستحب ہے۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد دوم ص ۱۹۵ میں ہے۔ قال في البدائع ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للاموات ان كانوا مؤمنين من غير وطوء القبور لقوله الافزوروها ولعمل الامة من لدن رسول الله ﷺ الى يومناهذا صرح في المجتبىٰ بانها مندوبة وقيل تحرم على النسآء والاصح ان الرخصة ثابتة لها وكان ﷺ يعلم السلام على الموتى السلام عليكم ايها الدار من المؤمنين والمسلمين ۔

اور بدائع میں کہا گیا ہے کہ قبور کی زیارت لاباس بہ ہے اور مردوں کے لئے دعا کرنا اگر مومن ہیں بغیر قبروں کو روندنے کے بدلیل قول رسول اللہ ﷺ کہ میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا آگاہ رہو کہ اب ان کی زیارت کرو۔ اور بدلیل امت کے عمل کے کہ رسول ﷺ سے لے کر آج تک معتاد چلا آرہا ہے اور مجتبیٰ میں تصریح کی کہ وہ مندوب ہے اور کہا گیا ہے کہ عورتوں پر حرام ہے اور صحیح یہ کہ رخصت دونوں کے لئے ثابت ہے اور حضور اکرم ﷺ مردوں پر سلام کہنا سکھاتے تھے"۔ یہاں تک کی عبارات سے واضح

طور پر معلوم ہوا کہ قبروں کی زیارت کرنا ممنوع نہیں بلکہ لا باس بہ ہے۔ اور اس پر بھی تصریح گزر چکی ہے کہ زیارت قبور مندوب ہے۔ اس اصطلاح نے یہ بھی واضح کر دیا کہ لا باءس بمعنی کراہت تنزیہی نہیں بلکہ منکرین زیارت قبور کے مقابل یہ لفظ واقع ہوا ہے اور اس سے بھی ندب ہی ثابت ہوا ہے اور ایسے امور میں فقہاء کی اصطلاح میں لفظ لا باس بہ استحباب کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے شرح عقود رسم المفتی میں اور ردالمحتار کے متعدد مقامات پر تصریح فرمادی ہے پس ثابت یہ ہوا کہ قبروں کی زیارت کرنا مندوب اور مستحب ہے جیسا کہ نمازوں میں نوافل کا مرتبہ ہے اسی طرح اعمال حسنہ میں قبور کی زیارت کا مرتبہ ہے اور یہاں استحباب کے اثبات کے لئے فقہاء کرام کے اقوال مبارکہ تصریحاً موجود ہیں۔

اشعۃ اللمعات جلد اول ۶۳۲ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ زیارت قبور مستحب است بالاتفاق۔ بالاتفاق قبور کی زیارت مستحب ہے اور جامع الرموز اور شرح النقایہ جلد اول ص ۱۲۸ پر ہے۔ **وزیارۃ القبور مستحبۃ للرجال وکذا للنساء علی الاصح فیقرب من القبور ویبعد مثل ما فی الحیوۃ وقیل الدعاء قائما بحذاء وجهه** : اور قبروں کی زیارت مردوں کے لئے اور اسی طرح عورتوں کے لئے صحیح قول پر مستحب ہے۔ پس قبروں کے قریب یا بعید جیسے زندگی میں عمل تھا اس کے مطابق کرے اور کہا گیا ہے کہ میت کے چہرے کے مقابل کھڑے ہو کر دعا کرے۔ مولوی محمد لکھوی مصنف تفسیر محمدی اہلحدیث انواع بارک اللہ میں لکھتے ہیں۔

استحباب زیارت قبراں ہر ہفتے وچہ آئی ۔۔ مرنا یاد کرے دل نرمی دل تھیوے روشنائی۔اھ ملتقطا۔ (پندرہ روزہ رضوان لاہور بابت ۲ دسمبر ۱۹۶۱ء)

اور بحر الرائق جلد دوم ص ۱۹۵ میں مجتبیٰ کی یہ عبارت بھی موجود ہے:

ولا باس بقراۃ القرآن عند القبور وربما تکون افضل من غیرہ ویجوز ان یخفف اللہ عن اهل القبور شیئا من عذاب القبر او یقطعه عند دعآء القاری وتلاوته وفیه ورد آثار من دخل المقابر فقرا یسین خفف

اللہ عنہم یومئذ و کان لہ بعدد من فیھا حسنات اھ۔

اور قبروں کے پاس قرآن کی تلاوت میں کوئی حرج نہیں اور بعض مرتبہ یہ دوسرے اعمال سے افضل ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ اللہ تعالی قاری کی دعا اور تلاوت قرآن مجید کے وقت اہل قبور کے عذاب میں کمی کردے یا عذاب کو منقطع کردے اور اس بارہ میں حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورۃ یسین کی تلاوت کرے تو اس دن کے لئے اللہ تعالی ان کا عذاب ہلکا کر دیتا ہے اور اس کے لئے قبرستان کے مردوں کی تعداد جتنی نیکیاں ہوتی ہیں۔ اور بحر الرائق جلد دوم ص ۱۹۶ میں ہے۔ وفی فتح القدیر ویکرہ عند القبر کلما لم یعھد من السنة والمعھود منھا لیس الا الزیادة والدعاء عندھا قائما کما کان یفعل ﷺ فی الخروج الی البقیع۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ قبر کے پاس ہر وہ کام مکروہ ہے جو سنت سے معہود نہیں ہوا اور سنت سے جو شئے معہود ہوئی ہے وہ قبور کی زیارت اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا ہے جیسا کہ سرکار مدینہ ﷺ جنت البقیع میں تشریف لے جاتے تو کیا کرتے تھے۔

الحمد للہ! ان فقہ حنفی کی معتبر کتب کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ قبور کی زیارت صرف آخرت کی یاد کے لئے مستحب نہیں بلکہ آخرت کی یاد اور قبور کے پاس اموات کی مغفرت کے لئے دعا کرنے کے لئے مستحب ہوئی ہے۔ لہذا وھابیہ کا قبور کے پاس دعا مانگنے کو بے ثبوت بتانا سراسر گمراہی ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

قبور کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے

محدث عبد اللہ بن کثیر بن المطلب نے حضرت محمد بن قیس کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح حدیث بیان کرتے ہوا سنا کہ آپ نے فرمایا الا احدثکم عن النبی ﷺ وعنی۔ کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں اور اپنے بارہ میں

ایک بات بیان نہ کروں۔ ہم نے عرض کیا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ لما كانت ليلتى كان النبي ﷺ فيها عندى انقلب فوضع ردآء ه وخلع نعليه فوضعهما عندر جليه وبسط طرف ازراه على فراشه فاضطجع فلم يلبث الاريث ما ظن ان قدرقدت فاخذ ردآء ه رويدا وفتح الباب رويدا فخرج ثم اجافه رويدا فجعلت درعى فى راسى واختمرت و تقنعت ازارى ثم انطلقت على اثره حتى جآء البقيع فقام فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات ثم انحرف فانحرفت فاسرع فاسرعت فهرول فهرولت فاحضر فاحضرت فسبقته فدخلت فليس الا ان اضطجعت فدخل فقال مالک يا عائش حشيا رابتة قالت قلت لا شئى قال لتخبرنى او ليخبرنى اللطيف الخبير .قالت يارسول الله بابى انت وامى فاخبرته قال فانت السواد الذى رايت امامى قلت نعم فلهدنى فى صدرى لهدة او جعتنى ثم قال اظننت ان يحيف الله عليک ورسوله قالت مهما يكتم الناس يعلمه الله نعم قال فان جبريل عليه السلام اتانى حين رايت فنادنى فاخفاه منک فاجبته فاخفيته منذ ولم يكن يدخل عليک و قد وضعت ثيابک وظننت ان قد ر قدت فكرهت ان اوقظک وخشيت ان تستوحشنى فقال ان ربک يامرک ان تاءتى اهل البقيع فتستغفرلهم قالت قلت كيف اقول لهم يا رسول الله قال قولى السلام على اهل الديار من المؤمنين ويرحم الله المستقدمين منا والمتاخرين وانا ان شاء الله بكم لا حقون ۔

ترجمہ: جب وہ رات تھی جب رسول اللہ ﷺ میرے پاس تھے۔ تو آپ تشریف لائے اور آپ نے چادر اور اپنے جوتے اتارے اور دونوں جوتے اپنے پاؤں کے پاس رکھے اور اپنی ازار کے ایک سرے کو آپ نے اپنے بستر پر بچھایا اور لیٹ گئے پھر آپ اس

اندازہ پر لیٹے رہے کہ آپ نے خیال فرمایا کہ میں سوگئی ہوں پھر آپ نے اپنی چادر آہستگی سے اٹھالی اور اپنے جوتے آہستگی سے پہنے اور دروازہ آہستگی سے کھولا اور نکل گئے پھر آپ نے اسے آہستگی سے بند کر دیا فوراً میں نے اپنی قمیض اپنے سر پر رکھی اور اپنی اوڑھنی اور چادر پہنی اور آپ کے پیچھے چل پڑی یہاں تک کہ آپ جنت البقیع (کے قبرستان) میں داخل ہوئے اور کھڑے رہے اور کافی دیر کھڑے رہے پھر تین مرتبہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور واپس لوٹے۔ میں بھی واپس لوٹی۔ اس حال میں جب آپ تیز چلتے میں بھی تیز چلتی اور جب آپ درمیانی چال میں چلتے تو میں بھی درمیانی چال میں چلتی اور جب آپ دوڑتے تو میں بھی دوڑتی۔ میں نے آپ پر سبقت حاصل کی اور میں گھر میں داخل ہوگئی۔ میں ابھی لیٹی ہی تھی کہ آپ بھی داخل ہوئے اور فرمایا اے عائشہ تجھے کیا ہوا کہ تیرا سانس پھولا ہوا ہے۔ تیرا پیٹ ابھرا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کوئی بات نہیں۔ فرمایا یا تو تو مجھے خبر دے گی یا لطیف وخبیر مجھے خبر دے گا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ پر میرے والدین فدا ہوں اور میں نے آپ کو واقعہ کی خبر دی۔ فرمایا کیا تو ہی وہ شخص تھا جسے میں آگے آگے دیکھتا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں۔ یہ سن کر آپ نے میرے سینے پر مکا مارا جس کا درد میں نے محسوس کیا۔ اور فرمایا کہ کیا تیرا خیال تھا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ تجھ پر زیادتی کریں گے۔ میں نے (دل میں) سوچا جو بات میں لوگوں سے چھپاؤں گی وہ اللہ تعالیٰ ان پر ظاہر کر دے گا۔ اور عرض کیا۔ ہاں۔ پھر فرمایا بلاشبہ جبریل میرے پاس آئے تھے۔ جس وقت تو نے مجھے دیکھا تھا پھر انہوں نے مجھے آواز دی تو میں نے ان کو اس حال میں جواب دیا کہ اس بات کو میں نے تجھ سے پوشیدہ کیا۔ پھر میں نے تیرے متعلق خوف کھایا۔ تو تیرے پاس نہ آیا۔ اور جبریل تیرے ہوتے ہوئے اندر داخل نہ ہوئے تو تو نے اپنے کپڑے اتارے تو میں نے خیال کیا کہ تو سوگئی ہے۔ پھر میں نے تجھے بیدار کرنا پسند نہ کیا۔ اور مجھے تیرے بارے میں خوف محسوس ہوا کہ تو وحشت محسوس کرے گی۔ جبریل نے عرض کیا تھا بلاشبہ آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ جنت البقیع میں تشریف لے

جائیں اور جنت البقیع کے اموات کے لیے استغفار پڑھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اہل بقیع کو (سلام) کیسے کہوں۔ فرمایا کہو السلام علی اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المستقد مین منا والمتاءخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون (سلام ہو تم پر اے مسلمانوں کے گھر والو۔ اللہ ہمارے اگلے لوگوں اور پچھلے لوگوں پر رحم فرمائے۔ اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم البتہ تم سے ملاقات کریں گے۔)

اس حدیث کی تخریج

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو امام المحدثین مسلم بن حجاج قشیری نے صحیح مسلم شریف جلد اول کے صفحہ نمبر ۲۸۶ پر روایت کیا ہے (صحیح البیہاری ص ۹۱۵)

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت شدہ مسائل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس صحیح حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوئے ہیں۔ (۱) قبور المسلمین کی زیارت سنت ہے کیونکہ سرکار مدینہ ﷺ اللہ تعالی کے حکم دینے پر جنت البقیع تشریف لے گئے اور وہاں قبور کے پاس کھڑے ہو کر آپ نے دعا مانگی تھی۔ واللہ اعلم۔

(۲) قبور کی زیارت جس طرح دن کے وقت سنت ہے اسی طرح رات کے وقت بھی سنت ہے۔ (واللہ اعلم)

(۳) صالحین کی قبور کے لئے جانا جیسا کہ مسلمان عرس کے موقع پر اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت کے لئے جاتے ہیں سنت ہے کیونکہ سرکار مدینہ ﷺ جنت البقیع کے اندر مدفون مسلمانوں کی قبور کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے اور وہ صحابہ تھے جو امت میں سب سے زیادہ مرتبے والے ہیں (واللہ اعلم)

(۴) قبور المسلمین کے پاس عبادت الٰہی کرنا جائز ہے کیونکہ سرکار مدینہ ﷺ نے قبور کے پاس دعا مانگی اور دعا عبادت بلکہ مغز عبادت ہے۔ (واللہ اعلم)

(۵) قبور المسلمین کے پاس دعا مانگنا سنت مصطفیٰ ﷺ ہے۔

(۶) قبور المسلمین کے پاس بحالت قیام دعا مانگنا سنت ہے امام نووی لکھتے ہیں وفیہ ان دعاء القائم اکمل من دعاء الجالس فی القبور، یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قبور کے پاس بیٹھ کر دعا مانگنے کی نسبت کھڑے ہو کر مانگنا زیادہ کمال والا عمل ہے (منہاج جلد اول ص ۳۱۳)

(۷) قبور المسلمین کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا سنت مصطفیٰ ہے اسے بدعت وشرک وحرام کہنا سراسر گمراہی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں۔ قولها جآء البقیع فاطال القیام ثم رفع یدیه ثلاث مرات)فیه استحباب اطالة الدعاء وتکریره ورفع الیدین فیه ۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دعا کو لمبا کرنا اور بار بار دعا مانگنا اور دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانا سنت مستحبہ ہے (منہاج جلد اول ص ۳۱۲)

(۸) قبور المسلمین کے پاس کم از کم تین مرتبہ دعا مانگنا سنت مصطفیٰ ﷺ ہے۔

الحمد للہ یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ اس سے روز روشن سے زیادہ روشن ہوا کہ قبور المسلمین کی زیارت کرنا سنت ہے ان کے پاس دعا، ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن مجید مستحب ہے۔ ان کے پاس کافی دیر کھڑے رہ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اور بار بار دعا مانگنا سنت مصطفیٰ ہے۔ مانعین سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ کسی ایک ضعیف سے ضعیف حدیث ہی سے ثابت کریں کہ قبور المسلمین کے پاس آنحضرت ﷺ نے یا صحابہ میں سے کسی بزرگ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے سے منع کیا ہو۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی اعدت للکافرین ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

عرس کی شرعی حیثیت

عرس کیا ہے؟ بزرگان دین کے یوم وفات کے روز ان کے مزارات متبرکہ منورہ پر

مسلمانوں کا زیارت کے لئے جمع ہونا اور ان کے پاس مجلس عرس کا اہتمام کرنا دعا مانگنا یہ سب امور اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے جائز ثابت ہوئے ۔تو پھر ان کا مجموعہ کیسے ناجائز ہو جائے گا۔ رہا قبور اولیاء پر عرس کے موقع پر جہلاء کا خلاف شرع حرکتیں کرنا تو اس کا عرس سے کیا تعلق ۔ان خرافات کا عرس سے الحاق اسی طرح بے عقلی ہے جس طرح مسجد شریف کے پاس کوئی ناجائز کام ہو رہا ہو اور مسجد میں نمازی نماز پڑھ رہے ہوں تو کوئی اس ناجائز کام کو نماز سے الحاق کرے۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق بخشے ۔آمین ۔

قبور المسلمین کے پاس دعاء میں اجر وثواب ہے

حضرت عائشہؓ کی اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مواضع دعا میں سے ایک موضع قبور المسلمین بھی ہے لہذا جس طرح دیگر مواضع میں دعاء عبادت مانی جاتی ہے۔ اسی طرح اس موضع میں بھی دعاء عبادت ہی مانی جائے گی اور دعاء کے جملہ فضائل وفوائد جس طرح دوسرے مواضع میں دعاء میں داعی کو ملتے ہیں اس موضع میں بھی وہ اسے ملیں گے۔ بلکہ صالحین کی معیت سے یہ فضائل وفوائد اور روحانی برکتیں بڑھ جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور اسے جاننے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

وهذا آخر ما اردنا ايراده في هذا المقالة المباركه تقبلها الله تعالى بمنه العظيم ورسوله الكريم ﷺ . ۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیسواں مقالہ

بزرگان دین کی بیٹھکوں پر دعا فاتحہ کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین و الصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین اما بعد:

راقم الحروف فقیر حیدری رضوی غفر اللہ لہ کو ماہ اپریل ۱۹۹۸ء میں موضع سمور ڈاک خانہ ٹھارہ تحصیل ڈڈیال ضلع میر پور آزاد کشمیر میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں کے دوستوں نے بتایا کہ علاقہ ٹھارہ کے ایک خطیب نے مسلسل تین چار جمعوں کی تقریروں میں بیٹھک پیر مکال واقع بجانب مغرب از موضع سمور کے بارہ میں بیان کیا ہے۔ کہ وہاں جا کر دعا فاتحہ پڑھنا اور نذر و نیاز دینا ناجائز ہے۔ کیونکہ وہاں کسی بزرگ کی قبر نہیں ہے۔ بلکہ ایک گنبد کے اندر ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ تو وہاں یہ کام ایسے ہی ہیں۔ جیسے پتھروں کی پوجا کرنے والے پتھروں کے پاس کرتے ہیں۔ فقیر راقم الحروف نے مسئلہ بیان کیا اور دوستوں کو ایسے خطیب کے پیچھے جمعہ پڑھنے سے منع کیا۔ اس کے چند دن بعد امام مسجد صاحب سمور کا خط ملا جس میں انہوں نے لکھا ہے۔ کہ خطیب جامع مسجد نے عجیب قسم کے مسائل پیدا کر رکھے ہیں۔ اب پچھلے جمعہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ جیسے کفار لوگ پتھروں کو پوجتے تھے۔ اسی طرح اس زمانے کے لوگ پڑیوں کو پوجتے ہیں۔ بلکہ اندر قبر نہیں صرف پڑی ہے۔ کیا یہ لوگ پڑی کے لیے دعا مانگتے ہیں۔ یہی کام تو کفار بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ کفار بھی بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اب کیا کیا تحریر کروں اس خطیب کا چیلنج ہے۔ کہ میں نے تمام مسائل بحوالہ اور بغیر کسی جھجک کے شریعت مطہرہ کی روشنی میں بیان کیے ہیں۔ جس کا جی چاہے مجھ سے بحث کر سکتا ہے۔ اب آپ کی خدمت میں گزارش ہے۔ کہ ان مسائل کا حل تلاش کر کے ہمیں ان مسائل سے نجات عطا فرمائیں تاکہ ہمیں رہنمائی حاصل ہو اور دوسرے احباب کو بھی آپ کے حل شدہ مسائل سے عبرت حاصل ہو۔

امام صاحب موصوف کا دوسرا خط

بعد ازاں مولانا موصوف نے دوسرا خط لکھا اور اس میں تحریر کیا کہ آپ کی خدمت

میں خطیب صاحب کے بارہ میں تفصیلاً باتیں بتائی تھیں کہ انہوں نے کہا ہے۔ کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاوی رضویہ حصہ ۴ ص ۱۱۴ وصفحہ ۱۱ میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ بیٹھکوں پر قبے نہیں بنانے چاہئیں اور دعا بھی نہیں مانگنی چاہیے اور خطیب صاحب کا یہ پیغام مجھے دو آدمیوں کے ذریعہ سے ملا ہے کہ قادری صاحب ویسے تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے شیدائی ہیں۔ پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فتاوی رضویہ کو کیوں نہیں مانتے ؟

مولانا صاحب کے خطوں کا جواب

مولانا موصوف کے ان دو خطوں کے جواب میں ہم نے حاجی رشید صاحب دوکاندار موضع سمور کے نام خط لکھا۔ آپ کے امام مسجد صاحب کے دو خط ملے سب حال احوال کا علم ہوا۔ جب میں سمور گیا تھا تو رات کے وقت آپ لوگوں سے کھل کر باتیں ہوئیں مگر افسوس آپ کو ہماری باتوں پر یقین نہیں آیا اور آپ بدستور تا حال خطیب کے پیچھے نماز جمعہ پڑھتے اور اپنی نمازوں کو ضائع کرتے ہیں۔ میں آپ کو بالخصوص اور سمور والوں کو بالعموم تاکیداً پھر کہتا ہوں کہ اس خطیب کے پیچھے ہرگز نماز جمعہ نہ پڑھیں اور نہ ہی ایسے شخص کو اپنے گھروں میں آنے دیں بلکہ اس کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کرنا شرعاً آپ لوگوں پر فرض ہے۔ جو شخص بیٹھکوں کے پتھروں کی تعظیم اور بتوں کے پتھروں کی تعظیم میں فرق نہیں جانتا۔ وہ بے علم جاہل ہے۔ اسے یہ کون سمجھائے کہ بیٹھکوں کے پتھروں کی تعظیم مسلمان اس لیے کرتے ہیں کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ولیوں سے ہے۔ اور بتوں کے پتھروں کی تعظیم اس لیے نہیں کرتے کہ ان کا تعلق نہ اللہ سے ہے۔ اور نہ اللہ کے ولیوں سے ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے شریک سمجھے جانے کی وجہ سے لائق توہین ہیں۔

خطیب صاحب کا خط

ہمارے اس خط کی وجہ یہ حاجی محمد رشید صاحب نے خطیب سے درج ذیل خط لکھوایا اور ہمیں بذریعہ ڈاک بھجوایا۔ پہلا مسئلہ آپ کو بتایا گیا ہے۔ کہ حافظ صاحب

(خطیب صاحب) نے بیٹھک پر جانے سے روک دیا ہے۔اس کی تعظیم نہیں کرنی چاہیے
وغیرہ وغیرہ۔ جناب جس بیٹھک سے میں نے روکا ہے۔اس کی حالت یہ ہے۔کہ پہلے وہ
بیٹھک تھی پھر اس پر گنبد بنایا گیا ہے۔پھر گنبد کے اندر پڑی رکھ دی گئی ہے۔جو ابھی بھی
موجود ہے۔اب لوگ وہاں جا کر دعا فاتحہ بھی کرتے ہیں۔نیازیں بھی دیتے ہیں۔اور
وہاں دولہا کو لے جایا جاتا ہے کہ یہاں سلامی کرو۔ جناب میں اولیاء اللہ کا خادم ہوں اور
ان کی بیٹھک کو قابل تعظیم سمجھتا ہوں مگر اس بات کو ناجائز سمجھتا ہوں کہ بیٹھک پر گنبد بنا کر
درمیان میں پتھر رکھ کر پھر اس پتھر کے ساتھ اصل قبر کا سا معاملہ کیا جائے۔ جناب آپ نے
فتاوی رضویہ کی بات کی ہے کہ بیٹھک اور فرضی مزار میں فرق ہے۔ جناب مجھے اتنا تو معلوم
ہے۔کہ فرضی مزار اور بیٹھک میں فرق ہے' مگر میں نے یہ نہیں پڑھا کہ ایک بزرگ کی
بیٹھک پر گنبد بنا کر درمیان میں پتھر کی پڑی رکھ کر اس کی پوجا شروع کر دی جائے۔کتنا اچھا
ہوتا کہ لوگ بزرگ کے اصل مزار شریف پر جائیں اور وہاں جا کر دعا فاتحہ اور نیازیں جا کر
دیں۔ جناب مجھے معلوم ہے کہ فاتحہ ہر جگہ ہو جاتی ہے۔مگر اس پڑی کو سامنے رکھ کر لوگ کیا
کہتے ہوں گے۔آپ کبھی تشریف لائیں تو میں آپ کو دکھاؤں گا کہ یہ کیا بنا ہوا ہے۔ جناب
نے سمورآ کر لوگوں کو روکا کہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو وہ وہابی ہے۔اس کا تعلق سپاہ صحابہ
سے ہے۔تو جناب سے گزارش ہے۔کہ میرا تو ایمان ہے۔کہ جو بھی گستاخ رسول ﷺ
ہے۔وہ حرامی ہے۔وہ اپنے باپ کا نہیں ہے۔جیسا کہ سورۃ القلم میں ارشاد خداوندی
ہے۔ عتل بعد ذلک زنیم. آگے آپ کی مرضی ہے۔آپ جو کچھ کہتے ہیں۔ہم سننے
تیار ہیں۔کیونکہ آپ بڑے ہیں۔اور بھی بہت کچھ آپ کو بتایا گیا ہے۔مگر جناب سے
گزارش ہے کہ آپ سے کوئی بات کرتا ہے تو فتوی جاری کرنے سے پہلے تحقیق ضرور فرمایا
کریں کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے سنی بھائی جب کسی سے اختلاف کرتے ہیں تو پہلی
بات ان کی یہی ہوتی ہے کہ اس امام کو مسجد سے فارغ کیا جائے کیونکہ یہ ہم سے اختلاف
کرتا ہے۔ جناب سے پھر گزارش ہے کہ بلاوجہ کسی کو سنیت سے خارج نہ فرمایا جائے آپ

کے خارج کرنے سے کوئی سنیت سے خارج نہیں ہوتا۔ ابھی بھی خدشات ہیں تو فقیر حاضر ہے۔ بدیں حالات ضروری تھا کہ عامۃ المسلمین کو خطیب مذکور کے باطل نظریات سے باخبر کیا جائے تا کہ وہ اپنا دین وایمان بچا سکیں۔ الحمد للہ۔ اس سلسلہ میں ہم نے یہ مختصر مقالہ لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ تعالی اسے شرف قبولیت عطا فرمائے اور ذریعہ ء ہدایت بنائے آمین بجاہ النبی الامین ﷺ فنقول وبتوفیق اللہ تعالی نجول۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔ ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ۔ اور جو شخص اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے لیے اس کے رب کے یہاں بھلا ہے۔ (پ ۱۷۔ رکوع۔۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کی چیزوں کی تعظیم عبادات کی جڑ ہے۔ جس جانور یا پتھر کی عظمت والے سے نسبت ہو جائے وہ شعائر اللہ بن جاتا ہے۔ قرآن نے ہدی کے جانور کو کعبہ کی نسبت سے اور صفا مروہ کو کعبہ والی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی برکت سے شعائر اللہ فرمایا۔ تفسیر روح البیان میں فرمایا کہ بزرگوں کی قبریں بھی شعائر اللہ ہیں۔ اور جن لوگوں کو اللہ کے پیاروں سے نسبت ہو جائے وہ سب شعائر اللہ ہیں۔ (نور العرفان۔ ص ۵۳۵)

اور اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔ اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پر ہیز گاری سے ہے۔ (پ ۱۷۔ رکوع ۱۱)

دیوبندی مولوی شبیر احمد عثانی نے اس آیت کے ماتحت لکھا یعنی شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں۔ جس کے دل میں پرہیز گاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہو گا وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کرے گا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں ہے۔ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے۔ جو بالخصوص اس کی طرف منسوب ہو جائے۔ (حاشیۃ القرآن ص ۵۸۰)

اور اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ۔ بیشک صفا اور

مروہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں۔(پ۲۔رکوع۳) اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔(۱) جس چیز کو صالحین سے نسبت ہو جائے وہ چیز عظمت والی بن جاتی ہے۔صفا مروہ پہاڑ حضرت ہاجرہ کے قدم کی برکت سے اللہ کی نشانی بن گئے۔(۲) معظم چیزوں کی تعظیم وتوقیر دین میں داخل ہے۔اسی لیے صفا مروہ کی سعی حج میں شامل ہے۔(۳) برکت والے مقام پر اگر گناہ ہونے لگیں تو گناہوں کو مٹاؤ مگر مقامات کو معظم سمجھو کہ یہ دونوں پہاڑ باوجود بت رکھے جانے کے اسلام میں عظمت والے ہیں۔۔(نورالعرفان۔ص۳۶)

الحمدللہ! ان تین آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اولیاءاللہ اور بزرگان دین علماء واصفیاء واتقیاء وغیرہم کی بیٹھکیں، چلہ گاہیں۔آستانے، مقامات سکونت اور قبریں سب شعائراللہ میں سے ہیں۔اوران کی تعظیم شرعالازم ہے۔

قبوراولیاء کے پاس عبادت جائز ہے

بزرگان دین کی قبور پر حاضری دینا، ان کی زیارت کرنا، ان کے پاس عبادت الٰہی کرنا، دعا فاتحہ پڑھنا اور نذر و نیاز دینا ہم اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ان امور کے یہاں جائز ہونے کی دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ خطیب نے اپنے اس خط میں خود لکھ دیا ہے کہ کتنا اچھا ہوتا کہ وہ لوگ بزرگ کے اصل مزار شریف پر جائیں اور وہاں جاکر فاتحہ اور نیازیں دیں۔

گنبد بنانا مزارات اولیاء کی تعظیم ہے

زائرین کی دلجمعی کیلئے مزارات اولیاء پر گنبد بنانا تاکہ وہ دھوپ اور بارش کے وقت سکون قلب سے عبادات الٰہی کرسکیں شرعا جائز ہے۔اور یہ کام اولیاء کی تعظیم میں داخل ہے۔بدیں وجہ ہمارے فقہاء نے مزارات اولیاء پر گنبد بنانے اوران کے قرب و جوار میں مساجد تعمیر کرنے کو جائز رکھا ہے۔معتبر کتب فقہ حنفی کی بعض عبارات ملاحظہ ہوں۔

(۱) عارف باللہ تعالیٰ امام عبدالغنی نابلسی لکھتے ہیں: **ومن تعظيمهم بناء القباب**

علی قبورهم حتی لا تحتقر هم العامة من الناس وان کان ذلک بدعة فهی بدعة حسنة کما قال الفقهاء فی تکبیر العمائم وتوسیع الثیاب للعلماء انه جائز حتی لا تستخف بهم العامة ویحترمونهم وان کان ذلک بدعة لم یکن علیها السلف حتی قال فی جامع الفتاوی فی البناء علی القبر وقیل لا یکره اذا کان المیت من المشائخ والعلماء السادات وفی تنویر الابصار لایرفع علیه وقیل لا باء س به وهو المختار

اور بزرگان دین کی تعظیم کے کاموں میں سے ایک ان کی قبور پر گنبد بنانا ہے۔ تا کہ عام لوگ ان کی بے ادبی نہ کریں۔ اگر یہ بدعت ہے۔ تو بدعت حسنہ ہے۔ جیسا کہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ علماء کے لیے بڑا عمامہ باندھنا اور بہت سے کپڑے پہننے جائز ہیں۔ تا کہ عام لوگ ان کی بے ادبی سے بچیں اور ان کا ادب بجالائیں۔ اگر چہ یہ کام نیا ہے اور سلف صالحین اس طریقہ پر نہ تھے حتی کہ جامع الفتاوی میں قبور پر عمارت سازی کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قبور پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔ جبکہ میت مشائخ علماء اور سادات میں سے ہو اور تنویر الابصار میں لکھا ہے کہ قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی قول مختار ہے۔ (کشف النورص ۱۳)

(۲) امام ابن عابد بن شامی لکھتے ہیں۔ وفی الاحکام عن جامع الفتاوی وقیل لا یکره البناء اذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات اه قلت لکن هذا فی غیر المقابر المسبلة کما لا یخفی۔ کتاب الاحکام میں جامع الفتاوی سے منقول ہے۔ کہ قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں جبکہ میت مشائخ علماء اور سادات میں سے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اس قبرستان کے بارہ میں ہے۔ جو عامۃ المسلمین پر وقف نہ ہو۔ جیسا کہ یہ ظاہر ہے۔ (ردالمختار ص ۶۶۲ ج اول)

(۳) اور امام علی قاری حنفی لکھتے ہیں۔ وقد اباح السلف البناء علی

قبر المشائخ والعلماء المشهورين ليزوروهم الناس ويستريحون بالجلوس فيه اھ كلام التور پشتي ۔امام تور پشتی نے فرمایا کہ سلف صالحین نے مشہور مشائخ وعلماء کی قبور پر عمارت بنانے کو مباح قرار دیا ہے۔تا کہ لوگ ان کی زیارت کریں اور ان قبور پر بنی ہوئی عمارتوں میں بیٹھ کر آرام کریں۔(مرقاۃ جلد چہارم ص۶۹)
الحمد للہ فقہ حنفی کی ان تین معتبر کتب کی عبارات سے ثابت ہوا کہ مشائخ علماء اور سادات کی قبور پر گنبد بنانا جائز اور یہ ان کی تعظیم میں داخل ہے کہ عام لوگوں کے دلوں میں ان گنبدوں سے اصحاب قبور کی عظمت پیدا ہوگی اور وہ بوقت زیارت ان جگہوں میں آرام بھی کرسکیں گے۔

بزرگان دین کی بیٹھکیں بھی قابل تعظیم ہیں

بزرگان دین کی قبور جس طرح قابل تعظیم ہیں۔اسی طرح ان کی بیٹھکیں ،آستانے ، چلہ گاہیں بھی قابل تعظیم ہیں۔خود خطیب نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ جناب میں اولیاء کرام کا خادم ہوں ان کی بیٹھک کو قابل تعظیم سمجھتا ہوں لہذا ہمیں اور کوئی دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں۔وللہ الحمد۔

بیٹھکوں پر گنبد سازی جائز ہے

جس طرح اولیاء کی قبور پر گنبد سازی جائز ہے۔اور ان کی تعظیم ہے۔اسی طرح ان کی بیٹھکوں پر بھی گنبد سازی جائز اور ان کی تعظیم ہے۔ولہذا خطیب کا مزارات اولیاء پر گنبد سازی کو جائز اور ان کی بیٹھکوں پر ناجائز کہنا شرع شریف پر افترائے عظیم ہے۔خطیب کو کوئی دلیل پیش کرنی چاہیے تھی کہ شرع شریف نے فلاں وجہ سے قبور پر گنبد سازی کو جائز رکھا ہے۔اور فلاں وجہ سے بیٹھکوں پر اسے ناجائز رکھا ہے۔پس ثابت ہوا کہ اس نے یہ حکم بلا دلیل اپنی طرف سے لگایا ہے۔والعیاذ باللہ تعالی منہ۔بیٹھکوں پر گنبد سازی کا جواز مزارات پر گنبد سازی کے جواز پر قیاس کیا جائے گا کہ یہ دونوں جگہیں

اولیاء اللہ سے نسبت رکھتی ہیں۔قابل تعظیم اور لائق زیارت ہیں ان دونوں کے پاس عبادات الٰہی کی جاتی ہیں۔لہذا لوگوں کی سہولت کے لئے دونوں پر گنبد سازی جائز ہونی چاہیے۔فمن ادعی الفرق فعلیه البیان واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

بیٹھکوں کے پاس فاتحہ جائز ہے

جس طرح خطیب نے گنبد سازی کو نا جائز کہہ کر شرع شریف پر بہتان عظیم لگایا ہے۔اسی طرح اس نے بیٹھکوں کے پاس دعا فاتحہ کو نا جائز کہہ کر شرع شریف پر افترائے عظیم کیا ہے۔قبور کے پاس جس طرح عبادت الٰہی جائز ہے۔عین اسی طرح بیٹھکوں کے پاس بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں۔اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا انہوں نے عبادت کی ہوتو وہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ متبرک جگہ ہے۔جائز ہے۔بلکہ سنت ہے۔بخاری جلد اول کتاب الصلوۃ بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا باب المسجد الذی علی طریق المدینۃ اس میں بیان فرمایا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے تھے جہاں حضور ﷺ نے کبھی نماز پڑھی تھی حتی کی بعض جگہ مسجدیں بنا دی گئیں مگر وہ غلطی سے کچھ علیحدہ بن گئیں تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ وہاں ہی نماز پڑھتے تھے جہاں حضور ﷺ نے پڑھی تھی فلم یکن عبداللہ یصلی فی ذالک المسجد کان یترکہ عن یسارہ۔یہ کیا تھا محض برکت حاصل کرنا تھا لہذا خواجہ اجمیری رحمہ اللہ تعالی کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنا،ان کی زیارت کرنا اوران کو متبرک سمجھنا سنت صحابہ سے ثابت ہے۔(جاء الحق ص ۳۰۶)

بیٹھک اور فرضی قبر میں فرق ہے

فتاوی رضویہ جلد چہارم ص ۱۱۴،۱۱۵ کے دو فتووں سے خطیب کا بیٹھکوں کو فرضی قبریں سمجھنا اس کی کم علمی اور کم فہمی کی روشن دلیل ہے۔ان دو فتووں میں بیٹھک کا لفظ

موجود نہیں ہے۔ بلکہ فرضی مزار کا لفظ لکھا گیا ہے۔اور ظاہر ہے بیٹھک اس جگہ کا نام ہے۔ جہاں کبھی کوئی ولی اللہ بیٹھے ہوں یا انہوں نے وہاں کوئی عبادت کی ہو۔اور فرضی قبر وہ جگہ ہے۔ جہاں کوئی بزرگ نہ بیٹھے ہوں اور نہ انہوں نے وہاں کوئی عبادت کی ہو بلکہ دوسرے لوگوں نے کسی جگہ قبر بنا کر مشہور کر دیا ہو کہ یہ فلاں بزرگ کی قبر ہے۔ ظاہر ہے کہ بیٹھک کا تعلق بزرگوں سے ہوتا ہے۔اور فرضی قبر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

اعلیٰ حضرت کے فتوے

ناظرین کرام کے ملاحظہ کے لیے اعلیٰ حضرت کے وہ دو فتوے یہاں درج کر دیے جاتے ہیں تاکہ خطیب کی غلط فہمی کا حال کھل جائے۔

اعلیٰ حضرت کا پہلا فتویٰ

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں (۱) کسی اولیاء اللہ کا مزار شریف فرضی بنانا اور اس پر چادر وغیرہ چڑھانا اور اس پر فاتحہ پڑھنا اور اصل مزار کا سا ادب کرنا جائز ہے۔ یا نہیں؟ اور اگر کوئی مرشد اپنے مریدوں کے واسطے بنانے اپنے فرضی مزار کے خواب میں اجازت دے تو وہ قول مقبول ہوگا یا نہیں؟

الجواب (۱) فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرنا ناجائز و بدعت ہے۔اور خواب کی بات خلاف شرع امور میں مسموع نہیں ہوسکتی واللہ تعالیٰ اعلم ؛؛

اعلیٰ حضرت کا دوسرا فتویٰ

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے ایک قبر فرضی اور مصنوعی جس کا پہلے سے کوئی وجود نہ تھا بنوا کر یہ مشہور کیا کہ اس قبر میں امروہہ کے زین العابدین تشریف لائے ہیں۔ مجھ کو خواب میں بشارت ہوئی۔ ایسی روایات کاذبہ

سے اس قبر کی عظمت لوگوں کے سامنے بیان کر کے قبر پرستی کی طرف بلانے لگا حتی کہ اس میں اسے کامیابی ہونے لگی اور بہت سی مخلوق اس طرف متوجہ ہوگئی ۔ اس قبر پر چادریں۔مرغی۔بکری۔اور مٹھائیاں روپیہ پیسہ چڑھانے لگے اور اپنی مرادیں اور منتیں اس قبر سے مانگنے لگے اور زید اس آمدنی سے متمتع ہوتا ہے۔ایسے شخص کے واسطے شریعت کیا حکم لگاتی ہے؟

الجواب (۲) قبر بلا مقبور کی زیارت کی طرف بلانا اور اس کے لئے وہ افعال کرانا گناہ ہے۔اور جبکہ وہ اس پر مصر ہے اور باعلان اسے کر رہا ہے تو فاسق معلن ہے۔اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور نماز پھیرنی واجب ہے۔اس جلسہ قبر بے مقبور میں شرکت جائز نہیں ۔زید کے اس معاملہ سے جو خوش ہے۔خصوصاً وہ جو ممد و معاون ہیں سب گناہ گار فاسق ہیں۔

قارئین کرام! اعلی حضرت کے ان فتووں پر غور فرمائیں اور خطیب کی سمجھ پر ماتم کریں کہ ان میں سے ایک فتوئی میں مزار شریف فرضی بنانا اور دوسرے میں قبر بلا مقبور پر حکم شرع صادر فرمایا گیا ہے۔نہ کہ بزرگان دین کی بیٹھکوں پر اللہ تعالی حق سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

گنبد بنانے اور پتھر رکھنے سے بیٹھک فرضی قبر نہیں بن جاتی

خطیب کے عقل وفہم پر قربان جس نے بیٹھک پر گنبد بنانے اور اندر پتھر رکھ دینے سے بیٹھک کو فرضی قبر قرار دے دیا۔اور فرضی قبر کا جو حکم اعلی حضرت نے لکھا تھا وہ اس بیٹھک پر عائد کر دیا اور بڑے فخر سے لکھ دیا کہ جناب جس بیٹھک سے میں نے روکا ہے اس کی حالت یہ ہے کہ پہلے وہ بیٹھک تھی پھر اس پر گنبد بنایا گیا ہے۔پھر گنبد کے اندر پتھر کی پڑی رکھ دی گئی ہے۔جو ابھی بھی موجود ہے۔اب لوگ وہاں جا کر دعاء فاتحہ بھی کرتے ہیں۔نیازیں بھی دیتے ہیں۔وہاں دولہا کو لے جاتے ہیں۔کہ یہاں سلامی کرو۔

بیٹھک کی پڑی کی حقیقت

خطیب نے اپنی کم فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ اس پڑی کا بیٹھک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ ظاہر یہی ہے کہ صاحب بیٹھک اپنی ظاہری دنیاوی زندگی میں جب اس مقام پر بیٹھا کرتے تھے تو اس مقام کی اسی پڑی پر بیٹھا کرتے تھے۔ سو جس طرح ان کے بیٹھنے سے وہ جگہ متبرک ہوگئی ہے۔ اسی طرح وہ پڑی بھی متبرک ہوگئی ہے۔ گنبد بنانے والوں نے کوئی اور کام تو نہیں کیا۔ بلکہ وہ پڑی پہلے جس جگہ تھی اسی جگہ رکھی ہے۔ صرف چار دیواری کی جگہ گنبد بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق بخشے آمین۔

ماشاء اللہ! خطیب اپنے آپ کو سنی سمجھتا ہے۔ اور بزعم خویش ایسا سنی ہے کہ کوئی اسے سنیت سے خارج بھی نہیں کر سکتا مگر ادھر یہ حال ہے کہ چار پانچ جمعوں کی تقریروں میں بیٹھکوں کی مذمت بیان کرتا رہا ہے۔ اور بیٹھکوں کے پتھروں کے پاس دعا فاتحہ اور نذر نیاز کو پتھروں کی پوجا بناتا رہا ہے۔ پھر اس کی اتنی کم فہمی کہ جن کاموں کو وہ پتھروں کی پوجا کہہ رہا ہے اس کے نزدیک وہی کام قبور الصالحین کے پاس عین عبادت الٰہی ہیں۔ کوئی اس شخص کو کیسے سمجھائے کہ اگر بیٹھک پر فاتحہ دعا نذر و نیاز کرنا پتھر کی عبادت ہے تو قبور کے پاس یہ کام قبر کی پوجا کیوں نہیں ہوں گے؟ اور اگر یہ قبر کے پاس عبادت الٰہی ہیں تو بیٹھک کے پاس بھی عبادت الٰہی ہی تو ہوں گے۔ آخر اس فرق کی کوئی وجہ بھی تو بتاؤ کہ ایک کام قبر کے پاس عبادت الٰہی ہے۔ مگر وہ بیٹھک کے پاس پتھر کی پوجا بن جاتا ہے۔ ہر صاحب علم و دانش خطیب کے درج ذیل الفاظ سے سمجھ سکتا ہے کہ خطیب میں وہابیت کی رگ ضرور پھڑک رہی ہے۔۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ جناب مجھے اتنا تو معلوم ہے کہ فرضی مزار اور بیٹھک میں فرق ہے مگر یہ نہیں پڑھا کہ ایک بزرگ کی بیٹھک پر گنبد بنا کر درمیان میں پتھر کی پڑی رکھ کر اس کی پوجا شروع کر دی جائے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ۔

خطیب کے نزدیک اس بیٹھک پر جانے والے مشرک ہیں

خطیب کی مندرجہ بالا عبارت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہابیہ کی طرح خطیب کے نزدیک پیر مکال کی بیٹھک پر جا کر پڑی کے پاس فاتحہ دعا کرنے، نذر و نیاز

دینے والے اور دولہا کو سلامی دینے والے مسلمان معاذ اللہ مشرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے شاطروں کی چالیں سمجھنے کی توفیق بخشے آمین۔

بیٹھک کو فرضی قبر بنا دینے سے اس کی تعظیم میں فرق نہیں آتا

اگر بالفرض کسی بیٹھک کو فرضی قبر بنا دیا جائے اور اس کی شکل مکمل طور پر قبر کی صورت میں کر دی جائے تو اس سے بھی بیٹھک کی تعظیم ختم نہیں ہوگی بلکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ قبر کی شکل کو مٹا کر، پھر اسے بیٹھک کی شکل میں بنائیں اور اس کا ادب واحترام بدستور بجا لائیں۔ ابھی مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب کا یہ ارشاد گزرا کہ برکت والے مقام پر اگر گناہ ہونے لگیں تو گناہوں کو مٹاؤ مگر مقامات کو معظم سمجھو کہ یہ دونوں پہاڑ (صفا مروہ) باوجود بت رکھے جانے کے اسلام میں عظمت والے رہے۔ (نور العرفان ص ۳۶) اور اس کی دوسری مثال خانہ کعبہ کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اس میں تین سو ساٹھ بت رکھے گئے مگر اس کی تعظیم میں فرق نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بیٹھک پر دعا فاتحہ سے مقصود صاحب بیٹھک کو ثواب پہنچانا ہے

جس طرح قبر پر دعا فاتحہ سے مقصود صاحب قبر کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے۔ اسی طرح بیٹھک پر دعا فاتحہ سے مقصود صاحب بیٹھک کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے۔ وہابیہ دونوں جگہوں میں فاتحہ دعا سے منع کرتے ہیں اور ان جگہوں میں دعا فاتحہ کو ان جگہوں کی پوجا قرار دیتے ہیں۔ لہذا خطیب کا یہ کہنا کہ جناب مجھے معلوم ہے کہ فاتحہ ہر جگہ سے ہو جاتی ہے مگر اس پڑی کو سامنے رکھ کر لوگ کیا کہتے ہوں گے۔ اس کی سراسر گمراہی اور حقیقت حال سے بے خبری کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے گمراہ لوگوں کے شر سے ہمارے سنی بھائیوں کو بچائے۔ آمین۔

خطیب کی ایک اور غلط فہمی

اس کا یہ لکھنا کہ مگر میں اس بات کو ناجائز سمجھتا ہوں کہ بیٹھک پر گنبد بنا کر درمیان

میں پتھر رکھ کر اس کے ساتھ اصل قبر کا سا معاملہ کیا جائے کیونکہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خطیب کے نزدیک جس بیٹھک پر گنبد بن جائے اور اس میں پتھر رکھ دیا جائے وہ فرع ہے۔اور اصل قبر اس کی اصل ہوتی ہے۔حالانکہ قبر الگ چیز ہے اور بیٹھک الگ چیز۔ دونوں کی اپنی اپنی مستقل حیثیت ہے۔فرضی قبر جو کہ فرع ہے۔اور اصلی قبر جو کہ اصل ہے۔اس کا مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے خطیب کو یہ غلط فہمی لگی ہے۔بہر حال بیٹھک کو جس بھی شکل وصورت میں بنا دیا جائے اس کی تعظیم شرعاً مطلوب ہے۔بعد کی شکل وصورت سے اس کی تعظیم میں کوئی فرق نہیں آتا جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

سنی بھائیوں سے گزارش

ہم نے یہاں تک حقیقت حال کو واضح کرنے کے لئے جو کچھ سپرد قلم کیا ہے۔اسے غور سے پڑھیں سمجھیں اور خطیب جیسے دام ہم رنگ زمین لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کریں۔کسی شرعی مسئلہ کو سمجھنا علماء کا کام ہوتا ہے۔عامۃ المسلمین کا کام اپنے معتبر سنی علماء کا کہنا ماننا ہوتا ہے۔آج کل بہتر فرقے بن چکے ہیں ہر فرقے کے عقائد ونظریات سے عوام آگاہ نہیں ہوتے اور اپنے سنی عقائد سے بھی کما حقہ واقف نہیں ہوتے اس لیے گمراہ لوگوں کے جال میں فوراً پھنس جاتے ہیں۔ایسی صورت حال کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔**فاسئلو اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون** ۔اگر تمہیں کسی مسئلہ کا علم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھو۔بہر حال خطیب کی حقیقت کا سمجھنا خود بخود کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔الحمد للہ ہم نے پوری وضاحت لکھ دی ہے۔اس کو پڑھنے والے مسلمان انشاء اللہ خطیب کی گمراہی سے محفوظ رہیں گے۔

وهذا آخر ما اردنا ايراده في هذه المقالة المختصرة تقبلها الله تعالى بمنه العظيم ورسوله الكريم ﷺ.

(۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ لیلۃ المعراج علی صاحبہ الصلوۃ والسلام)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکتیسواں مقالہ

عہدنامہ قبر میں رکھنے کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔اما بعد۔

بعض احباب نے فقیر راقم الحروف غفر اللہ تعالیٰ لہ سے میت کے ہاتھ میں عہد نامہ دینے کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو اس مسئلہ کی تلاش کی سعادت حاصل ہوئی۔ پھر خیال آیا کہ مختصر رسالہ کی صورت میں اس مسئلہ کولکھ دیا جائے تا کہ عوام الناس اس پر بے خطر عمل کر سکیں، اللہ تعالی اس سعی کو شرف قبولیت بخشے۔ (آمین)

عہد نامہ کا ثبوت

محدث حکیم ترمذی نے کتاب نوادرالاصول میں حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سب نمازوں کے پیچھے یہ دعا پڑھے۔

اللھم فاطر السموات و الارض عالم الغیب والشھادۃ الرحمٰن الرحیم اللھم انی اعھد الیک فی ھذہ الحیاۃ الدنیا بانک انت اللہ لاالہ الاانت وحدک لاشریک لک وان محمداعبدک ورسولک فلا تکلنی الی نفسی فانک ان تکلنی الی نفسی تقربنی من السوء و تباعدنی من الخیر وانی لاالق الا برحمتک فا جعل رحمتک لی عھدا عندک تؤدیہ الی یوم القیامۃ انک لا تخلف المیعاد۔

فرشتے اس کو لکھ لیتے ہیں اور اس پر قیامت کے دن تک مہر لگا دیتے ہیں **فاذاحشر ذلک العبد یاتی بہ الملک ونودی این صاحب العھد فیؤتی بعھدھم** ۔ پھر جب یہ بندہ قیامت میں آئے گا تو فرشتہ اس عہد کو لے کر آئے گا اور نداء دے کر کہے گا۔ اس عہد والا کہاں ہے۔ پس اس عہد والوں کو دے دیا جائے گا (جامع الرضوی لمولانا السید ظفر الدین البہاری ص ۸۰۲)

عہد نامہ کفن پر لکھنے کی وصیت

حکیم ترمذی اس روایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وعن طاؤس انہ امر بھذہ الکلمات فلتبت فی کفنہ۔ اور مشہور تابعی حضرت طاؤس نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے (جامع الرضوی ص ۸۰۲)

عہد نامہ کاغذ پر لکھ کر میت کے سینے پر رکھنا

اور یہی محدث حکیم ترمذی اپنی اسی کتاب نوادر الاصول میں روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ من کتب ھذا الدعاء وجعلہ بین صدر المیت وکفنہ فی رقعۃ لم ینلہ عذاب القبر ولا یری منکر اونکیرا۔ جو شخص یہ دعا کاغذ پر لکھ کر میت کے سینے اور کفن کے درمیان رکھے اس کو قبر کا عذاب نہیں پہنچے گا اور نہ وہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔ **لاالــه الاالـلــه والـلـه اکبـر لاالـه الله وحده لا شریک له لا اله الاالله له الملک وله الـحـمـد لااله الاالله ولا حول و لاقوة الا بـالـلـه الـعلی العظیم.** (جامع الرضوی ص ۸۰۲)

میت کے ہمراہ عہد نامہ رکھنے کی ایک اور دعا

فقیہ ابن عجیل فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دعا لکھے اور میت کے ہمراہ قبر میں رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے فتنے اور عذاب سے بچائے گا اور فرمایا جو شخص اس دعا کو میت کے کفن پر لکھے۔ اللہ تعالیٰ اس میت سے صور پھونکے جانے تک عذاب دور کر دے گا۔ دعا یہ ہے۔

الـلـهـم انی اسئلک یا عالم السر یا عظیم الخطر یا خالق البشر یا موقع الـظـفـر یا معروف الا ثر یا ذالطول والمن ویا کاشف الضر والمحن یا الـه الا ولیـن والا خـرین فرج عنی همومی واکشف عنی غمومی وصل اللهم علی سیدنا محمد ۔ (جامع الرضوی ۸۰۲)

حضرت کثیر بن عباس کا اپنے کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا

محدث عبدالرزاق اپنے مصنف میں ضعیف سند کے ساتھ اور طبرانی معجم میں اور ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں محمد بن عقیل سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔ و کتب فی اطراف اکفانہ یشھد کثیر بن عباس ان لاالہ اللہ حضرت کثیر بن عباس نے اپنے کفن کے کپڑوں کے سروں پر لکھا کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔(اور محمد اللہ کے رسول ہیں) (جامع الرضوی ص۱۰۸)

عہد نامہ کی کوئی دعا خاص نہیں

عہد نامہ کے لئے مندرجہ بالا دعائیں ہی مخصوص نہیں ہیں۔ بلکہ جن بھی لفظوں میں یہ لکھا جائے گا درست ہے۔ چنانچہ امام حلبی سے امام بن عابدین شامی ناقل (قولہ عھد نامہ). بفتح المیم وسکون الھاء ومعناہ بالفارسیۃ الرسالۃ والمعنی رسالۃ العھد والمعنی ان یکتب شیء مما یدل علی انہ علی العھد الازلی بینہ وبین ربہ یوم اخذ المیثاق من الایمان والتوحید والتبرک باسماء اللہ تعالیٰ ونحو ذالک۔

عہد نامہ سے مراد یہ ہے کہ وہ الفاظ لکھے جائیں۔ جو اس بات پر دلالت کریں کہ وہ اپنے رب کے اس عہد پر قائم ہے جو ایمان اور توحید کے بارے میں روز میثاق اس سے لیا گیا تھا۔ اور اللہ کے ناموں کو بطور برکت شامل کیا جائے۔ (ردالمحتار جلد ا ص ۶۶۸)

ہمارے علاقہ میں عہد نامہ کے لکھے جانے والے الفاظ سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ ہمارے علاقہ میں کفن پر اللہ ربی محمد شفیعی الاسلام دینی بسم اللہ الرحمن الرحیم لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ اشھدان لا الہ الااللہ وحدہ لا شریک لہ واشھدان محمداً عبدہ ورسولہ کے الفاظ طیبات لکھے

جاتے ہیں۔ ان سے بھی عہد نامہ کی مذکورہ بالا فضیلت حاصل ہو جاتی ہے جو ایک قسم کا عہد ہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقہائے حنفیہ قبر میں عہد نامہ رکھنے کی اجازت دیتے ہیں

وہابیہ زمانہ کا عام دستور ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کے خلاف جو حدیث دیکھتے ہیں۔ اسے بے دھڑک ضعیف کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں۔ لیکن ہم احناف کے نزدیک حدیث اگر چہ ضعیف ہو جب ائمہ مجتہدین اس کو قبول کرلیں تو تلقی الامت بالقبول کی وجہ سے اس حدیث کا ضعف نقصان نہیں دیتا۔ یہی حال مندرجہ بالا حدیث کا ہے کہ ان کو ہمارے فقہائے حنفی نے قبول فرما کر ان پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ **وذکر الامام الصفار لو کتب علی جبهة المیت اوعلی عمامته او کفنه عهد نامه یرجی ان یغفر الله تعالیٰ للمیت ویجعله آمنا من عذاب القبر قال نصیر هذه روایة فی تجویز وضع عهد نامه مع المیت وقدروی انه کان مکتوباً علی افخاذافراس فی اصطبل الفاروق رضی الله عنه حبیس فی سبیل الله** ۔ اور امام صفار نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد لکھیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش کر دے گا۔ اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔ امام نصیر نے یہ فرمایا کہ یہ روایت میت کے ہمراہ عہد نامہ رکھنے کا جواز ثابت کرتی ہے۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا ہوا تھا۔ اللہ کی راہ میں روکے ہوئے۔ (فتاویٰ بزازیہ جلد سوم ص ۳۸۰)

اور امام حصکفی کتاب درمختار شرح تنویر الابصار میں لکھتے ہیں۔ **کتب علی جبهة المیت اوعمامته او کفنه عهد نامه یرجی ان یغفر الله المیت** ۔ میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی

مغفرت فرمادے گا (درمختار ص ۶۶۸ جلد اول)

اور علامہ شامی لکھتے ہیں کہ امام ابن حجر مکی شافعی سے یہ سوال کیا گیا کہ کفن پر عہد نامہ لکھنا جائز ہے اور اس کی اصل ثابت ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب لکھا۔ نقل بعضهم عن نوادر الاصول للترمذی مایقتضی ان هذا الدعاء له اصل وان الفقیه ابن عجیل کان یامربه ثم افتی بجواز کتابته قیاساً علی کتابة الله فی ابل الزکاة واقره بعضهم ۔ بعض علماء نے عہد نامہ کو حکیم ترمذی کی کتاب نوادر الاصول سے اس طرح نقل کیا ہے کہ وہ اس کی اصل کے ثابت ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور فقیہ ابن عجیل کفن پر عہد نامہ لکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے کفن پر اس کے لکھنے کے جواز کا فتویٰ اس بات پر قیاس کرتے ہوئے دیا کہ زکوۃ کے اونٹوں پر اللہ کا نام لکھا ہوتا تھا۔ اور ابن عجیل کے اس فتویٰ کو بعض علماء نے ثابت رکھا ہے۔ (ردالمحتار جلد ا، ص ۶۶۸)

اور یہی بزرگ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ نعم نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان ممایکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالا صبع المسبحة بسم الله الرحمن الرحیم وعلی الصدر لا اله الاالله محمد رسول الله وذالک بعد الغسل قبل التکفین اھ۔

ہاں بعض حاشیہ نگاروں نے کتاب فوائد الشرجی سے نقل کیا ہے کہ میت کی پیشانی پر سیاہی کے بغیر شہادت کی انگلی سے جو بسم اللہ شریف اور اس کے سینے پر کلمہ طیبہ لکھا جاتا ہے وہ غسل دینے کے بعد کفن پہنانے سے پہلے ہونا چاہیے۔ (ردالمحتار جلد ا ص ۶۶۹)

اور بہار شریعت میں ہے کہ شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ میت کے سامنے قبلہ کی طرف طاق کھود کر اس میں رکھیں، بلکہ درمختار میں کفن پر عہد نامہ لکھنے کو جائز کہا ہے، اور فرمایا اس سے مغفرت کی امید ہے۔ (درمختار غنیۃ عن التاتارخانیہ)

یوں بھی ہوسکتا ہے کہ پیشانی پر بسم اللہ شریف لکھیں اور سینے پر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ مگر نہلانے کے بعد کفن پہنانے سے پیشتر کلمہ کی انگلی سے لکھیں روشنائی (سیاہی) سے نہ لکھیں۔ (ردالمحتار) بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۶۴)

اور مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی لکھتے ہیں۔ میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ لکھنا اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے، خواہ تو انگلی سے لکھا جائے یا کسی اور چیز سے۔ (جآء الحق ص ۳۳۸)

بسم اللہ کی برکت سے مغفرت ملنے کے بارے میں مبارک خواب

امام حصکفی درمختار میں لکھتے ہیں۔ **اوصی بعضھم ان یکتب فی جبھتہ وصدرہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ففعل ثم روی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جآءتنی ملائکۃ العذاب فلما راوا مکتوباً علی جبھتی بسم اللہ الرحمن الرحیم قالوا امنت من عذاب اللہ ۔**

ایک شخص نے وصیت کی کہ اس کی پیشانی اور سینے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا جائے۔ تو یہ کام کیا گیا، پھر اسے خواب میں دیکھا گیا اور اس سے حال پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ جب میں قبر میں رکھا گیا تھا تو عذاب کے فرشتے آئے اور جب انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا دیکھا تو بولے تو اللہ کے عذاب سے بچ گیا ہے۔ (درمختار ص ۶۶۸ جلد اول)

مقام غور ہے کہ جب عہد نامہ لکھنے یا کفنی لکھنے سے میت کو اتنے بڑے فائدے کے پہنچنے کی امید ہے تو مسلمانوں کو مفید کام سے روکنے والا ان کا بدترین بدخواہ ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب فرمائے (آمین)

میت کے ہاتھ میں عہد نامہ دینے کا مسئلہ

جب یہ ثابت ہو گیا کہ قبر میں عہد نامہ رکھنا جائز ہے۔ بلکہ کفن پر لکھنا بھی جائز ہے تو

اس سے میت کے ہاتھ میں عہد نامہ دینے کا جواز پیدا ہو گیا۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ قبر کی قبلہ والی دیوار میں طاقچہ بنا کر اس میں رکھیں یا میت کے سینے پر کفن کے نیچے رکھیں۔ (واللہ تعالی اعلم)

عہد نامہ پختہ سیاہی سے لکھنا جائز ہے

بعض مولوی حضرات کفن پر کلمات طیبات پختہ سیاہی سے لکھنے کا بہت انکار کرتے ہیں اور سرخ کچی مٹی سے لکھنے پر اصرار کرتے ہیں یہ ان کی بے جا ضد ہے کیونکہ جب فقہائے حنفیہ نے کتب مطلقاً ذکر فرمایا تو اس مطلق کو اپنی طرف سے ایک قید سے مقید بنانا اصول فقہ کے سراسر منافی ہے۔ اللہ تعالی حق سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ایک مشہور اعتراض کا جواب

کفنی لکھنے کی مخالفت کرنے والے لوگ بطور دلیل کہتے ہیں کہ قبر میں میت پھول پھٹ جاتا ہے اور اس کے جسم سے خون اور پیپ بہتے ہیں اس سے کفن میں لکھے ہوئے کلمات طیبات کی بے ادبی کا اندیشہ ہے۔ اس لیے کفنی نہ لکھی جائے۔ اس کا جواب ہمارے فقہائے احناف نے یہ دیا ہے کہ اس اندیشہ سے لکھنا منع نہیں کیونکہ زکوۃ کے اونٹوں کی رانوں پر سیدنا فاروق اعظم کے اصطبل میں حبیس فی سبیل اللہ لکھا جاتا تھا یعنی میت کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے نہ کہ کلمات طیبات کو خون اور پیپ میں پھینکنا تو جب مقصد جائز ہے تو اس کے حصول میں اگر بے ادبی کا اندیشہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم

ثانیاً ہماری فقہ حنفی کی کتب میں لکھا ہے کہ اگر نکسیر پھوٹ پڑے اور کوئی علاج اس کے سوا میسر نہ ہو کہ اس کی پیشانی پر سورۃ فاتحہ خون سے لکھی جائے تو بطور علاج اس کے لکھنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ فتاوی بزازیہ میں ہے:

ومع العجين على الجرح ان علم ان فيه شفاء لا باس به وللذى

رعف ولا یرقا ان یکتب شیئا من القرآن علی جبهته ولو بالبول اوعلی جلد میتة ان فیه شفاء ومعنی قوله علیه الصلوٰة والسلام لم یجعل شفاء کم فی ما حرم علیکم نفی الحرمة عند العلم بالشفاء دل علیه جواز اساغة اللقمة بالخمر وجواز شربه لا زالة العطش . (بزازیه ص ۳۶۵)

اورردالمحتار میں ہے۔ ونص مافی الحاوی القدسی اذاسال الدم من انف انسان ولا ینقطع حتی یخشی علیه الموت وقد علم انه لو کتب فاتحة الکتاب او الاخلاص بذلک الدم علی جبهته ینقطع فلا یرخص له فیه وقیل یرخص کما رخص فی شرب الخمر للعطشان واکل المیتةفی المخمصة وهو الفتویٰ اه وفی الخانیه فی معنی قوله علیه الصلوٰة والسلام ان الله لم یجعل شفاء کم فی ما حرم علیکم کما رواه البخاری ان ما فیه شفاء لا بأس به کما یحل الخمر للعطشان للضرورة وکذا اختاره صاحب الهدایة فی التجنیس فقال لو رعف فکتب الفاتحة بالدم علی جبهته وانفه جاز للاستشفاء وبالبول ایضاً ان علم فیه الشفاء لا بأ س به لکن لم ینقل وهذا لان الحرمة ساقطة عند الاستشفاء کالخمر والمیتة للعطشان والجائع اه من البحر.
(ردالمحتار ص ۱۵۴ جلد ۱)

مقام غور ہے کہ ایک شخص کی عارضی و دنیاوی زندگی بچانے کے لئے جب یہ جائز ہے کہ اس کی پیشانی پر اس کے خون سے سورہ فاتحہ لکھی جائے تو میت کو عذاب ابدی سے بچانے کے لئے اس کے کفن پر کلمات طیبات لکھنے کیونکہ جائز نہ ہوں گے۔ حالانکہ یہ کلمات لکھے جانے کے وقت کفن پاک ہوتا ہے۔ اور کفن پہنائے جانے کے وقت میت خود بھی پاک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور اسے سمجھنے اور ماننے کی توفیق بخشے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

ایک اوراعتراض کا جواب

عہد نامہ لکھنے سے منع کرنے والوں کا ایک اوراعتراض یہ ہے کہ مشہور حنفی امام علامہ ابن عابدین شامی نے اس سے منع کیا ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے۔ وفیہ نظر وقد افتی ابن الصلاح بانه لایجوز ان یکتب علی الکفن یسین والکھف ونحوھما خوفا من صدید المیت والقیاس المذکور ممنوع لان القصدثم التمیز وھنا التبرک والاسماء المعظمة باقیة علی حالها فلا یجوز تعریضها النجاسةوالقول بانه یطلب فعله مردود لان مثل ذالک لا یحتج به الا اذا صح عن النبی ﷺ طلب ذالک ولیس کذالک اھـ وقدمنا قبیل باب المیاہ عن الفتح انه تکرہ کتابة القرآن واسماء الله تعالی علی الدراهم والمحاریب والجدران ومایفرش وما ذالک الا لاحترامه وخشیةوطئه ونحومماقیه اهانة فالمنع هنا بالاولی مالم یثبت عن المجتهد او ینقل فیه حدیث فتامل.
(ردالمحتار جلد ا ص ۶۶۹)

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ علامہ شامی نے اس مسئلہ میں امام ابن حجر مکی اور ابن الصلاح وغیرہما علمائے شوافع کی موافقت اور امام صفار اور امام نصیر جیسے جلیل القدر حنفی فقہاء کی مخالفت کی ہے۔ اس لیے ان کا قول احناف کے لیے نا قابل قبول ہے۔ علامہ شامی جب خود نکسیر پھوٹنے میں حنفی علماء کے ساتھ ہیں۔ تو پھر عہد نامہ کی کتابت کے مسئلہ میں ان کی مخالفت کیسے معتبر مانی جائے گی اور دوسرا جواب یہ ہے کہ علامہ شامی اس مسئلہ میں متفرد ہیں اور ان سے زیادہ جلالت والے فقہائے حنفیہ جواز کے قائل ہیں۔

والله اعلم بحقیقة الحال وھو الموافق للصدق والسداد والیه

المرجع والمال عزوجل شانه واتم برهانه واعظم ذاته وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين وصلى الله تعالى على خيرخلقه ونور عرشه وزينة فرشه ومظهر لطفه ومصدر جوده وفيضه سيدنا ومولانا محمد واله وصحبه اجمعين .

(۲۸ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بتیسواں مقالہ

غائبانہ نماز جنازہ کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین. اما بعد!

آج کل جہاد کشمیر میں جب کوئی مجاہد شہید ہوتا ہے تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ کی ادائیگی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ پھر لوگ کسی میدان میں جمع ہوکر اس کی نماز جنازہ غائبانہ طور پر ادا کرتے ہیں۔ ایسے موقع پر بعض احباب غائبانہ نماز جنازہ کی شرعی حیثیت کے بارہ میں ہم سے سوال بھی کرتے ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کی وضاحت میں ہم نے یہ رسالہ ترتیب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

حضرت نجاشی کی نماز جنازہ

مشکوٰۃ شریف میں کتاب الجنائز باب المشی بالجنازۃ کے اندر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی رضی اللہ عنہ کی وفات کے روز لوگوں کو ان کی وفات کی خبر دی اور آپ لوگوں کو لے کر عیدگاہ میں تشریف فرما ہوئے فصف بہم وکبر اربع تکبیرات پھر آپ نے لوگوں کی صفیں بنوائیں اور چار تکبیریں کہیں۔ (مشکوٰۃ شریف جلد اول صفحہ ۱۴۳)

اور انہی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا حبشہ والے نجاشی رضی اللہ عنہ کی وفات کے روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ان کی وفات کی خبر دی اور فرمایا۔ استغفروا لاخیکم۔ تم اپنے بھائی کے گناہوں کی معافی مانگو۔ (مسلم شریف جلد اول صفحہ ۳۲۹)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مات الیوم عبد صالح اصحمۃ فقام فامنا وصلی علیہ۔ آج اللہ کا نیک بندہ اصحمہ فوت ہوگیا ہے پھر آپ کھڑے ہوئے اور آپ ہمارے امام بنے اور ان پر نماز جنازہ ادا کی۔
(مسلم شریف جلد اول صفحہ ۳۲۹)

اور حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشادفرمایاان اخـالـكم قد مات فقوموا فصلوا عليه يعنى النجاشى آپ کا بھائی یعنی نجاشی فوت ہوگیا ہے، سوتم اٹھواوراس کی نماز جنازہ پڑھو۔(مسلم شریف جلد اول صفحہ ۳۲۹)

امام شافعی کا قول

حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کے بارہ میں روایت کردہ مندرجہ بالا احادیث کی بناء پر امام شافعی غائب میت پر نماز جنازہ جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی شافعی ان کی شرح میں لکھتے ہیں: فيه دليل الشافعى وموافقيه فى الصلوٰة على الميت الغائب اس قسم کی حدیثوں میں امام شافعی اوران کے موافقین کے لئے دلیل موجود ہے کہ غائب میت پر نماز جنازہ جائز ہے۔(شرح مسلم صفحہ ۳۲۹ ج ۱)

حنفی فقہاء کا قول

امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین تمام ائمہ وفقہاء کے نزدیک نماز جنازہ غائبانہ صحیح نہیں ہے۔اور نہ ہی یہ جائز ہے۔کیونکہ نماز جنازہ کی صحت اوراس کے جواز کے لئے چند شرطیں ہیں۔ان میں سے ایک میت کا موجود ہونا بھی ہے۔اس لئے جب میت موجود نہ ہوگا تو نماز جنازہ جائز اور صحیح نہ ہوگی۔ چنانچہ معتبر کتب فقہ حنفی کی عبارات ملاحظہ ہوں۔

(۱) امام حصکفی کتاب الدرالمختار میں فرماتے ہیں

وشـرطها ستة اسلام الميت وطهارته ووضعه وكونه هو او اكثره امام المـصـلـى وكـونـه لـلـقبـلة فلاتصح على غائب ومحمول على دآبة وموضوع خلفه لانه كالامام من وجه دون وجه لصحتها على الصبى

اورنماز جنازہ کی چھ شرطیں ہیں: (۱) میت کا مسلمان ہونا۔(۲) میت کا پاک

ہونا۔ (۳) میت کا زمین پر رکھے ہونا۔ (۴) میت یا اس کے بدن کے اکثر حصہ کا نمازی کے روبرو ہونا۔ (۵) میت کا قبلہ کی طرف ہونا پس نماز جنازہ غائب میت پر یا اس میت پر جو چوپائے پر رکھا ہوا ہے۔ یا جو نمازیوں کے پیچھے رکھا ہوا ہے۔ اس پر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ میت من وجہ امام کی طرح ہے۔ اور من وجہ امام کی طرح نہیں ہے۔ اسی وجہ سے بچے میت کی نماز جنازہ صحیح ہے۔ (درمختار صفحہ ۶۲۱)

(۲) امام شرنبلالی لکھتے ہیں:

''وشرائطها ستة اولها اسلام الميت والثانى طهارته وطهارة مكانه لانه كالامام والثالث تقدمه امام القوم والرابع حضوره او حضور اكثر بدنه او نصفه مع رأسه والخامس كون المصلى عليها غير راكب وغير قاعد بلاعذر لان القيام فيها ركن فلايترك بلاعذر والسادس كون الميت موضوعا على الارض لكون الامام من وجه فان كان على دآبة او ايدى الناس لم تجز الصلوٰة على المختار الا اذا كان من عذر''

اور نماز جنازہ کی صحت کی چھ شرطیں ہیں: (۱) میت کا مسلمان ہونا۔ (۲) اور اس کا پاک ہونا اور اس جگہ کا پاک ہونا کیونکہ وہ امام کی طرح ہے۔ (۳) میت کا قوم کے آگے ہونا۔ (۴) میت کا حاضر ہونا یا اس کے اکثر بدن یا سر کے ہمراہ نصف بدن کا موجود ہونا۔ (۵) میت پر نماز پڑھنے والوں کا سواری پر نہ ہونا اور نہ ہی بلا عذر بیٹھے ہونا کیونکہ نماز جنازہ میں قیام رکن ہے اس لئے یہ بلا عذر چھوڑا نہیں جائے گا۔ (۶) میت کا زمین پر رکھے ہونا کیونکہ وہ من وجہ امام ہوتا ہے۔ سو اگر وہ چوپائے پر ہو یا لوگوں کے ہاتھوں پر ہو تو مختار قول پر نماز جنازہ جائز نہیں ہو گی مگر جب کہ عذر کی وجہ سے ایسا کیا جائے۔ (مراقی الفلاح صفحہ ۳۸۲)

(۳) امام الزین ابن نجیم لکھتے ہیں

قولہ شرطھا اسلام المیت وطھارتہ وزاد فی فتح القدیر شرطا ثالثا فی المیت وھو وضعہ امام المصلی فلاتجوز علی غائب ولا علی حاضر محمول علی دآبۃ اوِ غیرہ ولاموضوع متقدم علیہ المصلی لانہ کا لامام من وجہ دون وجہ لصحۃ الصلوٰۃ علی الصبی

نماز جنازہ کی صحت کی شرط میت کا مسلمان ہونا اور پاک ہونا ہے۔ اور فتح القدیر میں تیسری شرط کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور وہ میت کا امام کے آگے موجود ہونا ہے۔ پس غائب میت پر نماز جنازہ صحیح نہیں ہے۔ اور نہ اس میت پر صحیح ہے۔ جو چوپائے پر اٹھایا گیا ہو اور نہ اس میت پر جس کے آگے نمازی ہوں۔ کیونکہ وہ من وجہ امام ہے۔ اور من وجہ امام نہیں۔ کیونکہ بچے پر نماز درست ہے۔ (البحرالرائق صفحہ ج ۱ صفحہ ۱۷۹)

(۴) امام بدرالدین عینی لکھتے ہیں

وشرطھا طھارتہای طھارۃ المیت لان لہ حکم الامام ولھذا یشترط وضعہ امام القوم حتی لاتجوز الصلوٰۃ علیہ لو وضعوہ خلفھم

اورنماز جنازہ کی شرط میت کا پاک ہونا ہے کیونکہ وہ امام کے حکم میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم کے آگے میت کا ہونا شرط ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اسے اپنے پیچھے رکھیں تو نماز جنازہ صحیح نہیں ہوگی۔ (رمزالحقائق صفحہ ۶۵ ج ۱)

(۵) شیخ مصطفیٰ الطائی لکھتے ہیں

وشرطھا اسلام المیت فلا یصلی علی کافر وطھارتہ فلاتصح قبل الغسل وحضورہ فلا یصلی علی غائب ووضعہ علی الارض وکونہ امام المصلی وستر عورتہ

اور نماز جنازہ کی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے۔ سو کافر پر نہ پڑھی جائے اور اس کا پاک ہونا ہے۔ سو غسل دینے سے پہلے نہ پڑھی جائے اور اس کا حاضر ہونا ہے۔ سو غائب میت پر نہ پڑھی جائے اور اس کا زمین پر رکھنا اور نمازی کے سامنے ہونا اور اس کی پردہ کی جگہوں کا ڈھانپنا بھی شرط ہے۔ (حاشیہ کنز الدقائق صفحہ ۶۵ ج ۱)

(۶) فتاویٰ عالمگیری میں ہے

ومن الشروط حضور الميت ووضعه وكونه امام المصلى فلاتصح على غائب ولا على محمول على دابة ولا على موضوع خلفه هكذا فى النهر الفائق

اور نماز جنازہ کی صحت کی شرطوں میں سے چند یہ ہیں۔ میت کا حاضر ہونا اور اس کا زمین پر رکھے ہونا اور اس کا نمازی کے روبرو ہونا سو نماز جنازہ غائب میت پر درست نہیں اور نہ ہی اس پر جو چوپائے پر اٹھایا گیا ہو۔ اور نہ اس پر جو پیچھے رکھ دیا گیا ہو۔ اسی طرح نہر الفائق میں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۶۴ ج ۱)

(۷) اعلیٰ حضرت بریلوی لکھتے ہیں

مذہب مہذب حنفی میں جنازہ غائب پر بھی (نماز جنازہ) محض ناجائز ہے۔ ائمہ حنفیہ کا اس کے عدم جواز پر بھی اجماع ہے۔ فتح القدیر، حلیۃ، غنیۃ، شلبیہ، بحر الرائق اور ارکان میں ہے **وشرط صحتها اسلام الميت وطهارته ووضعه امام المصلى فلهذا القيد لاتجوز على غائب** صحت نماز جنازہ کی شرط یہ ہے کہ میت مسلمان ہو، طاہر ہو، جنازہ نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔ اسی شرط کے سبب کسی غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں۔

حلیہ کے لفظ یہ ہیں۔ **شرط صحتها كونه موضوعاً امام المصلى ومن هنا قالوا لاتجوز الصلوٰة على غائب مطلقاً** نماز جنازہ کی شرائط صحت سے

ہے جنازہ کا مصلی کے آگے رکھا ہونا اسی لئے ہمارے علماء نے فرمایا کہ مطلقاً کسی غائب پر نماز جائز نہیں۔ (فتاوی رضویہ صفحہ ۶۷ ج ۴)

(۸) امام صدر الشریعہ لکھتے ہیں

نماز جنازہ میں میت سے تعلق رکھنے والی چند شرطیں ہیں (۱) میت کا مسلمان ہونا (۲) میت کے بدن وکفن کا پاک ہونا، کفن پاک ہونے کا یہ مطلب ہے کہ پاک کفن پہنایا جائے اور اگر بعد میں نجاست خارج ہوئی اور کفن آلودہ ہوا تو حرج نہیں۔ (۳) جنازہ کا وہاں موجود ہونا یعنی کل یا اکثر یا نصف مع سر کے موجود ہونا لہذا غائب کی نماز جنازہ نہیں ہو سکتی۔ (۴) جنازہ زمین پر رکھا ہونا۔ (۵) جنازہ مصلی کے آگے قبلہ کو ہونا اگر مصلی کے پیچھے ہوگا نماز صحیح نہ ہوگی۔ (۶) میت کا وہ حصہ بدن جن کا چھپانا فرض ہے چھپا ہونا۔ (۷) میت امام کے محاذی ہو۔ (بہار شریعت ص ۱۴۶ ج ۴)

مندرجہ بالا آٹھ عبارات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اگر میت غائب ہو تو اس پر نماز جنازہ جائز نہیں۔ اس بارہ میں ہمارے حنفی ائمہ وفقہاء کا اتفاق ہے۔ اس لئے حنفی لوگوں کو ہرگز ہرگز نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ شہیدوں کے روحوں کو ایصال ثواب کے لئے کسی مسجد میں جمع ہوکر قرآن خوانی کرنی چاہئے اور صدقہ وخیرات کا ثواب پہنچانا چاہیے۔ یہ عجیب بات سننے میں آئی ہے کہ مودودیت زدہ لوگ شہید کی غائبانہ نماز جنازہ تو بڑے زور شور سے پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں۔ مگر نماز جنازہ غائبانہ ادا کرنے کے بعد نہ وہ دعا مانگتے ہیں اور نہ صدقہ خیرات کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دے۔ (آمین)

حدیث نجاشی کا جواب

حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ غائبانہ نماز جنازہ نہ تھی۔ بلکہ فرشتوں نے نجاشی کے جنازہ کی چارپائی حضور ﷺ کے قریب کردی تھی۔

اور آپ اسے ملاحظہ بھی فرما رہے تھے۔ چنانچہ کتب معتبرہ کی چند عبارات ملاحظہ ہوں:

۱۔ امام ملک العلماء کاشانی لکھتے ہیں

امام شافعی نے فرمایا۔ غائب پر نماز جنازہ پڑھی جائے اس بات سے دلیل پکڑتے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی تھی حالانکہ وہ غائب تھے۔

ولا حجة له فيه لما بينا على انه روى ان الارض طويت له ولا يوجد مثل ذالك فى حق غيره

اور اس واقعہ میں امام شافعی کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے زمین سمیٹ دی گئی تھی اور درمیانی فاصلہ ختم کر دیا گیا تھا اور یہ بات کسی دوسرے کے حق میں پائی نہیں جاتی۔ (بدائع الصنائع ص۳۱۲ ج۱)

۲۔ امام زین الدین لکھتے ہیں

واما صلاته على النجاشى فاما لانه رفع له عليه الصلوٰة والسلام سريره حتى رآه بحضرته فتكون صلوٰة من خلفه على ميت يراه الامام وبحضرته دون الماء مومين وهذا غير مانع من الاقتداء

اور رسول اللہ ﷺ کا نجاشی پر نماز جنازہ پڑھنا اس لئے جائز تھا کہ ان کی چارپائی آپ کے سامنے آپ کی موجودگی میں رکھ دی گئی تھی تو یہ اس صورت کی طرح تھا کہ امام میت کی چارپائی کے قریب ہو اور اسے دیکھتا ہو اور مقتدی نہ دیکھتے ہوں اور یہ بات اقتداء میں مانع نہیں ہے۔ (البحر الرائق صفحہ۱۷۹ ج۲)

۳۔ امام شامی لکھتے ہیں

او لانه رفع سريره حتى رآه عليه الصلوٰة والسلام بحضرته فتكون صلوٰة من خلفه على ميت يراه الامام وبحضرته دون المامومين

وهذا غير مانع من الاقتداء فتح القدير

اور رسول اللہ ﷺ کا نجاشی پر نماز جنازہ پڑھنا اس لئے جائز تھا کہ ان کی چارپائی آپ کے سامنے آپ کی موجودگی میں رکھ دی گئی تھی تو یہ اس طرح تھا جس طرح لوگ ایسے امام کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھیں جو جنازہ کو دیکھ رہا ہو اور یہ لوگ اسے نہ دیکھ رہے ہوں۔ اور یہ بات اقتداء کی صحت میں مانع نہیں۔جیسا کہ فتح القدیر میں فرمایا۔(ردالمحتار صفحہ ۶۴۱ ج ۱)

۴۔ امام شرنبلالی فرماتے ہیں

والصلوٰۃ علی النجاشی کانت بمشھدہ کرامۃ له ومعجزة للنبی ﷺ

اور نجاشی پر نماز رسول اللہ ﷺ کے معجزہ اور حضرت نجاشی کی کرامت کے طور پر آپ کے مشاہدہ میں پڑھی گئی۔(مراقی الفلاح صفحہ ۳۸۴)

۵۔ امام طحطاوی لکھتے ہیں

(قوله بمشهده) انه بمشهد النبی ﷺ ای بمكان رآه وشاهده فيه ﷺ فرفع له سريره حتى رآه بحضرته.

نجاشی کی نماز جنازہ اس حال میں پڑھی گئی کہ وہ ایسی جگہ میں تھے جہاں سے آپ ان کو دیکھتے تھے سو آپ کے لئے ان کی چارپائی اٹھائی گئی یہاں تک کہ انہوں نے انہیں اپنی موجودگی میں دیکھا۔(حاشیہ علی المراقی صفحہ ۳۸۴)

۶۔ امام علی القاری لکھتے ہیں

ذهب الشافعی الی جواز الصلوٰة علی الغائب وعند ابی حنیفة لایجوزلانه يحتمل ان يكون حاضراً لانه تعالىٰ قادر على ان يحضره وخصوصية به عليه السلام

امام شافعی غائب میت پر نماز جنازہ کے جواز کی طرف گئے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ نجاشی کے جنازہ میں یہ احتمال موجود ہے کہ ان کا جنازہ حاضر ہوا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے حاضر کرنے پر قادر ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نماز جنازہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھی۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ ۴۵ ج ۴)

پھر آگے لکھتے ہیں: قال ابن حجر وفی هذه الاحادیث اوضح حجة للشافعی من جواز الصلوٰة علی المیت الغائب عن البلد ومقبرتها ودعوی ان الارض انطوت حتی صارت الجنازة بین یدیه علیه الصلوٰة والسلام لایلتفت الیه لان مثل هذا لا یثبت بالاحتمال وعلی التسلیم فبالنسبة للصحابة فهی صلوٰة غائب قطعاً

امام ابن حجر شافعی نے کہا ہے کہ ان حدیثوں میں امام شافعی کے اس قول کی سب سے زیادہ واضح دلیل موجود ہے کہ غائب میت پر نماز جنازہ جائز ہے خواہ جنازہ شہر سے غائب ہو یا قبرستان سے اور یہ دعویٰ کہ زمین سمیٹ دی گئی تھی یہاں تک کہ نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کے روبرو موجود تھا۔ اس کی طرف التفات نہیں کی جائے گی کیونکہ اس قسم کی بات محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتی اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو صحابہ کے حق میں تو یہ غائبانہ نماز جنازہ قطعاً یقیناً تھی۔

امام علی قاری امام ابن حجر کے اس قول کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت هذا لایضر فانه یجوز ان لایری المقتدی جنازة المیت الموضوعة بالاتفاق کما هو مشاهد فی المسجد الحرام معه واذا ثبت الاول یلزم منه ثبوت الثانی

میں کہتا ہوں کہ نجاشی کے جنازہ کا صحابہ سے غائب ہونا کچھ ضرر نہیں دیتا کیونکہ مسجد الحرم میں رکھا ہوا جنازہ امام کے سامنے ہوتا ہے۔ مگر بعض مقتدیوں سے اوجھل ہوتا ہے۔ اس کے باوجود سب مقتدیوں کی نماز بالاتفاق جائز ہے تو پھر نجاشی کے جنازہ کا صحابہ سے

غائب ہونا بھی کچھ ضرر نہ دے گا۔

پھر آگے فرماتے ہیں: **واما الاحتمال فمؤيد بما روى من الاحاديث الدالة على الاستدلال منها ما ذكره الحافظ ابن حجر العسقلاني ناقلا عن اسباب النزول للواحدي بغير اسناد عن ابن عباس رضي الله عنهما قال كشف للنبي ﷺ عن سرير النجاشي حتى رآه وصلى عليه**

اور یہ احتمال کہ نجاشی کے جنازہ کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کر دیا ہوگا اس کی تائید ان حدیثوں سے ہوتی ہے۔ جن سے اس مسئلہ میں دلیل پکڑی گئی ہے۔ من جملہ ان کے ایک وہ حدیث بھی ہے۔ جسے امام ابن حجر عسقلانی نے امام واحدی کی کتاب اسباب النزول سے بلا اسناد نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے نجاشی کا جنازہ ظاہر کیا گیا تھا یہاں تک کہ آپ نے اسے دیکھا تھا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی تھی۔ (مرقاۃ صفحہ ۴۵ ج ۴)

۸۔ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں

دوسرے شہر کی میت پر صلاۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں روایت کیا جاتا ہے واقعہ نجاشی و واقعہ معاویہ لیثی و واقعہ امرائے موتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ان میں اول و دوم بلکہ سوم کا بھی جنازہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے حاضر تھا تو نماز غائب پر نہ ہوئی بلکہ حاضر پر اور دوم وسوم کی سند صحیح نہیں ہیں۔ اور سوم صلوٰۃ بمعنی نماز میں صریح نہیں۔ واقعہ اولیٰ جب اصحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بادشاہ حبشہ نے حبشہ میں انتقال کیا۔ سید المرسلین ﷺ نے مدینہ طیبہ میں صحابہ کو خبر دی اور مصلی میں جا کر صفیں باندھ کر چار تکبیریں کہیں۔ اولاً صحیح ابن حبان میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ہے

ان النبي ﷺ قال ان اخاكم النجاشي توفي فقوموا وصلوا عليه فقام رسول الله ﷺ وصفوا خلفه فكبر اربعا وهم لايظنون الا ان جنازته بين يديه

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی مر گیا۔ اٹھو اس پر نماز پڑھو۔ پھر حضور

اقدس ﷺ کھڑے ہوئے۔صحابہ نے پیچھے صفیں باندھیں۔حضور نے چار تکبریں کہیں۔صحابہ کو یہی ظن تھا کہ ان کا جنازہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے حاضر ہے۔صحیح ابوعوانہ میں انہی سے ہے:

فصلينا خلفه ونحن لانرى الا ان الجنازة قدامنا

ہم نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے۔

اقول هذا فى فتح البارى ثم المواهب ثم شرحها وكذالك فى عمدة القارى وغيرها من الكتب ووقع فى نصب الراية رواية ابن حبان وهم لا يظنون ان جنازته بين يديه باسقاط الا فاحتاج المحقق على الاطلاق الى التقريب بان قال فهذا اللفظ يشير الى ان الواقع خلاف ظنهم لانه هو فائدة المعتد بها فاما ان يكون سمعه منه ﷺ او كشف له اهـ وتبعه فى الغنية والمرقاة وهو كما ترى كلامه نفيس لكن لاحاجة اليه بعد ثبوت الا فى الكتابين الصحيحين فانه اظهر وازهر ولله الحمد وبالجملة اندفع به ما قال الشيخ تقى الدين ان هذا يحتاج الى نقل بينة ولايكتفى فيه بمجرد الاحتمال

یہ دونوں روایتیں صحیح عاضد قوی ہیں اس حدیث مرسل اصولی کی کہ امام واحدی نے اسباب نزول قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ذکر کی کہ کشف النبی ﷺ عن سریر النجاشی حتی رآہ وصلی علیہ" نجاشی کا جنازہ حضور اقدس ﷺ کے لئے ظاہر کردیا گیا تھا۔حضور نے اسے دیکھا اور اس پر نماز پڑھی۔ثانیاً بلکہ جب تم مستدل ہو ہمیں احتمال کافی نہ کہ جب خود باسانید صحیحہ ثابت ہے۔یہ جواب خود ایک شافعی امام احمد قسطلانی نے مواہب شریفہ میں نقل کیا اور مقرر رکھا۔ثالثاً نجاشی رضی اللہ عنہ کا انتقال دارالکفر میں ہوا وہاں ان پر نماز نہ ہوئی تھی لہذا حضور اقدس ﷺ نے یہاں پڑھی۔اسی بناء پر امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کے لئے یہ باب وضع کیا الصلوٰۃ علی مسلم یلیہ اہل شرک فی بلد آخر۔ولہذا خود امام شافعی المذہب ابوسلیمان خطابی نے یہ مسلک لیا کہ غائب پر نماز

جنازہ جائز نہیں۔ سوا اس صورت خاص کے کہ اس کا انتقال ایسی جگہ ہوا ہو جہاں کسی نے اس کی نماز نہ پڑھی ہو۔ اقول اب بھی خصوصیت نجاشی ماننے سے چارہ نہ ہوگا جبکہ اور موتیں بھی ایسی ہوئیں اور نماز غائب کسی پر نہ پڑھی گئی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ صفحہ ۶۹)

الحمد للہ ان عبارات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت نجاشی کی نماز جنازہ بالمشاہدہ والحضور پڑھی ہے۔ غائبانہ نہ تھی۔ اس لئے جو لوگ اس نماز سے غائبانہ نماز جنازہ کے جواز کی دلیل پکڑتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

حنفی علماء کا دوسرا جواب

حدیث نجاشی کے بارہ میں علماء حنفیہ کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت نجاشی پر رسول اللہ ﷺ کا نماز جنازہ پڑھنا آپ کی خصوصیت تھی اس لئے آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں کہ وہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھائے، چنانچہ چند حوالے ملاحظہ ہوں:

۱۔ امام حصکفی لکھتے ہیں

وصلوٰۃ النبی ﷺ علی النجاشی لغویۃ او خصوصیۃ

اور نبی ﷺ کا نجاشی پر نماز پڑھنا یا تو اس سے مراد لغوی نماز یعنی دعائے مغفرت کرنا ہے یا یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ (درمختار صفحہ ۱۴۱ ج ۱)

۲۔ صاحب البحر لکھتے ہیں

واما ان یکون مخصوصا بالنجاشی اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نماز حضرت نجاشی کے لئے مخصوص تھی۔ (بحر الرائق صفحہ ۱۷۹ ج ۲)

۳۔ امام احمد طحطاوی لکھتے ہیں

اوانہا خصوصیۃ للنجاشی۔ یا یہ نماز صرف نجاشی کے لئے مخصوص ہے۔ (حاشیہ مراقی

الفلاح صفحہ ۳۸۴)

الحمدللہ! یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے روز روشن سے زیادہ روشن ہوا کہ سرکار مدینہ ﷺ نے نجاشی پر جو نماز جنازہ پڑھائی یہ آپ نے بالشاہدہ پڑھائی غائبانہ نہ تھی اور یہ نماز حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی کرامت کے اظہار کے لئے مخصوص تھی۔کوئی عام حکم شرع نہ تھا کہ قیامت تک ہونے والے شہیدوں اور مرنے والے بڑے بڑے لوگوں پر پڑھی جائے ۔مسلمان شرع شریف کا حکم مانیں اور اپنی من مانی کرنا چھوڑیں اسی میں دین وآخرت کی بھلائی ہے۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صراط مستقیم پر چلائے۔(آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین ﷺ)

نماز نجاشی کی خصوصیت کی دلیل میں حضرت امام ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

من جملة ذالک انه توفی خلق کثیر من اصحابه ﷺ من اعزهم علیه القراء ولم ینقل عنه انه صلی علیهم مع حرصه علی ذالک حتی قال لایموتن احد منکم الا اذنتمونی فان صلاتی علیه رحمة له

یعنی رسول اللہ ﷺ کی حیات ظاہری میں بہت سے صحابہ نے وفات پائی اوران میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ پیارے صحابی قراء تھے۔لیکن یہ آپ سے منقول نہیں کہ آپ نے ان پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی ۔ حالانکہ آپ اپنے ساتھیوں پر نماز جنازہ پڑھنے کے بہت خواہش مند ہوتے تھے ۔ یہاں تک فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی ہرگز فوت نہ ہو مگر تم مجھے اس کی اطلاع ضرور دو ۔ کیونکہ میرا نماز پڑھنا اس کے لئے رحمت ہے ۔(رد المحتار صفحہ ۶۴۱ ج ۱)

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے ہمارا رسالہ غائبانہ نماز جنازہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

(۲۰/ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تینتیسواں مقالہ

نماز جنازہ دوبار پڑھنے کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین .

امابعد! برادرطریقت مولانا محرم خان چشتی امام مسجد رنگلی تحصیل جنڈ ضلع اٹک نے اپنے مکتوب گرامی میں نماز جنازہ دوبار پڑھنے کا مسئلہ لکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اور یہ مسئلہ حضرت مولانا کرامت حسین قریشی خطیب بھرنڈ بھٹہ تحصیل سہنسہ کی وفات پر ہمارے ہاں بھی پیش آ چکا ہے اس لئے افادۂ عامۃ المسلمین کے لئے اس مسئلہ کی وضاحت لکھنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس دینی خدمت کو شرف مقبولیت بخشے ۔ (آمین)

نماز جنازہ فرض ہے

جب کوئی صحیح العقیدہ سنی مسلمان فوت ہو جائے تو اہل سنت پر اس کے جنازہ کی نماز فرض ہو جاتی ہے ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ صلوا علی کل بر و فاجر ۔ ہر نیکو کار و بدکار پر جنازہ کی نماز پڑھو ۔ اور آپ نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق لازم ہیں اور ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ جب وہ فوت ہو تو اس کا جنازہ پڑھے ۔ اس حدیث میں علیٰ کا کلمہ ارشاد ہوا جو ایجاب کے لئے ہوتا ہے ۔ تو ثابت ہوا کہ جنازہ کی نماز شرعاً واجب ہے اور نماز جنازہ کی فرضیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک حضور ﷺ، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ساری امت جنازہ کی نماز پڑھتی چلی آئی ہے ۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ا ص ۳۱۰)

نماز جنازہ کفایۃً فرض ہے

چونکہ مسلمان میت کی تکریم ظاہر کرنے کے لئے شرع شریف نے نماز جنازہ فرض کی ہے تو لامحالہ یہ نماز کفایت کے طریقہ پر فرض ہے کہ یہ مقصد بعض مسلمانوں کی

ادائیگی، نماز جنازہ سے حاصل ہو جاتا ہے جس طرح جہاد سب مسلمانوں پر فرض ہوتا ہے لیکن جب حسب ضرورت لوگ جہاد میں مصروف کار ہوں تو تارکین گناہ سے بچ جائیں گے۔ (بدائع الصنائع ج اص ۳۱۰)

حنفیہ کے نزدیک تکرار جنازہ ناجائز ہے

جب ایک بار نماز جنازہ صحیح طریقہ سے ادا ہو جائے تو اس کا تکرار ہم احناف کے نزدیک ناجائز اور گناہ ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ''دوبارہ اعادۂ نماز جنازہ ہمارے سب ائمہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اتفاق سے ناجائز و گناہ واقع ہوا۔ ایسی ناواقفی مانع گناہ نہیں کہ مسائل سے ناواقف رہنا خود گناہ ہے۔ وہ عالم دین جس نے تاکید واصرار کر کے ان لوگوں سے نماز جنازہ کی تکرار کرائی اگر مدعی حنفیت ہے۔ تو خود اپنے ہی مذہب کے حکم سے گناہگار ہے اور اگر وہ فرقہ غیر مقلدین سے ہے تو گناہگاری درکنار بدمذہب و گمراہ ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں اس عالم پر اتنے گناہ لازم ہوئے جس قدر شمار حضار جماعت ثانیہ کا تھا اور اس پر اپنا زائد مثلاً دوسری دفعہ اس کے اصرار سے سو آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی تو ان میں ہر ایک پر دو دو گناہ ہیں۔ ایک فعل کا گناہ اور دوسرا جہل کا گناہ اور اس عالم پر ایک سو ایک گناہ ایک اپنا گناہ اور ایک سو ان آدمیوں کے فعل کے گناہ۔ آخر یہی انہیں داعی بہ گناہ ہوا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۴۷)

حنفیہ کی پہلی دلیل

یہ ہے کہ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت پر نماز پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لائے اور انہوں نے دوسری مرتبہ نماز جنازہ پڑھنے کا قصد کیا۔ فوراً رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ الصلوٰۃ علی الجنازۃ لاتعاد ولکن ادع للمیت واستغفر لہ۔

میت پر نماز دہرائی نہیں جاتی بلکہ تم میت کے لئے دعا مانگو اور اس کے لئے استغفار کرو۔ یہ اس باب میں نص ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱)

(نوٹ) اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ جنازہ دوبارہ پڑھنا ممنوع ہے۔ اور دوسرا یہ کہ جنازہ کے بعد دعا مانگنا سنت ہے۔ اسے بدعت قرار دینا گمراہی ہے۔ واللہ اعلم۔

حنفیہ کی دوسری دلیل

وہ روایت ہے جس میں آیا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کی نماز میں شامل ہونے سے رہ گئے تو انہوں نے حاضر ہونے پر صرف میت کے لئے استغفار مانگی اور اس پر کچھ زیادہ نہ کیا یعنی دوبارہ نماز جنازہ نہ پڑھی۔ (بدائع الصنائع ص ۳۱۱)

حنفیہ کی تیسری دلیل

وہ روایت ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز سے رہ گئے تو حاضر ہونے پر انہوں نے فرمایا اگر تم نے ان کے جنازہ کی نماز میں مجھ پر سبقت حاصل کی ہے تو تم ان کے لئے دعا مانگنے میں مجھ پر سبقت حاصل نہ کرو گے۔ یعنی میں جنازہ میں تو شریک نہ ہو سکا۔ لیکن دعائے نماز جنازہ میں تمہارے ساتھ مجھے شرکت مل ہی جائے گی۔ (بدائع ج ۱ ص ۳۱۱)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کے فوراً بعد دعا مانگنا صحابہ کرام کی سنت تھی۔ اسے بدعت کہنا جہالت ہے۔

حنفیہ کی چوتھی دلیل

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین کی قبور مقدسہ پر ان کے جنازہ کی نماز کا نہ پڑھا جانا متوارث ہے اور اگر تکرار صلوٰۃ جنازہ جائز ہوتا تو کوئی مسلمان ان بزرگوں کی قبور پر نماز جنازہ پڑھنے کو ترک نہ کرتا۔ خصوصاً رسول اللہ کے روضہ انور پر۔ کیونکہ آپ آج بھی اپنی قبر میں اسی حالت میں ہیں۔ جس حالت میں آپ کو قبر میں رکھا گیا تھا کہ بلاشبہ انبیاء کے گوشت کو زمین پر حرام کر دیا گیا ہے اور یہ بات حدیث میں بھی آئی ہے۔ پس مسلمانوں کا قبور مقدسہ پر جنازہ پڑھنے کے ترک سے تکرار جنازہ کے عدم جواز پر اجماع ہوا۔ (بدائع الصنائع ج ا ص ۳۱۱)

حنفیہ کی پانچویں دلیل

یہ ہے کہ اگر تکرار نماز جنازہ جائز ہوتا تو دوسری جماعت میں ان لوگوں کا دوبارہ شامل ہونا ناجائز نہ ہوتا جو پہلی جماعت میں شامل ہو چکے تھے۔ اور شافعیہ بھی ہر شخص کے لئے صرف ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں تو تکرار جنازہ ناجائز ثابت ہوا۔ (بدائع الصنائع ج ا ص ۳۱۱)

ولی اعادہ کر سکتا ہے

ہاں اگر کسی اجنبی شخص نے جنازہ پڑھا دیا تو ولی تین شرطوں کی موجودگی میں اعادۂ نماز جنازہ کر سکتا ہے اور وہ شرطیں یہ ہیں۔ (۱) کسی بھی ولی نے جنازہ پڑھانے کی اجازت نہ دی ہو۔ (۲) کوئی بھی ولی جنازہ میں شامل نہ ہوا ہو۔ (۳) قاضی یا بادشاہ یا ان کے نائب یا امام محلہ نے جنازہ نہ پڑھایا ہو چنانچہ امام صدر الشریعۃ فرماتے ہیں۔

ولی کے سوا کسی ایسے شخص نے جنازہ کی نماز پڑھائی جو ولی پر مقدم نہ ہو۔ نہ ولی نے اسے اجازت دی تھی تو اگر ولی نماز میں شریک نہ ہوا تو وہ نماز جنازہ کا اعادہ کر سکتا ہے اور اس صورت میں اگر مردہ دفن ہو گیا ہے تو ولی اس کی قبر پر دوبارہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور اگر وہ ولی پر مقدم ہے جیسے بادشاہ و قاضی و امام محلہ کہ ولی سے افضل ہو تو اب ولی نماز جنازہ کا

اعادہ نہیں کرسکتا۔ اور اگر ایک ولی نے نماز جنازہ پڑھا دی تو دوسرے اولیاء اعادہ نہیں کر سکتے۔ (بہار شریعت از عالمگیری ج ۴ ص ۱۵۶)

شافعیہ کے نزدیک تکرار جنازہ جائز ہے

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا یہ حنفیہ کے نزدیک تکرار جنازہ کے بارہ میں حکم شرعی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ جو لوگ پہلے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے ہوں وہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ اور وہ اپنے اس قول پر چھ دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں ان دلیلوں کو اور حنفیہ کی طرف سے دیئے گئے ان کے جوابات کو بیان کریں تاکہ اس مسئلہ پر زیادہ روشنی پڑ جائے۔ وباللہ التوفیق۔

شافعیہ کی پہلی دلیل

یہ ہے کہ جب حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حبشہ میں بھی مسلمانوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی ہوگی لہذا تکرار جنازہ ثابت ہوا۔

حنفیہ کا جواب

حدیث نجاشی میں صلوٰۃ کے لفظ میں احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد دعا استغفار ہو نہ کہ نماز جنازہ اور اگر نماز جنازہ ہی مراد ہے تو پھر یہ نبی پاک ﷺ کے خصائص سے ہے۔ عام حکم شرع نہیں۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۲)

شافعیہ کی دوسری دلیل

وہ روایت ہے جس میں مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ایک نئی قبر کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا یہ کس کی قبر ہے؟ کہا گیا۔ یہ فلاں عورت کی قبر ہے۔ فرمایا۔ تم نے مجھے اس کے جنازہ کی اطلاع کیوں نہ دی؟ عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ اس کو رات کے

وقت دفنایا گیا۔ تو آپ کے متعلق سانپ بچھو کا خطرہ سمجھا گیا۔ فرمایا۔ جب کوئی شخص فوت ہو تو مجھے اطلاع دیا کرو۔ کیوں کہ میری نماز اس پر رحمت ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اس قبر کو اپنے اور قبلہ کے درمیان کیا اور جنازہ کی نماز پڑھی۔

حنفیہ کا جواب

رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی قبر پر نماز جنازہ دہرائی کیونکہ آپ کی ظاہری حیات دنیاوی میں مسلمانوں پر نماز جنازہ پڑھانے کی ولایت صرف آپ ہی کو حاصل تھی کیونکہ آپ ولی الاولیاء تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم**۔ نبی مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہے۔ (پ۲۱۔۱۷)

اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا۔ میرے سوا تم میں سے کوئی نماز جنازہ نہ پڑھائے جب تک میں تمہارے اندر موجود ہوں۔

پس آپ ظاہری حیات میں کسی دوسرے کے جنازہ پڑھانے سے چونکہ فرضیت ساقط نہ ہوتی تھی۔ اس لئے آپ سقوط فرضیت کے لئے دوبارہ پڑھاتے تھے۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱)

اور امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ لکھتے ہیں۔ زمانہ اقدس سید عالم ﷺ میں تمام مسلمین کے ولی احق واقدم خود حضور پُر نور ﷺ ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ **النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم** ۔ (نبی مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہے) اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ **انا اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم** ۔ (میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہوں) رواہ احمد والشیخان والنسائی وابن ماجہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ تو جو نماز قبل اطلاع حضور اقدس ﷺ اور لوگ پڑھ لیں پھر اگر حضور پرنور ﷺ اعادہ فرمائیں تو یہ وہی صورت ہے کہ نماز اول غیر ولی احق نے پڑھی۔ ولی احق اختیار اعادہ رکھتا ہے (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۴۳)

شافعیہ کی تیسری دلیل

یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ کی نماز جنازہ جماعت در جماعت پڑھی اگر تکرار جنازہ جائز نہیں تو یہ تکرار کیوں پایا گیا تھا؟

حنفیہ کا جواب

اولاً یہ ہے کہ صحابہ کرام کا آپ پر گروہ درگروہ نماز جنازہ ادا کرنا آپ کی خصوصیت ہے۔ عام حکم شرعی نہیں۔ ثانیاً حضور علیہ السلام کے حق عظیم کی وجہ سے سب صحابہ پر نماز جنازہ فرضِ عین تھی۔ اس لئے سب نے گروہ درگروہ ادا کی۔ کہ سب کا بیک وقت ایک ہی جماعت میں نماز ادا کرنا ممکن نہ تھا۔ ثالثاً بیعت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ولی احق تھے۔ چونکہ وہ دیگر امور ضروریہ کے تسویہ میں مصروف رہے۔ اس لئے ان کی ادائیگی نماز سے پہلے صحابہ گروہ درگروہ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ پھر جب صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ پر نماز پڑھی تو پھر کسی دوسرے نے نہ پڑھی۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۲، حاشیہ طحطاوی علی المراقی ص ۳۲۴)

شافعیہ کی چوتھی دلیل

یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا ہے کہ تکرار جنازہ جائز ہو کیونکہ نماز جنازہ دراصل دعا واستغفار ہے اور مطلق دعا واستغفار میں اعادہ جائز ہے تو نماز جنازہ میں بھی تکرار جائز ہونا چاہئے۔

حنفیہ کا جواب

اگرچہ مطلق دعا واستغفار میں تکرار جائز ہے لیکن نماز جنازہ میں تکرار غیر مشروع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود شافعیہ کے نزدیک بھی وہ شخص دوسری جماعت میں شامل نہیں ہوسکتا جو پہلی جماعت میں شامل ہو چکا ہو۔ اگر تکرار جنازہ جائز ہوتا تو پہلی جماعت میں شمولیت

کرنے والوں کے لئے دوسری جماعت میں شمولیت جائز ہوتی۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۲)

شافعیہ کی پانچویں دلیل

یہ ہے کہ ہر مسلمان کو میت کی نماز جنازہ میں حق حاصل ہے۔ اگرچہ بعض مسلمانوں کے جنازہ پڑھنے سے فرضیت ساقط ہوگئی۔ مگر نہ پڑھنے والوں کا حق ساقط نہ ہوا اس لئے وہ دوہرا سکتے ہیں۔

حنفیہ کا جواب

نماز جنازہ میں تنفلاً ادائیگی غیر مشروع ہے، لہذا صرف پہلی جماعت ہی میں سب مسلمانوں کا حق ماننا پڑے گا، جب وہ اس میں شریک نہ ہو سکے تو ان کا حق خود بخود ساقط ہوگیا۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۲)

شافعیہ کی چھٹی دلیل

یہ ہے کہ اگرچہ پہلی ادائیگی سے فرضیت ساقط ہوگئی مگر وہ لوگ میت کی برکت سے محروم ہوگئے جو پہلی نماز میں شامل نہ ہوئے اس لئے انہیں یہ برکت حاصل کرنے کے لئے جنازہ دوہرانے کی اجازت ہوگی۔

حنفیہ کا جواب

چونکہ تکرار جنازہ تنفل ہے اور اس کا تنفلاً ادا کرنا غیر مشروع ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا سعادت کے حصول کے لئے ایک غیر مشروع کام کی اجازت نہ دی جائے گی۔ (بدائع الصنائع للکاشانی حنفی ج ۱ ص ۳۱۲)

الحمد للہ! یہاں تک جو کچھ لکھا گیا۔ اس سے حنفی مذہب کی وضاحت اور اس کا مرجح ہونا روز روشن سے زیادہ روشن ہوگیا۔ ہم حنفی لوگوں کے لئے ہرگز ہرگز یہ جائز نہیں کہ

ہم اپنے مذہب مہذب کا خلاف کریں۔ ہمارے علاقہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی مسلمان میت کی نعش ولایت یا کسی دوسرے ملک سے لائی جاتی ہے تو اس پر دوبارہ نماز جنازہ کی ادائیگی کی جاتی ہے۔اس میں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اگر پہلی نماز ولیوں کی اجازت یا شمولیت سے ادا کی گئی تھی تو پھر اس پر دوبارہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔اور اگر پہلی نماز میں کوئی بھی رشتہ دار شامل نہ ہوا تھا اور نہ ان میں سے کسی سے اجازت لی گئی تھی تو اب دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔مگر پہلی نماز میں جو اشخاص شامل ہو چکے ہیں۔ ان کے لئے دوسری نماز میں شامل ہونا ہرگز جائز نہیں ہے۔ وہ شامل نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واعظم

وهذا آخر ما اردنا ايراده فى هذه المقالة النافعة تقبلها الله تعالىٰ بمنه العظيم ورسوله الكريم ﷺ وانا الفقير الحقير احقر عباد الله الكريم جل شانه ابو الكرم احمد حسين قاسم الحيدرى الرضوى القريشى الهاشمى غفر الله تعالىٰ له خادم التدريس بالجامعة الحيدرية فضل المدارس ببلدة سهنسه من مضافات آزاد كشمير. (۱۵ ربيع الآخر ۱۴۰۸هـ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چونتیسواں مقالہ

عرس کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین ۔

امابعد! عزیزم قاری محمد افراہیم حسن ستہ پانوی سلمہ ربہ کے حسب منشاء یہ رسالہ ''عرس کی شرعی حیثیت'' لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو باعث ہدایت بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

عرس کی حقیقت

کسی ولی کے وصال کے دن اس کی قبر کے پاس مسلمانوں کا جمع ہو کر وعظ وتقریر کا جلسہ کرنا ختم قرآن وغیرہ کا ثواب صاحب قبر ولی اللہ کی روح کو پہنچانا اور اس کے حق میں دعائے خیر کرنا عرف عام میں عرس کہلاتا ہے۔ وہابیہ دیوبندیہ عرس کو بدعت وناجائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ دیوبندی مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ میں ہے۔

ا۔ سوال

ہر سال اپنے پیر یا استاد کی برسی کرے یعنی جب سال بھر مرے ہوئے ہو جاوے تو ایک دن مقرر کرے، اس روز کا نام عرس شریف رکھے اور اس دن کھانا پکا کر تقسیم کرادے مساکین کو اور ختم کرے آیت قرآنی کا تو اس کا صوفیائے کرام کے یہاں اور ہماری شریعت میں کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب : کھانا تاریخ معین پر کھلانا کہ پس وپیش نہ ہو بدعت ہے، اگرچہ ثواب پہنچے گا اور طریقہ معینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے لہذا بدعت ہے اور بلاتعین کر دینا درست ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۲)

اور اسی کتاب کے دوسرے مقام پر یہ فتوی بھی موجود ہے۔

۲۔ سوال

ایسا عرس جس میں سب التزام ہو' تاریخ تعین بھی ہو، اجتماع بھی ہو، پر قوالی راگ، مزامیر سماع و ناجائز مجمع عورتوں کا نہ ہو جائز و درست ہے یا نہیں؟

جواب: عرس کا التزام کرے یا نہ کرے بدعت اور نادرست ہے۔ تعین تاریخ سے قبروں پر اجتماع کرنا گناہ ہے۔ خواہ اور لغویات ہوں یا نہ ہوں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۱)

علمائے اہل سنت کے نزدیک عرس مستحب ہے

وہابیہ دیوبندیہ کے برخلاف علمائے اہل سنت کے نزدیک عرس مستحب ہے چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ''مسئلہ عرس و سماع'' کے بارہ میں فرماتے ہیں: ''پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفراداً و اجتماعاً دونوں طرح جائز اور ایصالِ ثواب قراءت و طعام بھی جائز اور تعین تاریخ مصلحت بھی جائز سب مل کر بھی جائز رہا۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ)

پھر اپنا مشرب بدیں الفاظ لکھتے ہیں مشرب فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں۔ اول قرآن خوانی ہوتی ہے گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوئی تو مولود پڑھا جاتا ہے۔ پھر ماحضر کھانا کھلا دیا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔ اور زائد امور فقیر کی عادت نہیں۔ نہ کبھی سماع کا اتفاق ہوا نہ خالی نہ با آلات مگر دل سے اہل حال پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ)

علمائے اہل سنت کے موقف کے دلائل

عرس کے مسئلہ میں علمائے اہل سنت کے مؤقف (جواز و استحباب) کے دلائل عرض کئے جاتے ہیں تاکہ عامۃ المسلمین کو عرس کے جواز و استحباب کے بارہ میں یقین کامل نصیب ہو۔ و باللہ التوفیق

عرس کی وجہ تسمیہ

عرس کو عرس کیوں کہا جاتا ہے اس بارہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی لکھتے ہیں لفظ عرس ماخوذ اس حدیث سے ہے نم کنومۃ العروس یعنی بندۂ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کر کیونکہ موت مقبولان الہی کے حق میں وصال محبوب حقیقی ہے اس سے بڑھ کر کونسی عروسی ہوگی۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ)

احادیث سے عرس کا ثبوت

عرس کے ثبوت میں کتب احادیث میں چند حدیثیں مروی ہیں چنانچہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ لکھتے ہیں۔ ابن المنذر اور ابن مردویہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

ان رسول اللہ ﷺ کان یاتی احدا کل عام فاذا بلغ الشعب سلم علی قبور الشہداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار

یعنی حضور سید عالم ﷺ ہر سال احد پہاڑ پر تشریف لاتے تھے پھر جب آپ پہاڑ کے درہ میں پہنچتے تو شہیدوں کی قبروں پر سلام کرتے اور فرماتے تھے سلام ہو تم پر تمہارے صبر کرنے کے سبب سے۔ پس آخرت کا گھر کتنی اچھی جگہ ہے۔

اور امام ابن جریر اپنی تفسیر میں محمد بن ابراہیم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: **کان النبی ﷺ یاتی قبور الشہداء علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابوبکر وعمر وعثمان** یعنی سرور عالم ﷺ ہر سال کے خاتمہ پر شہداء احد کی قبور کے پاس تشریف لاتے پھر فرماتے سلام ہو تم پر تمہارے صبر کرنے کے سبب سے پس آخرت کا گھر کتنی اچھی جگہ ہے، اور آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کرتے تھے۔

اور امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر میں ہے: عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یأتی قبور الشھداء رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعة ھکذا یفعلون یعنی حضور اقدس ﷺ ہر سال شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لاتے اور مذکورہ آیت پڑھتے اور حضرات خلفائے اربعہ (حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی) رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی اسی طرح کرتے تھے۔ (الحجۃ الفائحہ مؤلفہ اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۱۵)

اور امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں، امام بیہقی نے امام واقدی سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کان النبی ﷺ یزور الشھداء باحد فی کل حول واذا بلغ الشعب رفع صوتہ فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار ثم ابوبکر رضی اللہ عنہ کل حول یفعل مثل ذالک ثم عمر ابن الخطاب ثم عثمان رضی اللہ عنھما وکانت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ تأتیھم وتدعوین وکان سعد بن ابی وقاص یسلم علیھم ثم یقبل علی اصحابہ فیقول الاتسلمون علی قوم یردون علیکم السلام. (شرح الصدور ص ۸۷)

نبی ﷺ شہدائے احد کی زیارت ہر سال میں کیا کرتے تھے اور جب آپ پہاڑ کے درہ میں پہنچتے تو بلند آواز سے فرماتے تم پر سلام ہو تمہارے صبر کے باعث سو آخرت کا گھر کتنی اچھی جگہ ہے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کرتے تھے پھر عمر بن خطاب اور عثمان رضی اللہ عنہما بھی ہر سال اسی طرح کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا شہدائے احد کی قبور کے پاس آتی اور دعا مانگتی تھیں۔ اور حضرت سعد بن وقاص شہدائے احد پر سلام کرتے پھر اپنے ساتھیوں کی طرف منہ کر کے فرماتے اس قوم کو سلام کیوں نہیں کرتے جو تمہارے سلام کا جواب دیتی ہے۔

اور امام ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: وفیہ یستحب ان یزور شھداء

جبل احد لما روی ابن ابی شیبة ان النبی ﷺ کان یأتی قبور الشهداء علیٰ رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار

اور مستحب ہے کہ زائر احد پہاڑ کے شہداء کی زیارت کرے کیونکہ ابن ابی شیبہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ شہدائے احد کی قبور کے پاس ہر سال کے اختتام پر آتے تھے پھر فرماتے سلام ہوتم پر بسبب صبر کرنے کے پس آخرت کتنی اچھی جگہ ہے۔ (رد المحتار جلد اول ص ۶۶۵)

مزارات اولیاء کو مزارات شہدائے احد پر قیاس کیا گیا ہے

الحمد للہ! ان احادیث متبرکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شہدائے احد کی قبور کے پاس ہر سال کے اختتام پر تشریف لاتے اصحاب قبور پر سلام پیش فرماتے اور ان کے حق میں دعا فرماتے تھے۔

علمائے حق نے مزارات اولیائے کرام و مشائخ عظام کے مزارات کو شہدائے احد کے مزارات پر قیاس کیا ہے تاکہ ہر علاقہ کے لوگ اپنے اپنے علاقوں میں مدفون اولیاء و مشائخ کی قبور پر کم از کم سال میں ایک مرتبہ عرس کی محفل منعقد کر کے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت ادا کر سکیں۔

روز وفات کی تخصیص کی وجہ

رہی یوم وفات سے عرس کی تقیید و تخصیص تو اس بارہ میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی لکھتے ہیں، چونکہ ایصال ثواب بروح اموات مستحسن ہے جن بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں ان کا زیادہ حق ہے اور ہر اپنے پیر بھائی سے ملنا موجب ازدیاد محبت و تزائد برکات ہے اور نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں مشقت نہیں ہوتی۔ بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں ان میں جس سے عقیدت ہو اس کی غلامی اختیار کر لے اس لئے مقصود ایجاد رسم عرس یہ تھا کہ سب سلسلے کے لوگ ایک تاریخ میں جمع

ہو جاویں باہم ملاقات ہو جاوے اور صاحب قبر کی روح کو قرآن وطعام کا ثواب بھی پہنچایا جاوے۔ یہ مصلحت تعین یوم میں ہے۔ رہا خاص یوم وفات کو مقرر کرنا تو اس میں اسرار مخفیہ ہیں ان کا اظہار ضروری نہیں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ پھر اگر تم کہو کہ ہمارے ملک میں جو مشائخ کرام کی وفات کے دنوں میں عرس کا رواج ہے کیا اس کی کوئی اصل ہے؟ اگر تمہارے علم میں اس کی کوئی اصل ہے تو بیان کرو تو میں جواب میں کہوں گا کہ میں نے خود یہی سوال اپنے شیخ امام عبدالوہاب متقی مکی قدس سرہ سے کیا تھا تو انہوں نے یہی ارشاد فرمایا تھا کہ ان ذالک من المشائخ وعاداتہم ولہم فی ذالک نیات یہ ہمارے مشائخ کے طریقے اور ان کی عادتیں ہیں اور اس بارہ میں ان کی کچھ نیتیں ہیں، میں نے عرض کیا کہ تمام دنوں کو چھوڑ کر اسی دن کو کیوں خاص کیا جاتا ہے۔ تو فرمایا:

الضیافة مسنونة علی الاطلاق فاقطعوا النظر عن تعین الیوم وله نظائر کمصافحة بعض المشائخ بعد الصلوات وکالاکتحال یوم عاشوراء فانه سنة علی الاطلاق وبدعة من جهة الخصوصیة

ضیافت مطلق سنت ہے لہذا دنوں کی تعیین سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ شریعت میں اس کی نظیریں موجود ہیں، مثلاً مصافحہ کہ بعض مشائخ بعد نماز کرتے ہیں اور جیسے کہ دسویں محرم کے دن سرمہ ڈالا جاتا ہے حالانکہ مطلقاً سرمہ ڈالنا سنت ہے اور یوم عاشوراء سے اس کی تخصیص کرنا بدعت حسنہ ہے۔

پھر فرمایا۔ **وقد ذکر بعض المتأخرین من مشائخ المغرب ان الیوم الذی وصلوا فیه الی جناب العزة وحظائر القدس یرجی فیه من الخیر والکرامة والبرکة والنورانیة اکثر واوفر من سائر الایام.**

اور مغرب کے بعض مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ جس دن اولیاء ومشائخ کا ان کے رب العزت کی بارگاہ میں وصال ہوا اس دن دوسرے دنوں کی نسبت سے خیر وبرکت اور

کرامت ونورانیت زیادہ اور کامل ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

پھر کچھ دیر سر جھکائے رکھنے کے بعد سر اٹھا کر فرمایا: لم یکن فی زمن السلف شیء من ذلک وانما ھو من مستحسنات المتأخرین زمانہ ماضی میں تو یہ کچھ نہ تھا یہ تو متأخرین کے مستحسنات (اچھے کاموں) سے ہے۔ (ماثبت من السنۃ ص ۲۲۴)

عرس کے معمولات

کسی ولی اللہ یا شیخ طریقت کے عرس میں عموماً جو باتیں پائی جاتی ہیں وہ یہ ہیں: (۱) صاحب عرس کی قبر پر حاضری وزیارت (۲) صاحب قبر کو سلام کرنا (۳) صاحب عرس کی قبر کے پاس تلاوت قرآن مجید وفاتحہ خوانی۔ (۴) ہاتھ اٹھا کر دعائے ایصال ثواب مانگنا اور ان بزرگوں اور ان کے لواحقین ومتوسلین کو ثواب پہنچانا (۵) قبر کو ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا (۶) قبر پر نئی چادریں ڈالنا۔ (۷) سجادہ نشین صاحب سے ملاقات (۸) حسب توفیق تحفہ نذر ونیاز پیش کرنا (۹) سجادہ نشین صاحب سے دعا منگوانا (۱۰) عرس کی محفل میں حاضری۔ (۱۱) محفل عرس میں قرآن خوانی نعت خوانی اور تقاریر کا پایا جانا۔ (۱۲) بعد مجلس شریف لنگر شریف کا کھانا اور قبر پر الوداعی سلام عرض کرنا۔

یہ امور عرس شریف میں پائے جاتے ہیں صاحب علم ودانش ان سب امور کو جائز ہی سمجھے گا ہاں منکرین کی کج فہمی اور قلبی بیماری کا کوئی علاج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عرس میں غیر شرعی باتوں سے اجتناب لازم ہے

بعض مقامات پر عرس کے موقع میں بعض غیر شرعی باتیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں جیسے ڈھول باجے رقص اور ڈانس شور شرابا، عریانی وبے پردگی اور اختلاط مرد وزن ان باتوں کا عرس سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ ان باتوں کی وجہ سے عرس ہی کا انکار درست ہے۔ ان غیر شرعی باتوں کا ارتکاب کرنے والے لوگ خود بھی گناہگار ہوتے ہیں اور عوام کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں اور عوام کا گناہ بھی اپنے سر لیتے ہیں۔ یہ ناعاقبت اندیش لوگ

اہل سنت کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں اس لئے سجادہ نشین حضرات اور عرس کے دیگر منتظمین کو ان باتوں پر کڑی نظر رکھنی چاہئے اور عرس کی محفل کا تقدس پامال کرنے والے لوگوں کا سختی سے محاسبہ کرنا چاہئے۔ وما علینا الا البلاغ

ایک اعتراض کا جواب

منکرین عرس حدیث شریف لاتتخذوا قبری عیداً (میری قبر کو عید نہ بناؤ) سے دلیل پکڑتے ہیں کہ قبر پر لوگوں کا اجتماع کرنا اور عرس منانا ناجائز ہے۔ اس کے جواب میں مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں، عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں مکانات کی زینت و آراستگی کی جاتی ہے، کھیل کود بھی ہوتے ہیں اس حدیث میں یہی مراد ہیں یعنی ہماری قبر انور پر حاضری ہو تو باادب آؤ۔ یہاں آکر شور نہ مچاؤ اور کھیل کود نہ کرو۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کتاب فیصلہ ہفت مسئلہ میں بحث عرس میں فرماتے ہیں۔ رہ گیا شبہ حدیث لاتتخذوا قبری عیدا کا۔ سو اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا اور خوشیاں کرنا اور زینت اور آراستگی اور دھوم دھام کا اہتمام کرنا۔ یہ (سب باتیں) ممنوع ہیں کیونکہ زیارت مقابر واسطے عبرت اور تذکرۂ آخرت کے ہے نہ غفلت اور زینت کے لئے اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ مدینہ منورہ کا جانا واسطے زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا۔ وہذا باطل۔

پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفراداً و اجتماعاً دونوں طرح جائز ہے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہماری قبر پر جلد آیا کرو مثل عید کے سال بھر کے بعد ہی نہ آیا کرو۔ (جاء الحق ص ۳۲۵)

الحمد للہ! یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے عرس کی شرعی حیثیت یعنی جواز و استحباب خوب واضح ہو گیا ہے مسلمان بزرگان دین کے عرسوں پر بالعموم اور اپنے پیر و مرشد کے عرس پر بالخصوص حاضری دے کر فیوض و برکات اور دینی فوائد سے مالا مال ہوا

کریں۔عرس کی حاضری اپنے پیر خانے سے تعلق اور اپنے پیر ومرشد سے میل جول کا بہترین ذریعہ ہے۔عرس کی تقاریب عقائد ونظریات کی اصلاح کا موجب ہونے کے ساتھ ساتھ عملی اقدار کے تحرک کا بھی سبب ہوتی ہیں۔اس موقع پر سلسلہ کے بزرگان دین کی خصوصی نظر ہوتی ہے۔اس وجہ سے رحمات الٰہی کا نزول یقینی ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگان کے عرس کی برکتیں سمیٹنے کی سعادت نصیب رکھے۔

آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

(۲۳ ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پینتیسواں مقالہ

قبرستان کو مسجد بنانے کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد!

دورحاضر میں مقابرالمسلمین کی حالت ہرجگہ نہایت درجہ ناگفتہ بہ دیکھی جاتی ہے۔ نئے قبرستانوں کی دیکھ بھال کا کام تو کسی حد تک ہورہا ہے کیونکہ تازہ جدا ہونے والے عزیز واقارب کی یاد کا فطرتی تقاضا ہوتا ہے کہ ان کی قبوروآثار کو باقی رکھا جائے۔ اسی قسم کے لوگوں کی قبور کو پختہ بنانے اوران کی قبور کے سرہانے ان کے نام اور تاریخ وفات کی تختی آویزاں کرنے کارواج پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ عمل دورِحاضر کے حالات کے پیش نظر نہ صرف جائز بلکہ محبوب ومستحسن ہے۔ ہمارے فقہاء حنفیہ قبور کو باہر سے پختہ بنانے اوران کے سرہانے اہل قبور کے نام اورتاریخ وفات کی تختی آویزاں کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ امام صدرالشریعۃ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں قبر کے اس حصے میں کہ میت کے جسم کے قریب ہے پکی اینٹ لگانا مکروہ ہے کہ اینٹ آگ سے پکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آگ کے اثر سے بچائے۔ (بہارشریعت حصہ ۴ ص ۱۶۱) (عالمگیری وغیرہ)

اور یہی بزرگ لکھتے ہیں علماء وسادات کی قبور پر قبہ وغیرہ بنانے میں حرج نہیں اور قبر کو پختہ نہ کیا جائے۔ (درمختار، ردالمحتار) یعنی اندر سے پختہ نہ کی جائے اوراگراندر خام (کچی) ہواوراوپر سے پختہ تو حرج نہیں۔ (عالمگیری) اوراگرضرورت ہوتو قبر پر نشان کے لئے کچھ لکھ سکتے ہیں۔ مگرایسی جگہ نہ لکھیں کہ بے ادبی ہو۔ (بہارشریعت حصہ چہارم ۱۶۲)

جہاں تک پرانے مقابراور پرانی قبور کا تعلق ہے تو ان کی عزت، حرمت اورادب واحترام کی طرف مسلمانوں کا رجحان تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ پرانے قبرستانوں کی قبور نہایت ہی خستہ حالی کی حالت سے دوچار ہوتی ہیں۔ چونکہ پہلے زمانوں میں قبور کو پختہ بنانے کا رواج نہ تھا، اس لئے مرورزمانہ کے ساتھ ساتھ وہ قبور بے نشان ہوتی چلی گئی

ہیں۔ حتی کہ بعض قبرستانوں میں کسی ایک قبر کے بھی نشانات باقی نہیں رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ناواقف لوگوں کو کیسے علم ہو کہ یہاں قبرستان ہے اور اہل قبور کی ایک جماعت ہماری دعا و فاتحہ خوانی کی منتظر ہے۔ ایسے ہی قبرستانوں پر لوگ مال مویشی کھلے بندوں چراتے نظر آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ قبور کی بے ادبی ہوتی ہے بلکہ قبرستان کی فضاء گوبر، مینگنیوں اور پیشاب کی کثرت کی وجہ سے سخت مکدر اور نجس بھی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ شرعاً ناجائز ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

قبرستان میں جو گھاس اگتی ہے۔ جب تک سبز ہے اسے کاٹنے کی اجازت نہیں۔ جب سوکھ جائے تو کاٹ کر جانوروں کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ مگر جانوروں کا قبرستان میں چرانا کسی طرح جائز نہیں۔ مطلقاً حرام ہے۔ قبروں کی بے ادبی ہے۔ مذہب اسلام کی توہین ہے۔ کھلی مذہبی دست اندازی ہے۔ ردالمحتار میں بحرالرائق اور دررالحکام اور غنیۃ اور امدادالفتاح اور فتاویٰ قاضی خان سے ہے۔ یکرہ قطع النبات الرطب من المقبرۃ دون الیابس۔ (قبرستان کا سبز گھاس کاٹنا مکروہ ہے اور خشک گھاس کا کاٹنا مکروہ نہیں) اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لوکان فیہا حشیش تحش و یرسل الی الدوآب ولاترسل الدوآب فیہا کذافی البحرالرائق۔ (بحرالرائق میں ہے کہ اگر قبرستان میں خشک گھاس ہو تو اسے کاٹیں اور مویشیوں کی طرف بھیج دیں۔ اور مویشیوں کو اس خشک گھاس کی طرف نہ بھیجیں)۔
(فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص۴۹۲)

مزید برآں خوف خدا سے عاری لوگ پرانے قبرستانوں میں اپنے رہائشی مکانات بنا کر بسنے لگتے ہیں۔ یا اسے کھیتوں میں تبدیل کر کے وہاں کھیتی باڑی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بھی شرعاً حرام ہے۔ امام صدرالشریعہ لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کا قبرستان ہے۔ جس میں قبر کے نشان بھی مٹ چکے ہیں۔ ہڈیوں کا بھی پتہ نہیں۔ جب بھی اس کو کھیت بنانا یا اس میں مکان بنانا ناجائز ہے اور اب بھی وہ قبرستان ہے۔ قبرستان کے تمام آداب بجالائے جائیں۔ (عالمگیری)۔ (بہار شریعت ج ۱۰ ص ۸۷)

جو پرانے قبرستان اس حال میں ہوتے ہیں کہ ان میں قبور کے نشانات موجود اور باقی ہیں ان میں بھی بے ادبی کی یہ صورت پائی جاتی ہے کہ قبروں کے اوپر جگہ جگہ راستے بنے ہوتے ہیں اور خوف خدا سے خالی لوگ جوتے پہنے بے محابہ قبروں پر قدم رکھ کر چلتے پھرتے ہیں۔ ایسا کرنا بھی سخت حرام ہے۔ امام صدرالشریعۃ لکھتے ہیں۔ قبر پر بیٹھنا سونا، چلنا، پاخانہ پیشاب کرنا حرام ہے۔ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا اس سے گزرنا ناجائز ہے۔ خواہ نیا ہونا اسے معلوم ہو یا اس کا گمان ہو۔ (عالمگیری) اور اپنے کسی رشتہ دار کی قبر تک جانا چاہتا ہے مگر قبروں میں گزرنا پڑے گا تو وہاں تک جانا منع ہے۔ دور ہی سے فاتحہ پڑھ دے۔ قبرستان میں جوتیاں پہن کر نہ جائے ایک شخص کو حضور اقدس ﷺ نے جوتے پہنے دیکھا۔ فرمایا جوتے اتار دے۔ نہ قبر والے کو تو ایذا دے اور نہ وہ تجھے ایذا دے۔ (بہار شریعت جلد چہارم ص ۱۶۴)

قبور المسلمین کی مذکورہ بالا بے حرمتی کی صورت یقیناً اہل قبور کی روحوں کی ناراضگی کا ذریعہ بنتی ہے اور اموات المسلمین کی ناراضگی کا وبال بے ادبی کا ارتکاب کرنے والوں پر لامحالہ پڑتا ہے۔ جیسا کہ مذکور بالا حدیث سے معلوم ہوا اور اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے (ایک شخص کو قبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو) فرمایا۔ انزل من ہذا القبر لاتؤذی صاحب القبر ولایؤذیک۔ (اس قبر سے اتر۔ نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے اور نہ وہ تجھے ایذا دے)۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۹۱)

اور مولانا محمد عمر الدین فاضل ہزاروی اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں۔ نامناسب افعال کرنے سے اموات المسلمین کو ایذا ہوتی ہے۔ اور بعض عامہ مؤمنین اور بقیہ اموات کے ابدان گو سلامت نہ رہتے ہوں۔ تاہم ان کی قبور پر بیٹھنے بلکہ ان پر تکیہ لگانے اور قبرستان میں جوتوں کی آواز کرنے سے ان کو ایذا ہوتی ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت لاریب ہے۔

حاکم وطبرانی عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا۔ فرمایا۔ یا صاحب القبر انزل من القبر لا توذی صاحب القبر ولا یؤذیک۔ قبر والے قبر سے اتر آ...... نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے...... نہ وہ تجھے ایذا دے۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں راوی کہ کسی نے حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا۔ فرمایا۔ کما اکرہ اذی المؤمن فی حیاتہ فانی اکرہ اذاہ بعد موتہ. مجھ کو جس طرح زندہ مسلمان کو ایذا ناپسند ہے یونہی مردہ کی ایذا بھی ناپسند ہے۔

امام احمد علیہ الرحمۃ بسند حسن انہی حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ سے راوی سید دو عالم ﷺ نے مجھے ایک قبر پر تکیہ لگائے دیکھا۔ فرمایا۔ لا توذ صاحب ہذا القبر۔ اس قبر والے کو ایذا نہ دے۔ لا توذہ۔ اسے تکلیف نہ پہنچا۔

اس ایذا کا تجربہ بھی تابعین عظام اور دوسرے علماء کرام نے جو صاحب بصیرت تھے کر لیا ہے۔ چنانچہ ابن ابی الدنیا ابو قلابہ بصری سے راوی کہ میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا۔ رات کو خندق میں اترا وضو کیا۔ دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ جب جاگا تو صاحب قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے۔ لقد آذیتنی ہذہ اللیلۃ۔ اے شخص تو نے مجھے رات بھر ایذا دی ہے۔ اور امام بیہقی دلائل النبوۃ میں اور ابن ابی الدنیا حضرت ابو عثمان نہدی سے۔ وہ ابن مینا تابعی سے راوی کہ میں مقبرہ میں گیا۔ دو رکعت پڑھ کر لیٹ گیا۔ خدا کی قسم۔ میں خوب جاگ رہا تھا۔ سنا کہ کوئی شخص قبر میں سے کہتا ہے۔ قم فقد آذیتنی. اٹھ کہ تو نے مجھ کو ایذیت دی۔

حافظ ابن مندہ قاسم بن مخیمرہ سے راوی کہ اگر میں تپائی بھال پر پاؤں رکھوں کہ میرے قدم سے پار ہو جائے تو یہ مجھ کو زیادہ پسند ہے۔ اس سے کہ کسی قبر پر پاؤں رکھوں پھر فرمایا ایک شخص نے قبر پر پاؤں رکھا۔ جاگتے میں سنا۔ الیک عنی یا رجل ولا توذنی۔ اے

شخص الگ ہٹ۔ مجھے ایذا نہ دے۔ اور علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں۔
اخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمدالحموی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ بانھم یتاذون بخفق النعال ۔ مجھ کو میرے استاد علامہ محمد بن احمد حموی حنفی نے خبر دی ہے کہ جوتے کی پچل (کھڑکھڑاہٹ) سے مردے کو ایذا ہوتی ہے۔ اسی واسطے ہمارے فقہاء کرام احناف رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قبر پر رہنے کا مکان بنانا یا قبر پر بیٹھنا یا سونا یا اس پر یا اس کے نزدیک بول و براز کرنا۔ یہ سب امور اشد مکروہ قریب بحرام ہیں۔
فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **ویکرہ ان یبنی علی القبر اویقعد الخ**۔ علامہ شامی اس کی دلیل میں حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں۔ **لان المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی** ۔ یعنی اس لئے کہ جس کام سے زندہ کو اذیت ہوتی ہے۔ اس سے مردے بھی ایذا پاتے ہیں۔ بلکہ دیلمی نے ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کلیہ کی تصریح روایت کی کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔ **المیت یؤذیہ فی قبرہ ما یؤذیہ فی بیتہ**۔ میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے۔ قبر میں بھی اس سے اذیت پاتا ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی **اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ** ۔ مسلمان کو بعد موت ایذا دینی ایسی ہی ہے جیسے زندگی میں اسے تکلیف پہنچائی۔

اور اظہر من الشمس ہے کہ قبور کو کھود کر ان پر رہنے کا مکان بنانا تو اس میں یہ سب امور موجود ہیں۔ جس سے یقیناً اہل قبور کی توہین ہوتی ہے اور ان کو ایذا دینا ہے، جو ہرگز ہرگز ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے۔

اور مؤید ہے اس کی وہ عبارت جو علامہ نابلسی علیہ الرحمۃ نے حدیقہ ندیہ میں لکھی ہے۔ **معناہ ان الارواح تعلم بذلک اقامۃ الحرمۃ والاستھانۃ فتتاذی بذلک**۔ یعنی قبر پر تکیہ لگانے سے جو اہل قبور کو ایذا ہوتی ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ روحیں جان لیتی ہیں کہ اس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا۔ لہذا ایذا پاتی ہیں۔ جب قبر پر تکیہ

لگانے سے اہل قبور کی اہانت اوران کی توہین اوران کی ترک تعظیم ہےتو اس پرکھیتی کرنے سےاوراس پرمکان بنانے سےتو بطریق اولیٰ ان کی توہین ہوگی۔اھ۔(اہلاک الوہابیین مؤلفہ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ ص ۹)

(نوٹ) اس فتویٰ کی تائید خود اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی اسی کتاب میں فرمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبور المسلمین کی بے حرمتی کی مندرجہ بالا چند صورتوں کے علاوہ آج کل ایک اور صورت بھی معرض وجود میں آچکی ہےاور وہ یہ کہ مسجد میں ملحقہ وقفی قبرستانوں میں ستون کھڑے کر کے ان پر چھت ڈال دیا جاتا ہےاور پھر اس چھت پر مسجد کے طہارت خانے استنجاہ گاہیں اور وضو کی جگہیں بنادی جاتی ہیں۔ یہ صورت بھی از روئے شرع شریف ناجائز ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز۔ کے فتاویٰ مبارکہ میں ہے۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قبرستان کہ جس میں بہت سی قبریں مؤمنین ومؤمنات کی ہوں۔ مسقف کر کے کہ سب قبریں چھت کے نیچے رہیں۔ اس چھت پر چلنا پھرنا اور بیٹھنا اٹھنا اور دوسرے حوائج انسانی ادا کرنا عندالشرع جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر وہ قبرستان وقف ہے جیسے کہ عام مقابر ہوتے ہیں تو زمین وقف میں اس کے خلاف تصرف کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ **فی الھندیہ لایجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ** ۔(فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ وقف کواس کی اپنی ہیئت سے تبدیل کردینا جائز نہیں) اور اگر ملک غیر ہےتو اس میں بے اجازت مالک تصرف ناجائز ہے۔ **قال ﷺ لیس لعرق ظالم حق** ۔اور اگر اس کی اپنی ملک ہےتو اس طرح مسقف کرنا کہ دیوار یا پایہ عین کسی قبر پرنصب ہو ناجائز ہے کہ اس میں میت کی ایذا ہے۔ **کما نطقت بہ احادیث اوردناھا فی الآمر باحترام المقابر** ۔اورمسلمان کی ایذا حیا ہو یا میتا ہرطرح حرام ہے۔ **قال ﷺ انزل من ھذا القبر لاتؤذی صاحب**

القبر ولایؤذیک. (اس قبر سے اتر۔ نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے اور نہ وہ تجھے ایذا دے) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ انی اکرہ اذی المسلم فی مماتہ کما اکرہ اذاہ فی حیاتہ۔ میں میت کو ایذا دینا اسی طرح ناپسند کرتا ہوں جیسے زندہ کو ایذا دینا) مگر اس صورت میں کہ قبور بے اجازت کے غصباً بنی ہوں تو اسے اختیار ہے کہ زمین خالی کرے یا صبر کرے یہاں تک کہ میت بالکل خاک ہو جائے اور اس کے لئے بہت زمانہ دراز درکار ہے۔ اس وقت ان قبور پر عمارت بنا سکتا ہے۔ کما فی الدر جاز زرعہ والبناء علیہ وقد حققناہ فی اھلاک الوھابیین علی توھین قبور المسلمین ۔ اور اگر زمین اس کی ملک ہے اور قبور کے باہر باہر دیوازیں یا ستون قائم کر کے مسقف کرتا ہے تو جائز ہے اور اس چھت پر چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا وغیرہا افعال کی بھی اجازت ہے کہ یہ سقف مکان ہے سقف قبر نہیں۔ کما نصوا بجواز الصعود علی سطح بیت فیہ مصحف کما فی الدر وغیرہ. واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۹۱)

بعض جگہوں میں تو یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ وقفی قبرستان کی قبور پر تین فٹ اونچائی میں چھت ڈال کر اس چھت پر مسجد کا حجرہ وغیرہ بنا دیا گیا ہے اس صورت میں قبور زاہرین کو نظر ہی نہیں آتیں تاکہ وہ اموات پر سلام پیش کریں اور ان کے لئے دعا فاتحہ پڑھیں۔ والی اللہ المشتکیٰ . ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

وقفی قبرستانوں کی قبور کو شامل مسجد کرنے کا شوق آج کل اس حد تک دیکھا جاتا ہے کہ جن مسلمانوں کی قبریں داخل مسجد کر دی جائیں انہیں خوش نصیب سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان پر مسجد کی وجہ سے ہر وقت رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت دے تاکہ وہ جائز و ناجائز میں امتیاز کر سکیں۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ ۔

اور ایک ساتھی سے یہ بھی سنا ہے کہ ایک جگہ کے پورے قبرستان پر چھت ڈال کر

اسے عیدگاہ بنادیا گیا ہے۔ بدیں حالات ہمارے دیہات موضع بھیائی تحصیل سہنسہ کے ایک شخص نے بھی اس دیہات کی مسجد سے ملحقہ پرانی قبور کو شامل مسجد کر کے مسجد کو کشادہ کرنے کا مسئلہ پوچھا تو اس سوال کا جواب علمائے حق سے حاصل کیا گیا، جو افادۂ عامۃ المسلمین کے لئے یہاں درج کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ہمارے دیہات موضع بھیائی کی مسجد کی شمالی جانب متصل چند پرانی بے نشان قبریں موجود ہیں۔ مسجد ہذا الملحقہ بستی کی ضرورت کے لئے کافی ہے لیکن بعض احباب کا خیال ہے کہ پرانی مسجد کو شہید کر کے نئے انداز میں زیادہ کشادگی کے ساتھ تعمیر کیا جائے مسجد کی جنوبی جانب مسجد کا راستہ اور راستے سے آگے بستی کے مکانات ہیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے شمالی جانب کی قبروں ہی کو شامل مسجد کرنے کے بارہ میں غور وفکر جاری ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا قبروں کی جگہ کو شامل مسجد کر لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو اس کی صورت کیا ہوگی؟ معتبر کتب فقہ حنفی کے حوالہ جات سے جواب باصواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ بینوا توجروا۔

نائب مفتی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے اس استفتاء کا جواب ان لفظوں میں لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: مسؤلہ صورت میں قبرستان کی جگہ کو مسجد میں شامل کرنا حرام ہے کہ مسلمانوں کا قبرستان وقف ہوتا ہے اور جو جگہ جس مقصد کے لئے وقف ہوئی اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **لایجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ** ۔ یعنی وقف کو اس کی حالت سے بدلنا جائز نہیں۔ فتح القدیر میں ہے۔ **الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ** یعنی وقف کو اس کی اصلی حالت پر باقی رکھنا واجب ہے اور پرانی مسجد کی حالت اچھی ہے اور کشادگی کی بھی ضرورت نہیں تو بلاضرورت پرانی مسجد کو شہید کرنا اسراف اور منع ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب** ۔ دستخط مفتی صاحب۔ مع مہر دارالافتاء مورخہ ۳ جون ۲۰۰۳ء۔

اورمولانا عبدالعزیز حنفی مفتی دارالعلوم امجدیہ کراچی نے ان لفظوں میں جواب لکھا۔ اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ صورت مسؤلہ میں جیسا کہ سوال میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ دیہات کی مسجد اہل محلہ کی ضرورت کے لئے کافی ہے تو اگر واقعی ایسا ہی ہے تو چند افراد کے خیال کے مطابق مسجد سے متصل پرانی قبروں کو شامل مسجد نہ کیا جائے البتہ اگر کبھی واقعۃً مسجد کی توسیع ناگزیر ہو تو اس میں یہ غور کیا جائے گا کہ وہ قبرستان وقفی تو نہیں۔ اگر وقفی قبرستان ہو تو اسے توسیع مسجد کی غرض سے مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ وہ قبرستان وقفی نہیں بلکہ کسی کی شخصی ملکیت ہے تو اس کی اجازت ہے۔ اس طرح توسیع عمل میں لائی جاسکتی ہے کہ کوئی ستون قبر کے اوپر نہ بنایا جائے بلکہ قبروں کے درمیان خالی جگہ میں ستون بنائے جائیں اور چھت قبروں سے جدا ہوں اگرچہ ایک فٹ یا آدھ فٹ ہو اس چھت پر نماز پڑھنا جائز ہوگا۔ عبدالعزیز حنفی غفرلہ ۱۰ ربیع الغوث ۱۴۲۴ھ بمطابق ۱۱ جون ۲۰۰۳ء مہر دارالافتاء۔

اعلیٰ حضرت کا فتویٰ

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک سطح وقف زمین جو کہ قبرستان کے نام سے مشہور ہے جس کی ایک طرف چند پرانی قبریں پائی جاتی ہیں اور باقی ایک تہائی حصہ میدان پڑا ہوا ہے اور وہاں کے عمر رسیدہ قریب اسی سے سو برس کے بزرگوں سے تحقیق کرنے پر وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ہوش سے ہم لوگوں کے جاننے میں اس سطح زمین میں کوئی میت دفن نہیں ہوا ہے۔ اس پر چند مسلمانان عالی ہمت نے اس تہائی خالی سطح زمین پر مدرسہ وکتب خانہ بنانے کے لئے حاکم وقت سے درخواست کی۔ تحقیق کرنے کے بعد کے وہاں کوئی قبر نہیں ہے حاکم نے اجازت دے دی۔ ان حضرات نے مدرسہ وکتب خانہ بنانے کے لئے تمام سامان فراہم کیا ہے۔ اس صورت میں ایسے مقام پر مدرسہ وکتب خانہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور مدرسہ کی بنیاد کھودتے وقت اگر احیاناً وہاں

مردہ کی بوسیدہ ہڈی نکلے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: وقف کی بتدیل جائز نہیں۔ جو چیز جس مقصد کے لئے وقف ہے اسے بدل کر دوسرے مقصد کے لئے کر دینا روا نہیں۔ جس طرح مسجد یا مدرسہ کو قبرستان نہیں کر سکتے۔ یونہی قبرستان کو مسجد یا مدرسہ یا کتب خانہ کر دینا حلال نہیں۔ سراج وہاج پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔ لا یجوز تغییر الوقف عن ہیئتہ ولا یجعل الدار بستانا والخان حماما ولا الرباط دکانا الا اذا جعل الواقف الی الناظر ما یری فیہ مصلحۃ الواقف اھ قلت فاذا لم یجز تبدیل الہیئۃ فکیف بتغییر اصل المقصود۔

(ترجمہ) وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں۔ اور نہ ہی گھر کو باغ اور نہ ہی مسافر خانہ کو غسل خانہ اور نہ ہی مجاہد کیمپ کو دکان کر دیا جائے گا ہاں اگر واقف نے ناظر کو ایسی تبدیلی کا اختیار دے دیا ہو جو واقف کے حق میں مصلحت ہو تو یہ تبدیلی جائز ہوگی۔ پھر اعلیٰ حضرت اپنی طرف سے فرماتے ہیں کہ جب وقف کی ہیئت تبدیل کرنا جائز نہیں تو پھر اس کا اصل مقصود تبدیل کرنا کیسا ہوگا؟)

اور اس پارۂ قبرستان میں سو برس سے کوئی قبر نہ ہونا اسے قبرستان ہونے سے خارج نہیں کر سکتا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول مفتی بہ پر تو واقف کے صرف اتنے کہنے سے کہ میں نے یہ زمین دفن مسلمانان کے لئے وقف کی یا اس زمین کو مقبرۂ مسلمین کر دیا وہ تمام زمین قبرستان ہو جاتی ہے۔ اگر چہ ہنوز ایک مردہ بھی دفن نہ ہوا ہو اور امام محمد کے قول پر ایک شخص کے دفن سے ساری زمین قبرستان ہو جاتی ہے۔ پس صورت مستفسرہ میں وہاں مدرسہ و کتب خانہ بنانا ہی جائز نہیں۔ اگر چہ مردہ کی ہڈی نہ نکلے اور نکلنے کی حالت میں ممانعت اور اشد ہو جائے گی کہ قبر مسلم کی بے حرمتی ہوئی۔ کما بیناہ فی الآمر باحترام المقابر واللہ تعالیٰ اعلم۔ (اہلاک الوہابیین ۳۲)

الحمدللہ! یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ اس سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوا کہ مسجد میں قبرستان کی جگہ کا داخل کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اگر چہ اس میں کسی ایک

مسلمان کی بھی قبر نہ ہو۔ چہ جائے کہ ایسی جگہ کو داخل مسجد کر دیا جائے جس میں قبریں ہوں، اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق بخشے اور حق ماننے اور اس پر عمل کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

وهذا آخر ما اردنا ايراده فى هذه المقالة المختصرة المفيدة المتبركة تقبلها الله تعالىٰ بمنه العظيم ورسوله الكريم ﷺ وانا الفقير ابو الكرم احمد حسين قاسم الحيدرى غفر الله له المدرس بالجامعة الحيدرية فضل المدرس بهيائى من مضافات سهنسه آزاد كشمير.

(۱۴ جمادى الاولىٰ ص ۱۴۲۴ هـ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھتیسواں مقالہ

گنبد خضراء کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین وآلہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد!

ہفت روزہ افق کراچی کی ۴ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ کی اشاعت میں اس صدمہ خیز بات کا انکشاف کیا گیا کہ سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض کے جریدہ یعنی اخبار الدعوت نے اپنی ۹ شعبان کی اشاعت میں یہ خبر شائع کی ہے۔ کہ سعد الحرمین نامی ایک شخص نے اپنے ایک مضمون میں جو اس نے خصوصی طور پر مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ تجویز پیش کی ہے کہ قبہ مبارکہ یعنی گنبد خضراء کو ڈھادیا جائے یا چھپادیا جائے اور اس پر جو نقوش ہیں۔ وہ ختم کردئے جائیں جریدہ کے مطابق یہ اقدام نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق ہوگا جن کی یہ قبر اور حجرات ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس کے پختہ بنانے اور اس پر تعمیر سے منع کیا ہے۔ جریدہ نے سورہ جن کی ایک آیت کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے دونوں صحابیوں کی قبریں مسجد میں داخل کرنا سب سے بڑی اور پرانی بدعت اور فتنہ ہیں۔ کیونکہ اسطرح اس جگہ کو مسجد کے حکم سے علیحدہ کردیا گیا۔ اھ ملتقطا

اس افسوسناک خبر کے پڑھنے سے حضور ﷺ کے ہر عاشق صادق کے ذہن میں بے ساختہ طور پر یہ سوالات امنڈ آتے ہیں۔ کہ آیا گنبد خضری کا شرعا وہی مقام ہے۔ جو اس مضمون نگار نے ذکر کیا؟ آیا اس پر تعمیر وتزئین وبناء کا کام ارشادات نبوی ﷺ کے متخالف ہے؟ تعمیرات روضہ متبرکہ کی ابتداء کرنے والے کون ہیں۔ جن پر اس مضمون نگار نے سب سے بڑے پرانے بدعتی اور فتنہ پرداز ہونے کا حکم لگایا ہے؟ اور آیا گنبد خضری کو ڈھانا یا چھپانا اور اس پر جو نقوش ہیں۔ ان کو ختم کردینا شرعا جائز ہے۔ ان چند سوالوں کے حل کرنے اور گنبد خضراء کا شرعی مقام واضح کرنے کے لئے ہم نے یہ رسالہ الدرر البیضاء من قبۃ الخضراء یعنی گنبد خضراء کی شرعی حیثیت لکھا ہے۔ اللہ تعالی ہماری اس سعی دینیہ کو اپنی بارگاہ میں شرف مقبولیت بخشے۔ آمین۔ بجاہ طہ ویسین ﷺ۔

حضرت مولانا ابوالخیر مظفر احمد برکاتی مفتی جامعہ مظفریہ بدایوں تحریر فرماتے ہیں۔

حق کے حامیو! مختار مسلک اور مفتی بہ قول یہ ہے۔ کہ مشائخ علماء صلحا و سادات کی قبروں کے گرد قبہ اور گنبد بنانا جائز و درست ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے۔ فقالوا ابنوا علیھم بنیانا (پ ۱۵ ع ۱۵) تو بولے ان کے غار (یعنی اصحاب کہف کے غار) پر کوئی عمارت بناؤ تفسیر روح البیان میں اس آیت میں بنیانا کی تفسیر میں فرمایا دیوارے کہ از چشم مردم پوشیدہ شود یعنی لا یعلم احد تربتھم وتکون محفوظۃ من تطرق الناس کما حفظت تربۃ رسول اللہ بالحظیرۃ یعنی انہوں نے کہا کہ اصحاب کہف پر ایسی دیوار بناؤ جو ان کی قبروں کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جائیں جیسے کہ آقائے عالم ﷺ کی قبر انور چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے۔ مگر بات نامنظور ہوئی تب مسجد بنائی گئی مسجداً کی تفسیر میں روح البیان میں ہے۔ یصلی فیہ المسلمون ویتبرکون بمکانھم یعنی لوگ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کہف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی بات کا انکار نہ فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں کام جب بھی جائز تھے، اب بھی جائز ہیں۔ جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کو حضرت سیدتنا صدیقہ کے حجرہ پاک میں دفن کیا گیا جیسا کہ مشکوۃ شریف میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے انتقال فرمایا اور آپ کی جائے دفن میں اختلاف رونما ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نبی کی روح اسی جگہ قبض فرماتا ہے۔ جہاں اسے اس کا دفن ہونا منظور ہوتا ہے۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم صادر فرمایا حضور ﷺ کو اپنے بستر کی جگہ میں دفن کرو۔ جذب القلوب ص ۱۹ میں ہے۔ تا اجماع صحابہ انعقاد یافت کہ ہم در موضع قبض مدفون کرد بعد ازاں حضرت عائشہ صدیقہ نے حجرہ متبرکہ میں اپنی جائے رہائش اور قبور مشرفہ کے مابین ایک دیوار زائرین کی سہولت کے لئے بنوائی۔ اگر حضور ﷺ اور شیخین کریمین کی قبور مطہرہ پر عمارت بنانا شرعاً ناجائز تھا تو آپ ایسا ہرگز نہ کرتیں پھر امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے

خلافت میں حجرہ متبرکہ کے گرد اینٹوں کی گول دیوار کھچوادی۔

جذب القلوب میں شیخ عبدالحق محدث دہلی لکھتے ہیں۔ وبعدازاں کہ امیرالمومنین عمردرمسجد زیادت کرد حجرہ راازخشت خام بنا کردو

تازمان حدوث عمارت ولید بن عبدالملک حجرہ ظاہر بود۔ پھر ولید بن عبدالملک اموی خلیفہ کے زمانہ میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے متعدد صحابہ کرام کی موجودگی میں ۸۸ھ میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنوایا اور اس میں منقش پتھر لگوائے جیسا کہ خلاصہ الوفاء میں ہے۔ اور شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ جذب القلوب میں یہ بھی فرماتے ہیں عمر بن عبدالعزیز بحکم ولید بن عبدالملک آن راہدم کردو بحجارۃ منقوشہ برآورد برظاہر آن حظیرہ دیگر بنا کرد۔ اور بخاری شریف میں ہے۔ کہ جب ولید کے زمانہ میں حضور ﷺ کے حجرہ شریفہ کی دیواریں گرگئیں تو اس کی نئی تعمیر کے دوران لوگوں نے ایک قدم دیکھا اور خوفزدہ ہو گئے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ نبی کریم ﷺ کا قدم ہے اور انہیں کوئی ایسا شخص نہ ملا جو اس بارہ میں حقیقت حال بتائے یہاں تک کہ حضرت عروہ بن زبیر نے فرمایا یہ خدا کی قسم حضور ﷺ کا قدم نہیں بلکہ فاروق اعظم کا قدم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گنبد خضراء کی ابتداء حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک دیوار کی صورت میں حضرت فاروق اعظمؓ نے کچی اینٹوں کی گول دیوار کی شکل میں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے منقش پتھروں کی عمارت اور چاردیواری کی ہیئت میں کی ہے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کی اتفاق رائے سے جو کام شروع کیا گیا اسے سب سے بڑی اور پرانی بدعت وفتنہ قرار دینا کتنی بڑی زیادتی اور بے باکی ہے۔ والعیاذ باللہ منہ۔ ذرا غور فرمایئے صحابہ کرام کی شان میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ **ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔** (پ۲۶ ع ۱۳) (ترجمہ) ولیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کردی۔ ایسے ہی لوگ راہ پر ہیں۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی وہ تمام دوزخ میں ہیں۔ سوا ایک فرقہ کے۔ عرض کی گئی وہ کونسا فرقہ ہے۔ فرمایا ما انا علیہ واصحابی جو اس راہ پر ہے۔ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ اور

فرمایا۔ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم ۔ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ تو ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ جن صحابہ کرام کی شان رفیع کی شہادتیں اللہ اور اس کے رسول اللہ اس طرح دے رہے ہیں۔ ان کے اتفاق رائے سے کئے گئے کام پر سب سے بڑی اور بری بدعت کا اطلاق وفتوی بذات خود بدعت وفتنہ ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں جب مسلمانوں میں کثرت ہوئی اور صحابہ وتابعین کو مسجد نبوی کی توسیع کرنا پڑی اور امہات المومنین کے حجروں کو داخل مسجد کر لیا گیا تو حضرت عائشہ کے اس حجرہ پر جو حضور ﷺ اور شیخین کا مدفن ہے۔ ایک اونچی گرداگرد دیوار بنائی گئی تا کہ حضور ﷺ اور شیخین کی قبریں مسجد سے دکھائی نہ دیں تا کہ عوام ان کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھیں اور ایک ناجائز فعل کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ پھر قبر شریف کے دو شمالی رکنوں سے دو دیواریں تعمیر کی گئیں اور انہیں موڑ کر آپس میں ملا دیا گیا اسی وجہ سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں۔ ولو لا ذالک لا برز قبرہ غیر انہ خشی ان یتخذ مسجداً یعنی اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور ﷺ کی قبر انور کو کھول دیا جاتا صرف انہیں یہ اندیشہ تھا کہ اسے مسجد بنالیا جائے گا۔ (شرح مسلم شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ روضہ رسول اللہ ﷺ کو حدود مسجد میں صحابہ وتابعین نے شامل فرمایا تھا۔ لہذا یہ کہنا کہ حضور ﷺ اور ان کے دونوں صحابیوں کی قبریں مسجد میں داخل کرنا سب سے بڑی اور بری بدعت اور فتنہ ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام کو فتنہ باز قرار دینا ہے۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ .

تفسیر روح البیان میں ہے۔ فبناء القباب علی قبور العلماء واللاولیاء والصلحاء امر جائز یعنی علماء اولیاء وصلحا کی قبروں پر قبہ بنانا جائز ہے۔ جبکہ اس سے عام لوگوں کی نگاہوں میں تعظیم کا قصد کیا جائے تا کہ لوگ صاحب قبر کی توہین نہ کریں۔ وهکذا فی کشف النور للشیخ عبد الغنی النابلسی کذا فی التحریر المختار للرافعی رحمة اللہ علیہ اور مرقات شرح مشکوة میں علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ قد اباح السلف البناء علی قبور المشائخ والعلماء المشهورین لیزورهم الناس ویستریحون بالجلوس فیه یعنی پہلے علماء نے مشائخ وعلماء کی قبروں پر عمارت بنانا جائز قرار دیا ہے۔ تا کہ لوگ ان کی

زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام لیں اور میزان شعرانی میں ہے۔ کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک قبروں کو پختہ بنانا اور اس پر گنبد بنانا جائز و درست ہے۔ اھ کلامہ الشریف بزیادہ مفیدۃ واللہ اعلم (اقوال الصادقین ص ۱۱)

اور مولانا مفتی نظام الدین ملتانی فرماتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک کہ یہ سب افعال یعنی قبروں پر قبہ بنانا وغیرہ مکروہ ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب افعال مستحسن ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادات میں فرمایا قبر شریف پر غلاف ڈالنا اور چراغ وغیرہ جلانا جبکہ صاحب مزار اللہ کا محبوب ولی ہو مستحسن ہے۔ اور انہیں بدعت کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ ان کا ثبوت احادیث سے پایا جاتا ہے۔ اور بزرگان دین کی قبروں پر گنبد بنانا ان کی جلالت کے لئے اور قاریوں کے قرآن شریف پڑھنے اور بیٹھنے کی خاطر اور عوام الناس کی زیارت کے لئے بلا کراہت جائز ہے۔ کشف النور میں ہے۔ **ان البدعة الحسنة الموافقة للشرع تسمى سنة فبناء القباب على قبور العلماء والاولياء والصلحاء امر جائز اذا كان القصد بذالك التعظيم فى اعين العامة حتى لا يحتقروا اصحاب هذا القبر** یعنی وہ اچھی نئی بات جو مقصود شرع کے موافق ہو سنت کہلاتی ہے۔ پس علماء اولیا صلحا کی قبور پر گنبد بنانا امر جائز ہے۔ جبکہ اس سے مقصود عوام الناس کی نظر میں تعظیم پیدا کرنا ہو۔ تاکہ وہ ان قبروالوں کی بے ادبی نہ کریں اور جو آپ ﷺ نے قبروں پر مکان وغیرہ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ نھی رسول اللہ ﷺ ان تجصص القبر وان یبنی علیہ یعنی نبی کریم ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے سے منع فرمایا اور مسلم میں ہے نھی عن تقصیص القبور آپ نے قبور کو پختہ کرنے اور ان پر گنبد بنانے سے منع فرمایا اور طحطاوی میں ہے۔ **نهى عن تقصيص القبور وتكليلها** آپ نے قبور پختہ بنانے اور ان پر گنبد بنانے سے منع فرمایا وہاں کراہت پر محمول ہے۔ نہ اس کی حرمت پر اور وجہ اسکی یہ ہے۔ کہ لوگ بوجہ تفاخر مال و دولت کو قبروں کی عمارت پر برباد کرتے تھے چنانچہ آج کل یہود و نصاریٰ کی قبروں پر عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ امام ابن الھمام نے اس مسئلہ کی تشریح تجصیص قبور کی شرح میں کر دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ **هذا الحديث اى حديث تسوية القبور محمول على ما كانوا يفعلونه بالبناء الحسن**

العالی یعنی یہ حدیث جس میں قبور کو برابر کرنے کا حکم دیا گیا ان اونچی اونچی قبروں پر محمول ہے۔ جن پر بلند خوبصورت عمارت بنادی جائے اور اس میں کوئی فائدہ نہ ہو، مجمع البحار میں ہے۔ پس بزرگان دین کی عظمت ورفعت شان اور برائے رعب اسلام یا قبر کے پاس بیٹھ کر قران پڑھنے والوں کی خاطر اور زائرین کے آرام کے لیے قبور اولیاء کرام پر قبہ بنانا کوئی گناہ نہیں۔ چنانچہ علماء سلف وخلف کا اس بات پر عمل لگاتار چلا آیا ہے۔ اور بے شک بے فائدہ قبور پر قبہ بنانا جائز نہیں اور صاحب درمختار نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ولا یرفع علیہ بناء وقیل لاباس بہ ھوالمختار یعنی قبر پر عمارت نہ بلند کی جائے اور بعض علماء فرماتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں اور دوسرا قول معتمد علیہ۔ اھ کلامہ الشریف بزیادۃ مفیدۃ (انوار شریعت ص ۱۵۸ حصہ اول)

ان ہر دو فتووں سے مذکورۃ الصدر تمام سوالات کے جوابات حاصل ہو گئے۔ الحاصل گنبد خضراء کا شرعی مقام وہ نہیں ہے۔ جو اس مضمون نگار نے ذکر کیا ہے۔ اور نہ اس کی تعمیر و بناء ارشادات نبویہ کے متخالف ہے۔ روضہ متبرکہ کی تعمیر کی ابتداء صحابہ کرام نے فرمائی اس لئے نہ وہ فتنہ تھا اور نہ صحابہ بدعتی اور فتنہ باز تھے اور گنبد خضراء کو ڈھانا اور چھپانا اور اس پر جو نقوش ہیں۔ انہیں ختم کر دینا ہرگز جائز نہیں ہیں۔ بلکہ روضہ مقدسہ کو اپنی موجود حالت پر رہنے دینا شرعاً لازم ہے۔ کہ اگر اسے گرانا واجب تھا تو صحابہ کرام اسے تعمیر نہ کرتے اور اگر ارشادات نبویہ کے خلاف بنا تھا تو عہد صحابہ میں اسے مسمار کر دیا جاتا تعجب کی بات تو یہ ہے۔ کہ صحابہ کرام تو گنبد خضراء کی تعمیر کریں مگر آج کل کے لوگ اسے مسمار کرنے کی ناپاک تجاویز پیش کر رہے ہیں۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**.

گنبد خضراء کے دشمنو! جن احادیث کی بنا پر تم روضہ متبرکہ کو گرانے کی تدبیریں بنا رہے ہو۔ کیا اصحاب کرام ان سے بے خبر تھے؟ اور اگر ان ارشادات نبویہ کی وجہ سے گنبد مبارک کی تعمیر بدعت وفتنہ تھی تو صحابہ کبار نے اسے تعمیر کرنے میں بڑھ چڑھ کر کیوں حصہ لیا تھا۔ کیا حضرت عمر فاروق عائشہ صدیقہ اور عمر بن عبد العزیز تمہاری نگاہ میں معمولی شخصیات ہیں۔ جنہوں نے روضہ متبرکہ کو دوبارہ تعمیر و مرمت فرمایا تھا؟ گنبد خضراء کے دشمنو! تمہیں اس گنبد نورانی کی کیا قدر و قیمت۔ نظر والوں سے پوچھو تو وہ اس کی شان عظمت ورفعت کا پتہ بدیں الفاظ دیتے ہیں۔

لا ریب عند من له ادنی تصدیق بشریعة الاسلام ان قبره علیه الصلوة والسلام روض من ریاض الجنة وافضلها ولذا قال العلماء ان تربة قبره افضل من البیت والمسجد الاقصی والعرش والکرسی اھ
یعنی جو کوئی شریعت اسلامیہ پر تھوڑا سا ایمان رکھتا ہے۔ اسے اس بات میں کوئی تردد نہیں کہ حضور علیہ السلام کی قبر انور یعنی گنبد خضراء جنت کا ایک بہترین باغ ہے۔ بدیں وجہ علماء کرام نے فرمایا روضہ نبویہ کعبہ مکرمہ مسجد اقصی عرش اور کرسی سے افضل ہے۔ (عقیدہ الشہد اللحر پوطی) قال امام فاسی وروضة الرسول مجمع البرکات واصل الخیرات ومنزل الرحمات وینبوع الکرامات ومطلع المسرات الخ یعنی حضور علیہ السلام کا روضہ پاک جملہ برکات کے جمع ہونے کی جگہ، ہر قسم کی خیرات کی اصل ہر طرح کی رحمات کے اترنے کا محل، ہر قسم کی کرامات کا سرچشمہ اور ہر ایک خوشی کے چڑھنے کا مقام ہے۔ (مطالع المسرات)
اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی خوب فرماتے ہیں۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو   کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

فی الواقع کعبہ معظمہ جملہ کائنات کا کعبہ اور گنبد خضراء کعبہ معظمہ کا قبلہ ہے۔ وھذا ھو الایمان وبدونہ خرط القتاد۔

رہا یہ سوال کہ مخالفین اہل سنت کی نگاہ کور بین میں یہ نورانی بابرکت گنبد کیوں کھٹکتا ہے؟ اور وہ اس کو معاذ اللہ گرانے کیلئے موزوں و مناسب وقت کے منتظر کیوں رہتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہی ہے۔ کہ ان لوگوں کا عقیدہ اس بارہ میں یہ ہے۔ کہ زیارت رسول مقبول یعنی روضہ انور کی زیارت کیلئے سفر کرنا اور حضوری آستانہ شریفہ اور ملاحظہ روضہ مطہرہ یعنی گنبد نبوی کو نگاہ تعظیم سے دیکھنا بدعت وحرام وغیرہ ہے۔ اور اس کی طرف سفر کرنا ناجائز اور زنا کے درجہ کو پہنچتا ہے۔ (شہاب ثاقب ص ۴۵ مصنفہ حسین احمد دیوبندی)

اور ان لوگوں کے عقیدہ میں گنبد خضراء صنم اکبر یعنی بڑا بت ہے۔ (سعادۃ الدارین مصنفہ عبدالرحیم اساری دیوبندی) بلکہ ان کے پیشوا محمد بن عبدالوھاب نجدی نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔ ملعونا فاعلہ فی قبر رسول اللہ فما ظنک فی قبر غیرہ من امتہ یعنی روضہ نبوی کی تعمیر و تعظیم کرنیوالا لعنتی ہے۔ تو دوسرے بزرگان امت کی قبروں کی تعمیر و ادب کرنے والے کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟

(شرح الصدور بتحریم رفع القبور مصنفہ نجدی مذکور)

اور دیو بندیوں وہابیوں کے پیشوا رشید احمد گنگوہی سے روضہ مقدسہ کے جائز وناجائز ہونے کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے صاف صاف لکھ دیا کہ اس کی تعمیر امر ناجائز ہے۔ اور اسے تعمیر کرنے والے علماء مقبولین نہ تھے بلکہ امراء وسلاطین تھے۔ (فتاوی رشیدیہ ص۱۱۶ مصنفہ گنگوہی مذکور) اور دیو بندیوں کا پیشہ ور مناظر منظور احمد نعمانی یہ لکھ کر رہتی کسر بھی نکال گیا کہ نجدیوں غیر مقلدوں کا مسلمانوں کی قبروں اور قبوں کو منہدم کرنا احیاء سنت اور باعث اجر عظیم ہے۔ (سیف یمانی ص۱۱۸) اور ابو الاعلیٰ مودودی تو چند قدم آگے بڑھ کر لکھ بیٹھا کہ جو لوگ اجمیر یا سالار مسعود کی قبر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں۔ کہ قتل وزنا کا گناہ اس سے کمتر ہے۔ (تجدید واحیاء دین ص۱۰۳) خیال رہے کہ قتل وزنا کبیرہ گناہ ہیں۔ اور ان سے بڑا گناہ کفر وشرک ہی ہو سکتا ہے تو گویا مودودی صاحب کے عقیدہ میں مقامات مقدسہ پر حاضری دینے والے کافر ومشرک ہیں۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ اور ہندوستانی وہابیہ دیو بندیہ کے مقبول پیشوا اسماعیل دہلوی لکھتا ہے کہ حضور علیہ السلام مر کر مٹی میں ملنے والے ہیں۔ (تقویۃ الایمان ص۸۶) اور امام الوہابیہ محمد بن عبد الوہاب نجدی نے یہ بھی کہہ ڈالا ہے۔

فالقبر المعظم المقدس وثن وصنم بکل معانی الوثنیہ لو کان الناس یعقلون.

(ترجمہ) سو حضور ﷺ کی وہ قبر جو لوگوں کی نگاہوں میں معظم ومقدس ہے۔ وہ بت ہے جس میں بت ہونے کی تمام وجہیں موجود ہیں۔ کاش لوگوں کو اس بات کی سمجھ ہوتی (شروح الصدور مذکور) اور ان کے بڑوں کا مقولہ ہے۔ معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذات سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے۔ ہم اس سے کتے کو دفع کر سکتے ہیں اور ذات فخر عالم ﷺ سے تو یہ بھی نہیں کر سکتے اھ بلفظہ (شہاب ثاقب ص۴۷)

سنی مسلمانو! ذرا سوچئے کہ جن لوگوں کے نظریات وعقائد اس قسم کے ہیں۔ وہ اس پاکیزہ نورانی گنبد خضراء کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں اور وہ اسے گرا دینے کے آرزومند کیوں نہ ہوں گے صرف وہ کسی موزوں ومناسب موقعہ کے منتظر ہیں۔ لیکن ہم

اعلانیہ طور پر یہ دعوی کرتے ہیں۔ کہ انشاء اللہ تعالی یہ لوگ اپنی اس خواہش کو قیام قیامت سے پہلے تک پورا نہیں کرسکیں گے کیونکہ زمانہ ماضی میں اس قسم کے لوگ گنبد نبوی گرانے اور قبر مطہر کو مٹانے کے لئے بارہا ناکامی کا منہ دیکھ چکے ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالی آئندہ بھی وہ اپنے ان ناپاک عزائم میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے مولوی عبدالطیف جہلمی دیوبندی نے اپنی کتاب چند الزامات کا جواب ص ۲۳ میں کیا خوب کہا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں ہی وصال فرمایا۔ وہاں ہی مدفون ہوئے اور بعد میں بضرورت حضور کے روضہ مقدسہ کو پختہ بنانا خاتم النبیین کی خصوصیت ہے۔ کیونکہ کعبہ مکرمہ کی طرح روضہ مطہرہ بھی قیامت تک دنیا میں موجود رہے گا اھ بلفظہ تنبیہ ہمارے نزدیک روضہ مقدسہ کو پختہ بنانا خاتم النبیین کی خصوصیت نہیں بلکہ دوسرے بزرگان دین کی قبور کا بھی یہی حکم ہے۔ **کما تقدم تفصیلا و اللہ اعلم**۔

ایک واقعہ سنئے اور ہمارے اس دعوی کی صداقت پر یقین پیدا کیجئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی جذب القلوب میں فرماتے ہیں۔ ۵۵۷ھ میں حرمین شریفین پر سلطان نور الدین زنگی کی حکمرانی تھی۔ ایک رات انہوں نے خواب میں رسول مقبول ﷺ کو دو شخصوں کی طرف اشارہ فرما کر یہ فرماتے ہوئے دیکھا۔ نور الدین یہ دو شخص مجھے ستا رہے ہیں۔ ان کا خاتمہ کردو۔ بادشاہ فورا جاگ پڑے اور وضو کر کے نوافل پڑھے اور سو گئے پھر وہی خواب دیکھا تو انہیں اس کی سچائی کا کامل یقین ہوگیا۔ راتوں رات اپنے خواص کو لے کر شام سے چلے اور مدینہ پاک پہنچے اور یہ اعلان کرا دیا کہ مدینہ پاک کا ہر شخص بادشاہ سلامت سے فرداً فرداً ملاقات کرے۔ جب تمام لوگ ملاقات کر چکے اور وہ مطلوبہ شخص نظر نہ آئے تو بادشاہ نے دریافت فرمایا کوئی شخص ہماری ملاقات سے محروم تو نہیں رہا۔ اس پر انہیں یہ بتایا گیا کہ دو مغربی آدمی جو بڑے پارسا اور سخی ہیں۔ انہوں نے ابھی تک ملاقات نہیں کی۔ بادشاہ نے انہیں حکم نامہ بھیجا تو وہ دونوں حاضر خدمت ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی بادشاہ نے پہچان لیا کہ یہ وہی ہیں۔ جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ مجھے

ستا رہے ہیں، ان کے شر کو ختم کر دو۔ بادشاہ نے ان کے گھر کی تلاشی لی تو دیکھا کہ فرش میں ایک سرنگ بنی ہوئی ہے۔ جس کا ایک سرا حضور علیہ السلام کی قبر انور تک پہنچا ہوا ہے۔ ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا اور تحقیق بسیار کے بعد معلوم ہوا کہ وہ دو عیسائی ہیں، جو جسد مصطفوی کو وہاں سے نکال کر لے جانے کا ناپاک منصوبہ بنا کر آئے تھے، اس وقت بادشاہ کی زبان سے بے ساختہ طور پر یہ الفاظ نکلے حضور ﷺ نے اپنے غلام کو ایسے وقت میں یاد فرمایا۔ پھر ان شریروں کو تختہ دار پر لٹکا دیا اور قبر انور کے چاروں طرف گہری بنیادیں کھودا کر لوہے اور سیسے کی دیوار تعمیر کرادی تاکہ آئندہ کوئی ظالم اس قسم کی شرارت نہ کر سکے۔ اس واقعہ سے آپ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضور ﷺ کے گنبد خضراء کو گرانا اور آپ کو ملیا میٹ کرنا آپ کی اذیت کا باعث ہے۔ اور حضور علیہ السلام کو اذیت دینے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ یاد رکھنا چاہیے۔ والذین یوءذون رسول اللہ لھم عذاب الیم اور جو لوگ اللہ کے رسول یعنی جناب محمد ﷺ کو ستاتے ہیں ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۴)

اور فرماتا ہے۔ ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدلھم عذابا مھینا ۔ (پ ۲۲ ع ۴)

بلا شبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول یعنی جناب محمد ﷺ کو ستاتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں لعنت فرما دی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور حضور علیہ السلام خود فرماتے ہیں۔ من آذانی فقد آذی اللہ و من آذی اللہ یوشک ان یاء خذہ ۔ جو مجھے ستائے وہ اللہ تعالیٰ کو ستاتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کو ستائے تو اللہ یقیناً پکڑتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے مجھے ایک قبر پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا تو فرمایا لا تؤذ صاحب ھذا القبر اس قبر والے کو اذیت نہ پہنچاؤ (مشکوۃ) اور ایک حدیث میں ہے۔ کہ آپ نے ایک شخص کو قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا

قبر سے اتر صاحب قبر کو اذیت نہ دے تا کہ وہ تجھے اذیت نہ دے۔ (شرح الصدور)

ان روایات کی روشنی میں یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ گنبد خضراء کو مٹانا اور گرانا یا اسے کسی دوسری جگہ منتقل کرنا اللہ اور رسول کی ناراضگی و اذیت کا باعث ہے۔ لہذا ہم اس قسم کی تجاویز پیش کرنے والوں کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔ اور حکومت عربیہ سے یہ درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ اس قسم کی ناجائز تجاویز پر گوش پذیرائی نہ رکھے اور حضور علیہ السلام کے روضہ مقدسہ سے تعرض کر کے تمام عالم اسلام کے دل کو صدمہ پہنچانے سے گریز کرے اور ہم حکومت آزاد کشمیر و پاکستان سے بھی پرزور اپیل کرتے ہیں۔ کہ وہ گنبد خضراء کے تقدس کو برقرار رکھنے کیلئے اپنے جملہ وسائل سے کام لے کر عرب حکومت کو اس قسم کی غلط تجاویز پر عمل پیرا نہ ہونے دے۔

و آخر دعونا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالى على خير خلقه ونور عرشه وزينة فرشه سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين وانا الفقير ابو الكرم احمد حسين قاسم الحيدرى الرضوى غفر الله تعالىٰ له المدرس بالجامعة العثمانيه ببلدة مير فور آزاد كشمير .

سرکار کی باتیں

ہونٹوں پر مرے رہتی ہیں سرکار کی باتیں
محبوب خدا سیّد و سردار کی باتیں

اللہ نے ہر پھول کے چہرے پہ لکھی ہیں
سرکار ہی کے چہرہ و رخسار کی باتیں

دیکھ آتے ہیں اک بار جو سرکار کا روضہ
پھر کرتے نہیں مصر کے بازار کی باتیں

سنتے نہیں کیونکر وہ غلاموں کی صدائیں
ارے سن لیتے ہیں سرکار تو اشجار کی باتیں

جب تک کہ میرے جسم میں اک سانس ہے باقی
کرتا رہوں مولا تیرے دلدار کی باتیں

والشمس کی والقمر کی تفسیر میں دیکھو
قرآن ہے بس آپ کے انوار کی باتیں

ظاہر و رفعنالك ذکرك سے یہ اجمل
ہوتی ہی رہیں آپؐ کے کردار کی باتیں

عید ہو جائے

آج روز سعید ہو جائے
تیری آقا جو دید ہو جائے

حسن والے نقاب رخ سے اٹھا
ہم غریبوں کی عید ہو جائے

حضور آئے ہیں

سب کے چہروں پہ نور آئے ہیں
سب دلوں کو سرور آئے ہیں
مان جاؤ نجن کہ محفل میں
کملی والے حضورؐ آئے ہیں

مجھے یوں لگا کہ وہ آ گئے

لیا نام دل سے حضور کا مجھے یوں لگا کہ وہ آ گئے
جھونکا اٹھا اک نور کا مجھے یوں لگا کہ وہ آ گئے

جو میں ان کی یاد میں گم ہوا تو مدینہ سامنے آ گیا
ہوا دور فاصلہ دور کا مجھے یوں لگا کہ وہ آ گئے

وہ ازل سے پیکرِ حسن ہیں وہ ابد کے پیکرِ حسن ہیں
ہوا ذکر ان کے ظہور کا مجھے یوں لگا کہ وہ آ گئے

تیری اک نگاہ کمال نے میری زندگی کو بدل دیا
مٹا فکر میرے امور کا مجھے یوں لگا کہ وہ آ گئے

تیری یاد میں وہ سرور ہے میرے دل میں نور ہی نور ہے
کھلا بھید کیف و سرور کا مجھے یوں لگا کہ وہ آ گئے

مجھے لاشعوری کے حال میں کیا کیا نظارے ملے ضیا
جو ملا مقام شعور کا مجھے یوں لگا کہ وہ آ گئے

دلدار کی باتیں

جی کرتا ہے کرتا رہوں سرکار کی باتیں
اس مدنی نبی رہبرو دلدار کی باتیں

ذکر شہِ والا سے میرے دل کو سکوں ہے
کیوں نہ کروں ہر گھڑی غم خوار کی باتیں

اللہ کی رحمت نے اسے خوب نوازا
جس شخص نے اپنائی ہیں سرکار کی باتیں

ضیاءؔ اور بھی باتیں ہیں مگر قسم خدا کی
کرتے رہیں گے ہم مگر سرکار کی باتیں

ذکر کی قبولیت

ذکر ان کا قبول ہوتا ہے
جن کو عشق رسول ہوتا ہے

لب پہ جاری نبی کی نعت رہے
عاشقوں کا اصول ہوتا ہے

دل تڑپتا ہے آنکھ روتی ہے
جب بھی ذکر رسول ہوتا ہے

مجھ کو جو بھی نصیب ہوتا ہے
صدقۂ ابنِ بتول ہوتا ہے

بھول جاتا ہے ضیاءؔ جنت کو
جب مدینے دخول ہوتا ہے

یہ فتنوں کا دور ہے۔ ہر دن ایک نیا فتنہ تمام تر حشر سامانیوں اور اپنی رعنائیوں سے مزیّن امتِ مسلمہ کو انتشار و افتراق میں مبتلاء کر رہا ہے بندگانِ خدا جل جلالہ و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پریشان و خستہ حال ہیں۔ ہر دن چڑھنے والا سورج اپنی تمازت سے اذھان و قلوب کو مضمول کر رہا ہے۔ ایسے پُر آشوب دور میں اذان بلالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دینا اللہ تعالیٰ ہی کے بندوں کا شیوہ رہا ہے انہی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے حضرت علامہ ابوالکرم احمد حسین قاسم الحیدری مدظلہٗ العالی ہیں۔ جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کی راہنمائی کے لئے توفیق عطا فرمائی ہے اور وہ دن رات ان فتنوں کی سرکوبی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائے۔ اور ان کی عمر، علم اور عمل میں خیر و برکت عطاء فرمائے۔

آمین۔ بجاہ نبیك الكريم عليه الصلوٰة والتسليم

سگِ دیار حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

عبدالحفیظ احمد قادری ضیائی

مطب الشفاء ماڈل ٹاؤن اے، فیصل آباد